جدا نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ

دریا سے حباب کی ہے جدا تو اور نہیں میں اور نہیں
لجاؤں گا تجھ میں بعد فنا تو آ در نہیں میں اور نہیں

حباب دریا کا ایک قطرہ ہوتا ہے ہوا ایک نیا تماشہ دکھا دیتی ہے اور بادی النظر میں اُس کی یہ ... ہو جاتی ہے۔

... علی حیدر صاحب نظم نے اس شعر پر بہت کچھ لکھکر المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے جو صحیح نہیں ہے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں ہے نہ یہ واقعہ پایہ ثبوت کو پہونچتا ہے کہ غالب کے منہ پر لوگوں نے اس شعر کو بے معنی کہا تھا۔ اور اگر ایسا ہوا تو بھی غلط خیال ہے فریادی کے کاغذی کپڑے کی ایک رسم ضرور تھی اگرچہ آج نہیں جیسا کہ اُستاد کہتا ہے۔

کاغذی جامہ بپوشیدہ بدرگہ آمد زادۂ خاطر من تا بدہی داد مرا

کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

کاوُ کاوُ۔ زخم کو نوچنا اور کھودنا۔ یہاں مراد ہے تکلیف اور محنت سے یعنی محنت اور تکالیف شب جدائی کو کچھ نہ پوچھو جدائی کی شام کی صبح کرنا اتنا دشوار ہے جیسے فرہاد کے لیے جوئے شیر کا شیرین ... تک لانا۔ صبح کی سفیدی کو جوئے شیر سے تشبیہ دی ہے اور بلحاظ تشبیہ لفظ کاوُ کاوُ اس جگہ ... ہی عمدہ ہے۔

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

یعنی میرے شوق قتل کے جذبۂ بے اختیار کو دیکھئے کہ تلوار کے دم کو تلوار کے سینہ سے کھینچ لیا ہے اس شعر میں بے اختیار کا لفظ خصوصیت سے قابل داد ہے کیونکہ دم شمشیر کا سینۂ شمشیر سے باہر ہونا اختیاری نہیں ہے دم سے مراد تلوار کی دھار۔

اسی قسم کا ایک شعر مرزا قوی صاحب لکھنوی کا اسی زمین میں ہے جو کہ اگرچہ اسی مضمون سے ماخوذ ہے ... سے جدا ہے فرماتے ہیں ؎

دل جگر دو نوں نکل آئے ہیں پہلو توڑ کر اللہ اللہ اشتیاق اک آنے والے تیر کا

... چہ ایک فعل غیر معتاد کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر خوب شعر کہا ہے۔

شارح: عبدالباری آسی

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

آگہی خواہ کسیقدر دام شنیدن بچھائے مگر میری تقدیر کے مطلب کو جو بمنزلۂ عنقا جس کا بقول حکما کوئی وجود نہیں ہے کو شکار نہیں کر سکتی یعنی میری تقریر کا مطلب نہیں سمجھ سکتی - اس شعر میں دام شنیدن بچھانے کی خواہش آگہی ہے اسی مضمون کو آسان الفاظ میں مرزا نے خود دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا — موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

آتش زیر پا بمعنی بے قرار یعنی چونکہ میں اسیری کی حالت میں بھی بے قرار ہوں اسواسطے میرا ہر حلقۂ زنجیر مثل موئے آتشدیدہ بن گیا ہے - ظاہر ہے کہ آگ بال کو جب جلا دیتی ہے تو وہ پیچ و تاب کھا جاتا ہے اور یہ نہایت عمدہ تمثیل ہے اس میں آتش زیر پا ایک ایسا لفظ رکھا گیا ہے جس کے نکلجانے پر شعر کا طلسم درہم برہم ہو جائے گا اور یہ کمال شاعری ہے کہ کوئی لفظ شعر میں ایسا رکھا جائے جسکے بغیر شعر بیکار ہو جائے -

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ — مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا

اے اسد غمخوار جان دردمند یعنی حضرت ناصح آ پہونچے اور یہ چیزیں جو انسان کے لئے باعث تکلیف ہیں ہمارے لئے تحفہ لائے ہیں یعنی انکی گفتگو میرے لیے رنج دہ ثابت ہوگی - یہ مبارکباد از راہ تشنیع ہے اور ناصح کیواسطے ہجو ملیح ہے - الماس کے کھانے سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہیں جیسے حضرت داغ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

آنسو نہ پیے جائیں گے اے ناصح نادان — ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی

مولانا نظم اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایسا شخص جو زخم جگر کا شایق ہے الماس اس کے لئے ہدیہ ہے مگر میرے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہیں ہے -

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار — صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

یعنی سوائے قیس کے اور اس نے کسیکو ظاہر نہ کیا۔ اور کسیکو پسند نہ کیا۔ صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا۔ اسکے معنی یہ بھی ہو سکتے ہین کہ سوائے قیس کے اور کوئی اس مین نہین ظاہر ہوا شاید صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا کہ اور کسی کے لئے بجز مجنون کے یہ کافی نہین ہوا اسمین اپنی فوقیت مجنون کے اوپر ثابت کی ہے میرا ایک اسی مضمون کا شعر ہے

درخور وحشتِ دل دامن صحرا نہ ہوا بجھ گئی قیس کی آتش کا گذارا نہ ہوا۔

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

چونکہ میرے داغ سویدائے دل سے ہمیشہ آہ کا دھوان اٹھتا ہے اس سے مین خیال کرتا ہون کہ اس داغ کی پیدایش بھی آشفتگی سے ہوئی ہے کیونکہ آشفتگی کے معنی پریشانی کے ہین یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہین کہ میری پریشان خاطری نے میرے دل پر ایک داغ قائم کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ داغ سویدا محض پریشانی ہے جو دود سے مشابہ ہو پیدا ہوتا ہے یاد رکھئے ایسے اشعار جن مین اس قدر بلند پروازی کی جائے کہ وہ مغلق ہو جائین اور انمین کوئی معنی مستقل پیدا نہون قابل تحسین نہین ہوتے۔

تھا خواب مین خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

قاعدہ ہی کہ جن باتون کا آدمی کو دن مین خیال رہتا ہو وہی خواب مین بھی نظر آتی ہین مصنف کہتا ہو کہ میرا خیال خواب مین مجکو مخاطب بنا کر تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا جس مین میرا فائدہ تھا یا نقصان تھا مگر آنکھ کھلتے ہی وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ نہ نقصان باقی رہا نہ فائدہ رہا وہی مین تھا اور کنج تنہائی۔

لیتا ہون مکتب غم دل مین سبق ہنوز لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

اس شعر مین تین چار لفظ ایسے جمع کیے گئے ہین کہ جنسے شعر بہت بلند ہو گیا ہی جنمین سے اول لفظ ہنوز ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا مکتب غم دل مین مدت سے سبق پڑھتا ہے۔ دوسرے رفت گیا اور بود تھا۔ یہ دو لفظ بہت جامع ہین جن سے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہین یعنی عیش کا زمانہ کبھی تھا اب گیا یا معشوق یا میرا دل کبھی تھا اور اب گیا

وغیرہ اس مین خاص نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے انہین دو الفاظ کو ہمیشہ پڑہنے سے ایک ابتدا جنون کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ جو کتب غم دل کے سبق کا خاص فائدہ ہے اور اس سے ایک خاص حالت کی تصویر کہنچ جاتی ہے۔ عرفی شیرازی نے بھی اپنے ایک شعر مین قریب قریب ایسا ہی مضمون ادا کیا ہو مگر محاکات عرفی کے شعر مین زیادہ ہین اور اسی وجہ سے غالب سے زیادہ وہ شعر اچھا ہے ؎

عشق میخوانم و می گریم زار　　　طفل نادانم و اول سبق است

ڈہانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی　　　مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تہا

میری برہنگی کو داغ عیوب کو کفن نے ڈہانپ لیا ورنہ زندگی مین اگر کوئی لباس بھی پہنتا تب بھی مین ننگ ہستی ثابت ہوتا۔ ننگ وجود کو لفظ برہنگی سے ایک تشابہ ہو ورنہ ننگ وجود اس محل پر کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا ایک میرا شعر ہے ؎

دامن زخم نے کی اُس سے مروت ورنہ　　　بسمل تیغ ستم دفن بھی عریان ہوتا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد　　　سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تہا

یعنی کوہکن نے رسم کی پابندی کی اور تیشہ کے بغیر مر نہ سکا ورنہ عاشق کامل ہوتا تو یونہی مرجاتا چونکہ تشنیع کی راہ سے یہ شعر کہا گیا ہے اسلئے ایسے ہی الفاظ بھی لائے گئے ہین سرگشتہ خمار رسوم و قیود یعنی رسوم دنیوی کی شراب کے خمار نے اُسکا سر پھرا دیا تھا اور خمار ایک نہایت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ مومن مرحوم بھی ایک جگہ ایسا ہی کچھ فرماتے ہین۔

جوش وحشت ہے یہ ناصح نہ پنہا نا زنجیر　　　دیکھ دیوانہ نہ ہو مین نہین پابند رسوم

خود مرزا فرماتے ہین ؎

ترا بجز یہ چہ حاجت نہ آن بود غالب　　　کہ جان بہ لذت آویزش درون نہ دہد

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا　　　دل کہان کہ گم کیجئے ہمنے مدعا پایا

تم جو ہم سے یہ کہتے ہو کہ اگر تیرا دل کہین ہم کو پڑا مل گیا تو پھر ہم نہ دینگے ہمارے پاس دل کہان ہے کہ اب گم ہوگا۔ بس آپکا مطلب ہم سمجھ گئے کہ ہمارا دل آپ کے پاس ہے اور آپ اس کو دینا نہین چاہتے۔ پڑا پایا۔ دلی کی زبان ہے لکھنؤ مین پڑا ملا۔ بولتے ہین۔ اور اس کو زیادہ فصیح سمجھتے ہین۔ ایکمرتبہ یہان کے ایک شاعر کے سامنے مین نے اپنا یہ شعر پڑہا

مین تو یون رویا کہ دل میرا گیا　　　تم جو ہنستے ہو تحقین کیا پا گیا

انھون سنے فرمایا کہ پاگیا بجائے مل گیا کے ہمارے یہان نہیں بولتے - واللہ اعلم

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا　　　درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

میری زندگی بغیر عشق کے بے مزہ تھی اُس سے مجھے زندگی کا مزہ ملا - یہ میرے درد کی دوا ہو گر یہ دوا یعنی عشق خود درد بے دوا ہے - عوام بجائے بے دوا کے لا دوا کہتے ہین جو صحیح نہین ہو - اسی مضمون کو مولانا ظہوری ترشیزی نہایت اعلیٰ الفاظ مین ادا فرماتے ہین -

شد طبیب ما محبت منتش بر جان ما　　　محنت ما - راحت ما - درد ما درمان ما

اور مولانا روم نے بھی اسی مضمون کو اپنے واعظانہ لہجہ مین یون ادا فرمایا ہے -

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

دوستدار دشمن ہو اعتماد دل معلوم　　　آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

کہا گیا ہو کہ دنیا مین تین طرح کے دوست اور تین طرح کے دشمن ہوتے ہین اپنا دوست - دوست کا دوست - دشمن کا دشمن - یہ سب دوست ہین - اپنا دشمن دوست کا دشمن - دشمن کا دوست یہ سب دشمن ہین مصنف اسی کو کہتا ہے - کہ دل میرے دشمن کو دوست رکھتا ہے یعنی معشوق پھر اس کا اعتبار کیسا - کیونکہ یہ خود ایک دشمن ہے اور اسی وجہ سے اس کا نالہ و آہ سب بے اثر ہے یہ مضمون عام ہے ہر دیوان مین ایسے بہت سے شعر ملین گے مگر مصنف نے پہلے مصرع مین توجیہ کر کے کچھ جدّت سے کام لیا ہے -

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہمنے اپنا دل　　　خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

یہ ایک نہایت باریک مضمون ہو مگر جناب نظم نے اپنی شرح پر کچھ توجہ نہین فرمائی اور صرف اتنا لکھدیا ہو کہ ایک عاشق بے دل غنچہ پر یہ گمان ظاہر کرتا ہے کہ یہی میرا دل ہے جو مدت سے کھویا ہوا تھا اور جناب حسرت صاحب موہانی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن اتنا ایزاد فرمایا ہے کہ آمد بہار سے جوش جنون تازہ ہوا ہو حالانکہ الفاظ بتاتے ہین کہ مصنف کا منشا کچھ اور ہے کہ اگلی بہار مین خزان کے آنے پر ہمارا دل خون ہو گیا تھا اور گم ہو گیا تھا - اب غنچہ پھر کھلنے لگا تو آج

اپنا وہی خون شدہ دل ہم کو نظر آیا اور اسی مضمون کو تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ مصنف نے کئی جگہ ادا کیا ہے منجملہ اُنکے ایک یہ کہ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہو گئیں

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی — ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

ہم کو اپنے دل کا اور کچھ حال معلوم نہیں صرف اسقدر معلوم ہے کہ ہم نے اس کو بار بار ڈھونڈھنے پر نہیں پایا۔ اور تم نے اسکو بارہا پایا مگر کچھ پروا نہ کی۔

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

ناصح کے شورِ پند نے میرے دل کے زخموں پر خوب نمک چھڑکا کوئی حضرت ناصح سے پوچھے کہ آپکو اس نمک چھڑکنے سے کیا مزا آیا۔ شورِ پند سے نمک چھڑکنا۔ قابل داد ہے نمک شور مزا وغیرہ میں تناسب الفاظ بھی ہے لطف یہ ہے کہ میرے زخمہائے دل کو اس میں بھی اک لطف آتا ہے۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا — آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

سوزِ نہاں۔ اور آتشِ خاموش نہایت مناسب الفاظ ہیں یعنی میرا دل سوزِ نہاں سے ایسا چپکے چپکے جل گیا کہ کسیکو خبر بھی نہو گی۔ جیسے کہ آتشِ خاموش آہستہ آہستہ جل جایا کرتی ہے یہی دل کی کیفیت ہوئی ؎

آتشِ الفت بھی کیا ہی آتشِ خاموش ہے — اُڑ گئے دل کے دھوئیں لیکن نہ ہوا ان کو نہیں

غالب کے اس مطلع میں مصرع ثانی کا قافیہ اور ردیف بیکار ہے۔

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

عشق سے میرے دل میں ایک ایسا سوز و گداز پیدا ہوا کہ اُس سے ایک آگ بھڑکی اور اس سے تمام دل و جگر جل کے خاک سیاہ ہو گیا نہ یادِ یار باقی رہی۔ نہ ذوقِ وصل رہا۔ مولانا نظم نے آگ بھڑکنے کا سبب رشک کو ٹھہرایا ہے مگر میں نہیں سمجھا کہ معنی رشک کن الفاظ سے ترشح

ہوتے ہیں اسی مضمون کو میر تقی میر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کیا کہیں　　لگ اُٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر سب پھک گیا

یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ بات غور کے قابل ہے کہ یہ مضمون میر کے شعر سے لیا گیا مگر غالب کے یہاں بہت چست الفاظ میں نظم کیا گیا ہے اور میر کے یہاں معمولی طریقہ سے اور اسی وجہ سے نہ یہ شعر محض سرقہ کے الزام سے جدا ہے بلکہ اردو زبان کی ترقی کہی جاسکتی ہے اسی مضمون سے لگ بھگ مضمون جناب آرزو صاحب لکھنوی کے یہاں بھی پایا جاتا ہے اور یہی زمین ہے مگر ہم بلا رعایت کے یہ کہدینے کے لیے تیار ہیں کہ اگر نقش اول او نقش ثانی کے خیال اور موجد و مقلد کی تمیز کو اٹھا دیا جاتا ہو تو میر کے یہاں سے غالب کے یہاں اور غالب کے یہاں سے جناب آرزو کے یہاں بہت اچھے طریقہ سے یہ مضمون نظم کیا گیا ہے اسپر وہ حضرات خصوصیت سے غور فرمائیں جو دیکھنا چاہیں کہ ترقی خیال کیونکر ہو سکتی ہے۔ شعر یہ ہے۔

پہلے تھی فکر آگ حسرت خانہ دل کی سنجھے　　اب ہے اسکی جستجو کیا رہ گیا کیا جل گیا

جناب آرزو کے کئی شعر اس غزل میں چست ہیں۔

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا　　میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

پرے دلی کا محاورہ ہے اور تھا۔ لیکن لکھنؤ کا محاورہ نہیں ہے بلکہ یہاں کے لوگ اس کو بنگاہِ نفرت دیکھتے ہیں غالب خود ایک جگہ اور کہتے ہیں کہ ؎

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود　　کعبہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

غرض وہاں یہ لفظ بے تکلف لکھا جاتا ہوا اور ظاہرا اسمیں کوئی نقصان بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اسے ترک کیا جائے اس سے سوا اس کے کہ اردو کے دائرہ یا کو تنگ کیا جائے اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ میں اب عدم سے بھی آگے ہوں یعنی میری نیستی عدم کے درجہ سے بھی بڑھ گئی ہے ورنہ جب میں عدم کے درجہ میں تھا تو عنقا سے ملاقات ہوتی تھی جو خود درجہ نیستی میں ہے اور اس وقت اسکے بازو میری آہ آتشیں سے پھنک جاتے تھے مگر اب وہ وقت نکل گیا میں عدم سے بھی آگے بڑھ گیا اسی مضمون کو میرزا عبدالقادر صاحب بیدل عظیم آبادی فرماتے ہیں

ہمچو عنقا بے نیاز عرض ایجادیم ما　　یعنی آں سر کے عدم یک عالم آبادیم ما

یعنی مثل عنقا ہم عالم دنیا مین ظاہر ہونے سے بے نیاز ہین عدم سے اُس طرف (یعنی عدم سے پرے) ہم اور وہ ایک عالم مین آباد ہین مگر غالب نے شعر مین یہ ترقی کی ہے کہ عنقا کو محض عدم مین رکھا اور اپنے آپکو اُس سے ممتاز درجہ مین ظاہر کیا اسیوجہ سے یہ مضمون میرزا غالب مرحوم کا مضمون کہا جاسکتا ہے ورنہ ترجمہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا۔

عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہان — کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اس مین اپنی جوہر اندیشہ کی گرمی کو عجب طریقہ سے ظاہر کیا ہے اور یہ طرز بیان ہی اس شعر مین زیادہ تر پسندیدہ ہی یعنی کہتا ہی کہ مین اپنے جوہر اندیشہ کی گرمی کا کیا اظہار کرون ذرا وحشت اور صحرا نوردی کا خیال کیا تھا کہ صحرا مین آگ لگ گئی اس سے مراد یہ ہے کہ میرے جوہر اندیشہ مین آتشی سوزش اور گرمی موجود ہے۔ عرض جوہر کے مناسبات سے بفتح را مہملہ صحیح بسکون غلط ہی۔ جوہر وہ جو بالذات قائم ہو۔ عرض وہ جو بذات دیگر قائم ہو۔ مگر یہان عرض بمعنی ظاہر کرنا اور جوہر استعارہ ہی اندیشہ سے بمعنی ذات۔ اصل وغیرہ۔ ایسا ہی ایک مضمون ہے جس کو جناب آرزو صاحب اسی زمین سے ایک شعر مین یون ادا فرماتے ہین اور وہ اس سے صاف ضرور کہا جاسکتا ہے زیادہ کچھ نہین۔

آرزو — سبز بختی کے اثر کی پیشقدمی دیکھئے — جبکی شادابی پسند آئی وہ صحرا جل گیا
آرزو — ہی یہ ادنی سامری سوختہ بختی کا اثر — جس گلستان پہ نظر کی وہ گلستان جل گیا

دل نہین ہی ورنہ دکھاتا تجھکو داغون کی بہار — اس چراغان کا کرون کیا کارفرما جل گیا

دل مین اتنے داغ تھے کہ اب دل مٹ گیا اور بجائے دل چند داغ رہ گئے ہین اسی لئے افسوس کے لہجہ مین مصنف کہتا ہی کہ افسوس داغون کی بدولت جو یہ چراغان ہی اسکی اب کوئی بہار نہین ہی کیونکہ یہ چراغان جس کی بدولت تھا اور جو اس کا کارفرما یعنی مہتمم تھا وہ اسی چراغان سے جل گیا۔ چراغان ایک قسم کا تماشہ ہے جسمین جابجا چراغ جلائے جاتے ہین اور ایک قسم کا عذاب بھی ہی نہایت اعلی شعر ہے اسی مضمون کو ایک جگہ مین نے بھی کہا ہے مگر اس مین مضمون کو کچھ بدل دیا گیا ہی جس سے صرف سرقہ کی حد سے جدا ہے ؎

ہوتا جو دل تو تم کو دکھاتا مین داغ دل — اب کیا کرون کہ اب تو نہ دل ہی نہ داغ ہی

بیخود دہلوی اس مضمون کو کہ دل مٹ گیا داغ رہ گیا یوں فرماتے ہیں -

خدا بخشے دل مرحوم کی اب قدر جانی ہے — یہ داغ آرزو اس مرنے والے کی نشانی ہے

خود مصنف نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اس مضمون کو دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے -

دکھاؤں گا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے — مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

یعنی اگر یہ دل رہ گیا اور اس کے داغ یونہی دن رات ترقی کرتے رہے تو تجھکو تماشہ دکھاؤں گا کہ کبھی یہ سرو چراغاں ہو جائے گا اور آئین اک بہار آ جائے گی -

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل — دیکھکر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا ہے تو اب افسردگی کی آرزو ہے جلنے کے بعد ہی افسردگی پیدا ہوتی ہے اہل دنیا اور احبا اور اعزا وغیرہ کی شکایت غالب کا حصہ ہے اور اس قسم کے شعر اُن کے یہاں بہت ہیں اور دُکھے ہوئے دل سے جو شعر اس بارہ میں اُن کے قلم سے نکلا ہے بیمثل ہے جیسے کہ فرماتے ہیں ؎

گرو ہم شرح ستمہائے عزیزان غالب — رسم امید ہمانا زجہان برخیزد

شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا — قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا

ہر رنگ یعنی ہر طرح رقیب کے اصل معنی نگہبان کے ہیں اور مجازاً بمعنی دشمن مستعمل ہے شوق سے مراد یہاں عشق ہے یعنی شوق ہر حال میں سروساماں کا دشمن رہا قیس کی تصویر بھی ننگی ہی کھنچی رنگ اور پردہ وغیرہ تصویر کے مناسبات سے ہیں - اس میں بمقابلہ محاورہ کے تناسب الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے جو غیر مناسب تھے کیونکہ مناسب الفاظ کا قدرتاً بیساختگی کے ساتھ نظم ہو جانا حسن شعر ہے اور اس کے واسطے آورد کی تکلیف اٹھا کر شعر کو گنجلک بنا دینا بدترین عیوب میں سے ہے - اسمیں شاعر کو دھوکہ ہوتا ہے اور کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتا ہے جیسے کہ آپ غالب ہی کے گزشتہ شعر میں پڑھ چکے ہیں جو اس مضمون سے کچھ مشابہ بھی ہے

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی — میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

ننگ جو محض تناسب الفاظ کے لیے ہے باقی خیریت ہے -

زخم نے داد نہ دی تنگئ دل کی یارب — تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

تنگدل رنجیدہ دل کو کہتے ہین اس جگہ لفظ سے معنی کا فائدہ اُٹھایا ہے یعنی میرا دل تنگ تھا اور سینہ زخم فراخ تھا تو اس زخم نے میری تنگدلی کی داد نہ دی کہ مین نے اس تنگدلی کے باوجود اتنا بڑا زخم کھایا اور یہی سلوک میرے ساتھ تیر نے کیا کہ وہ پر افشان میرے دل سے نکلا یعنی تیر کو پر افشانی ایسے موقعہ پر نہ کرنی چاہیے تھی بلکہ میری تنگدلی پر نگاہ رکھنی چاہیے تھی اگر بقول دیگر شارحین پر افشانی کے معنی پھڑپھڑانے کے لئے جائین جس سے غم و افسوس کی صورت پیدا ہوتی ہے تب بھی مصنف کی غرض اصلی فوت نہین ہوتی کہ اُس کا پھڑپھڑانا دل زخمی کے لیے ویسا ہی باعث تکلیف ہے جیسا کہ تنگی دل کی داد نہ دینا تنگی دل کے مضمون کو مصنف مرحوم نے کئی جگہ مختلف طریقون سے لکھا ہے منجملہ اُسکے۔

کیا تنگ ہم ستمزدگان کا جہان ہے — جسمین کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے۔ یا

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ — اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل — جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

تیری بزم سے جو کوئی نکلتا ہے وہ پریشان ہوکر نکلتا ہے۔ وہ بوئے گل ہو یا نالۂ دل۔ یا چراغ محفل کا دھوان ہو۔ مولوی علی حیدر صاحب نظم نے نکلنے کو محض باعث پریشانی ٹھہرایا ہے اگرچہ یہ بھی ایک اچھا پہلو ہے۔ مگر یہان جو چیزین جمع کی گئی ہین اُنمین بالذات پریشانی کا مادہ موجود ہے۔

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد — کام یارونکا بقدر لبِ دندان نکلا

یعنی میرا دل لذت درد کا ایک دسترخوان تھا جسپر انواع و اقسام کے درد موجود تھے مگر دوستون نے بہت کم غم کھایا۔ یعنی میرا غم جسقدر رکھانا چاہیے تھا اتنا غم کسی نے نہ کھایا لب دندان۔ کم کے معنی مین اِستعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ صرف میرے غم مین ہونٹ ہی کاٹتے رہے انکو اس سے زیادہ کچھ کرنا چاہیے تھا۔

اے نوآموزِ فنا ہمت دشوار پسند — سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا

ہمت دشوار پسند موصوف ہے اور نوآموز فنا اُسکی صفت ہے یعنی اے ہمت دشوار پسند

باوجودیکہ درس فنا بہت مشکل تہا مگر تونے بہت آسانی سے اس سبق کو حاصل کر لیا۔ گویا تیرا پہلا سبق درس فنا ہو گیا۔ فنا کا درس سبق آخری ہوتا ہے مگر تونے اول ہی مین اُسے ختم کر دیا اب میرے لیے کونسا دشوار کام تجویز کیا جائے۔ مین نے اس غزل پر قافیہ بہ قافیہ غزل لکھی تھی اور اس مین اس خیال کو محض اسی لیے بہت آسان الفاظ مین ادا کیا تہا۔ اس کو اسی شعر کی شرح سمجھ لیجیئے یا جو جی چاہے۔ مگر یہ ضرور کہونگا کہ سرقہ کی حد سے باہر ہے ؎

تنگ ہے عشق کی دشوار پسندی مجھ سے مجکو مرنا ہی شب ہجر مین آسان نکلا

دلمین پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

رونے مین جو مین نے کچھ ضبط سے کام لیا تھا اور کوئی قطرہ میری آنکھ مین رہ گیا تھا اس قطرہ نے دل مین پھر اک شور اٹھا رکھا ہے۔ گویا نہ نکلنے والا قطرہ طوفان تہا۔

دہمکی مین مر گیا جو نہ باب نبرد تہا عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

باب نبرد یعنی لایق نبرد۔ جو لایق نبرد نہ تھا وہ عشق کی دہمکی مین مر گیا۔ اور عشق نبرد پیشہ مرد نبرد پیشہ چاہتا تھا۔ یہ ایسا ہی شعر ہے جیسے مرزا غالب مرحوم خود ایک اور جگہ لکھتے ہین

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

تہا زندگی مین موت کا کھٹکا لگا ہوا اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تہا

یعنی جب مین زندہ تہا تو موت کا ڈر لگا ہوا تھا میرا رنگ اُڑ کر صرف موت ہی کے وقت زرد نہین پڑ گیا بلکہ اس سے پہلے بھی زرد تہا یعنی میری موت اور زندگی کی حالت یکسان ہے اس قسم کے اگرچہ شعرا کے یہان بہت سے مضمون پائے جاتے ہین کہ زندگی مین موت کا فکر رہا اور مر کر قبر مین حشر کا غم۔ مگر غالب نے دوسرا مصرع نئی ترکیب سے کہا ہے اور اس لیے یہ مضمون غالب کا حصہ ہو گیا اور یہ شعر اردو کا بہترین شعر ہے۔

تالیف نسخہائے وفا کر رہا تہا مین مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تہا

مین فن عشق مین کامل ہون وفا کا نسخہ مین تصنیف کر رہا تہا اور ابھی پورے طریقہ سے میرا

خیال جمع نہ ہوا تھا یعنی ہنوز عاشقی میں بڑا تجربہ کار اور صاحب مرتبہ نہیں ہوا تھا۔

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب　　اس رہگذر میں جلوۂ گُل آگے گرد تھا

دل سے جگر تک اب ایک دریائے خون ہے اور پہلے یہی رہگذر تھی جسمیں بڑی بہار تھی کہ جلوۂ گل بھی اُسکے سامنے حقیقت نہ رکھتا تھا رہگذر کے لیئے۔ گرد۔ کا محاورہ نہایت برجستہ صرف ہوا ہے۔ اس شعر میں موجودہ اور گزشتہ زندگی کا تقابل کیا گیا ہے ایسے مضامین میں جگر کا دی بیکار ہے اب آپ ایک شعر اسی مضمون کا مرزا داغ کا سنیئے انہوں نے کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کام نہیں لیا ہے بلکہ سیدھی سیدھی بات سادگی کے ساتھ کہتے ہیں مگر غور فرمایئے گا تو آمد وآورد کے معائب محاسن پیش نظر ضرور ہو جائینگے ۔

کبھی یہ دل تماشا گاہِ صد عیش و مسرت تھا　　اب اس میں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی　　دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

اندوہ غم عشق کی کشمکش سے کسیطرح رہائی نہیں ہو سکتی اگرچہ اب دل نہیں رہا مگر دل کا درد موجود ہے۔ دل کے درد سے مراد دل کے چلے جانے کا درد ورنہ اگر دل کا درد یعنی دل میں درد کہینگے جیسے کہ دوسری شرحوں میں یہ معنی بیان کئے ہیں تو یقینی شعر مہمل ہو جائے گا دل نہیں ہے اور دل میں درد ہے یعنی چہ ۔

افراطِ رنج ہجرِ ستمگار الاماں　　پہلو میں درد رہ گیا اور دل نہیں رہا

احباب چارہ سازئ وحشت نہ کر سکے　　زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

احباب نے میری وحشت کا یہ علاج کیا کہ مجھے قید رکھا مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی میرا خیال اُسی طرح جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ خود مرزا نے اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے۔

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں　　ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے　　حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آزاد مرد سے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ لاش کو بے کفن ثابت کیا ہے اور یہ محاورہ نہایت برمحل

صرف ہوا ہی اور اس صورت سے یہ شعر ہمیشہ مثل ہو گیا ہے ذوق مرحوم کے یہاں بھی ایک شعر اسی مضمون کا ہی مضمون دونو نکا دقیق نہیں ہے عام ہے سرقہ وغیرہ کا گمان ایسے مضامین پر نہین کیا جاسکتا! البتہ یہ ضرور غور کیجیے کہ جب دو استاد ایک ہی مضمون کو لکھتے ہین تو کس کس طرح سے ادا کرجاتے ہین کہ سننے والون کو دونون مین ایک نیا لطف پیدا ہوتا ہے ؎

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا — کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

مگر غالب کے شعر کو یہان اس لیے ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اسمین ایک محاورہ اسقدر برمحل صرف ہوا ہی کہ جس کا جواب نہین ہے میرے مکرم استاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاوٹھوی اپنی خاص زبان مین محاورات کے پردہ مین اس مضمون کو یون ادا فرماتے ہین۔

لوگ کہتے ہین کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا — ہاے کیا کمبخت کو رکھی ہوئی سی آگئی

حق اُستادی سے قطع نظر کر کے میرے نزدیک یہ اس مضمون کا بہترین شعر ہے۔ رکھی ہوئی سی آگئی ممکن ہے کہ لکھنؤ کا محاورہ نہو۔ گردی کا ایک محاورہ ہے جو اسی موقع کے لیے وضع ہوا ہے ایک میرا شعر اسی مضمون کا ہے ؎

خدا آسی کو بخشے اسکی باتین یاد آتی ہین — بڑا سیدھا مسلمان تھا بڑا اچھا مسلمان تھا

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا — تماشاے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

یعنی تسبیح گننا بت مشکل پسند کو پسند آیا اور یہ اسلیے کہ ایک دم سو دل (جو سو دانون سے مراد ہے) اڑا لیے۔ اس شعر مین تعقید ہے اور ظاہرا ایسے مضمون کو کوہ کندن و کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہین دیجا سکتی بت کی صفت مشکل پسند اس واسطے رکھی ہے کہ تسبیح بت کے لیے ایک مشکل اور فعل غیر معتاد ہے اس شعر کے معانی کی اور بھی تاویل کی گئی ہی جس سے ممکن ہی کہ غالب واقعت بھی نہون لہذا لکھنا فضول ہی نظم صاحب کی شرح مین لکھے ہین تسبیح کے سو دانون پر ایک شعر یاد آگیا جس کا لکھنا مین لطف سے خالی نہین سمجھتا اور اس سے یہ سمجھ مین آتا ہی کہ مضمون کیسا ہی باریک ہو کتنا ہی عمدہ ہو اگر بے تکلف ادا ہو جاے تو سبحان اللہ ورنہ کچھ نہین ایک عام مضمون جو آمد سے بھرا ہو وہ اس سے اچھا خواہ کتنا ہی تبذل ہو ؎

کشت لاحاصل صد سالہ ہی زاہد تسبیح — کوئی سر سبز ہوا بھی ترے سو دانون مین

یہ مضمون کوئی نیا مضمون نہین ہے غالب کے یہان مضمون نیا ہے مگر بندش چست نہین۔

بہ فیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے　　کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

امید اور ناامیدی سب دل کے ساتھ ہے جب دل نہیں رہا تو کوئی امید باقی نہیں رہی اور اس صورت میں ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہو گئی۔ اور نومیدی کو آسان اس لیے کہا ہے کہ دل موجود ہونے کی حالت میں ناامیدی ہو جانا باعث تکلیف ہے اور نہونے کی حالت میں آسان ہے فکر کشایش نے ہمارے دل کو جو بصورت عقدہ ہے پسند کیا اور اس کو لے لیا اور ہم سے ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا یہ کہ کشایش کو ہمارا دل بصورت عقدہ ہی بھلا معلوم ہوتا ہے پھر کیا کشایش ہوگی۔ بیدل اپنے تخلص سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسے ہی مضمون کو ادا فرماتے ہیں ؎

بر دل مایوس بیدل پشت دستے میگزم　　غنچہ این عقدہ کاش از سعیٔ دندان شگفد

اسی بیدلی کے مضمون کو میں نے لکھا ہے ؎

کلفتِ بیدلی خوگر اندامت پوچھ　　اب تو ممکن ہی نہیں درد کا پیدا ہونا

ہوائے سیرِ گل آئینہ بے مہریٔ قاتل　　کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا

خواہش سیر گل سے قاتل کی بے مہری ثابت ہوتی ہے کہ اس کو بسمل خون غلتیدہ کا نظارہ پسند ہے یعنی پھول۔ یہ تمثیل نہایت عمدہ ہے رنگ گل سے خون اور پھولوں کا ہوا سے ہلنا بسمل کا خون میں لوٹنا ہے نہایت عمدہ شعر ہے اور الفاظ مناسب اس میں جمع کیے گئے ہیں اسی مضمون کو مرزا غالب مرحوم خود دوسری جگہ یوں ادا فرماتے ہیں ؎

نہیں منظور اپنے زخمیوں کو دیکھ آنا تھا　　اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنے شوخی بہانے کی

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہوا　　ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا

گرچہ نقش وفا زمانہ میں موجود ہے مگر اُس سے کچھ تسلی نہیں ہو سکتی یہ گویا ایک لفظ ہے جس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ وفا کے مضمون ہر شاعر کے یہاں بھرے پڑے ہیں اور ایک سے ایک اچھا ہے سعدیؔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

یا وفا خود نبود در عالم
یا مگر کس دریں زمانہ نکرد

مین نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹون — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا

مین نے چاہا تہا کہ مین مر کر اس غم وغصہ سے چھوٹ جاؤن مگر وہ ظالم میرے مرنے پر راضی نہوا یہ شعر بہت صاف اور نہایت اعلیٰ جذبات عاشقی کا نمونہ ہے یعنی اگرچہ وہ ظالم ہے مگر مجھ مین پھر بھی یہانتک اسکی مرضی کی پابندی ہے۔ اسمین اپنی محرومی اور معشوق کے ظلم کو ثابت کیا ہے نعمت خان عالی ایک جگہ فرماتے ہین ؎

خواستم آتش دلرا بہ نشانم بسرشک — آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت

میرا ایک شعر ہے ؎

کہین کے ہم نہ رہے ہاے تیرا استغنا[1] — یہ حکم ہے کہ کوئی جان بھی فدا نہ کرے

دل گذرگاہِ خیالِ مے وساغر ہی سہی — گر نفس جادۂ سرمنزل تقویٰ نہوا

تقویٰ اور تقوی تجلا۔ اور تجلی وغیرہ قافیۂ الف اور یے دونون کیساتھ نظم ہوتے ہین یعنی اگر میرے دلپر خیالات تصوف اور تقوی نہین گذرتے تو نہ سہی خیالات ساغر اور شراب ہی کا گذر گاہ بنا رہے جیسے کہ عالمگیر اپنے ایک رقعہ مین لکھتے ہین کہ انسان اگر بکار ہاے عقبیٰ نتواند پرداخت ساختگی کارہاے دنیا چہ بد است۔ نفس بمعنی جان۔

ہون ترے وعدہ نکرنے مین بھی راضی کہ کبھی — گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

یعنی مین تجھ سے ہر حالت مین خوش ہون اگر تو وعدہ کرتا ہو تو فہوالمراد اور نہین کرتا تو بھی خوش ہون کہ میرے کان پر آواز تسلی کا احسان نہوا۔ ایسے مضامین غالب کے یہان اکثر پائے جاتے ہین ایک جگہ فرماتے ہین۔

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — مین نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

حکیم مومن خان ایک جگہ کسیکا احسان بُرا ہونا اس نگاہ سے دیکھتے ہین۔

منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائینگے کبھی — زندگی کے لئے شرمندۂ احسان ہونگے

خود غالب ایک اور جگہ احسان کی بُرائی اس طرح کرتے ہین۔

دیوار بارِ منت مزدور سے ہے خم — اے خانمان خراب نہ احسان اٹھایئے

[1] استغنا بتانیث بھی لکھا گیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

نہ بکرین دامن الیاس گرداب بلا مین ہم — کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہو جینا اس سہارے کا

حقاکہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بپائمردی ہمسایہ در بہشت

مین نے بھی احسان کے برا ہونے مین یہ شعر کہا ہے۔

بلائے جان ہے کی سایل کو منت تاثیر — جسے کوئی نہ سنے اُس صدا کا کیا کہنا

غرضکہ یہ مضمون عام ہے۔ یہ جذبات عام ہین۔ انمین صرف بندش کی چستی اور تبدیل الفاظ کافی ہین اور باوجود عام ہونے کے بھی یہ مضمون بوجہ خاص جذبات ہونے کے خاص ہین

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب — ناتوانی سے حریف دم عیسیٰ نہوا

ہم عیسےٰ کے لب ہلاتے ہی چل بسے آواز قم سننے کی نوبت ہی نہ آئی جیسے کہ اُس شعر مین یہ نزاکت پیدا ہوتی ہے کہ عیسےٰ کی آواز کی نوبت نہ پہونچی بلکہ لب ہلانے سے ہی مر گئے ایسے ہی زیادہ غور کیا جاے تو یون بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنا لب ہلایا تھا کہ کچھ دعا کرین ابھی مین چل بسے عیسیٰ کی نوبت ہی نہ پہونچی یا عیسےٰ کے بلانے کے لیے جو لب ہلاے اُسی مین خاتمہ بخیر ہو گیا غرض تاویل کو بڑی گنجایش ہے اپنی دعا سے آپ مر جانے کے مضمون کو مومن مرحوم فرماتے ہین ؂

دعا بلا تھی شب ہجر میری جان کے لیے — سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہان کے لیے

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا — یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہوا

شعرا سبزۂ خط کو زمرد سے تشبیہ دیتے ہین کیونکہ یہ دونون چیزین سبز ہین اگرچہ ہیئت مین مختلف ہین مگر تشبیہ بادنیٰ ملابست بھی جایز ہے زمرد کا یہ خاصہ مشہور ہے کہ اس کو دیکھ کر سانپ اندہا ہو جاتا ہے جو زلف سے مشابہ ہے مطلب یہ ہے کہ تیری زلف کا سانپ ابتک اسی طرح لوگون کو ڈستا ہے باوجودیکہ زمرد خط نکل آیا جسپر اسکا اثر پڑنا چاہیے تھا مگر کچھ اثر نہ پڑا شعرا سبزۂ خط کو باعث دلکشی قرار دیتے ہین مگر سعدیؒ سب سے خلاف ہو کر ایک جگہ فرماتے ہین

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است — داند آنکس کہ این سخن گوید

ستایش گر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضوان کا — وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودون کے طاق نسیان کا

زاہد جس باغ خلد کی اس قدر تعریف کرتا ہے وہ ہمارے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا بلکہ نسیان کے طاق پر اُسے گلدستہ بنا کے رکھدیا ہوا ہم بیخودون نے طاق نسیان کی اُس سے زینت دے رکھی ہے۔ یہان غور کرنے کی بات یہ ہو کہ بہشت کی تحقیر اسی کے مناسب لفظ گلدستہ سے کی گئی ہو اور پھر بھی اُس کو باعث زینت قرار دیا گیا ہے چونکہ خود کو بیخود کیا ہو اسلئے اسکو طاق نسیان مین رکھا ہے۔ کوئی معمولی شاعر ہوتا تو نہیں معلوم کیونکر تحقیر کرتا ایسے الفاظ کا جمع کرنا محاسن شعر مین سے ہے۔

اس زمین مین اکثر شعرا کی غزلین ہین۔ ناسخ مرحوم کا ایک مطلع قابل تحسین قرار دیا گیا ہو

مرا سینہ ہو مشرق آفتاب داغ ہجران کا — طلوع صبح محشر چاک ہی میرے گریبان کا

سوائے شوکت الفاظ کے کوئی معنوی خوبی اس مین معلوم نہین ہوتی۔ طلسم الفاظ توڑ کر معنی پر نگاہ ڈالئے تو غالبًا اس کے سوائے کچھ معنی نہ ملینگے کہ میرے سینہ مین ہجر کا داغ ہوا اور میرا چاک گریبان صبح محشر سے مشابہ ہے اسمین آفتاب داغ ہجران کا مشرق اپنے سینہ کو کہا ہے اس کے یہ معنی ہین کہ روز داغ ہجران کا آفتاب یہان طلوع کرتا ہے حالانکہ یہ فعل غیر عادی ہو یعنی آفتاب سے داغ کو مشابہ کیا جا سکتا ہو مگر نہ آفتاب داغ روزانہ بطریق معتاد طلوع ہوتا نہ ضیا رکھتا ہو نیز یہان بلا وجہ مشرق داغ ہجر سینہ کو قرار دیا گیا ہے۔ صبح محشر میرے چاک گریبان سے نکلتی ہو بلکہ مشرق آفتاب داغ ہجر معشوق کے دل یا اُس کے فعل کو قرار دیا جا سکتا ہو کہ وہان سے وہ آفتاب طلوع کرتا ہو تب وہ آسمان سینہ عاشق پر پہونچتا اور اپنی ضیا پھیلاتا ہو بخلاف غالب کے کہ اُس نے نہایت مناسب الفاظ جمع کر کے معنوی خوبیان بھی پیدا کر دین ہمارے نزدیک غالب اور ناسخ مرحوم کے مطلع مین آفتاب و ماہتاب کا فرق ضرور ہے۔

بیان کیا کیجئے بیداد کاوشہائے مژگان کا — کہ ہر اک قطرۂ خون دانہ ہے تسبیح مرجان کا

تیرے مژگان کے ظلم کی روداد کا کیا بیان کرون اسکی کاوشون سے میرا ہر قطرۂ خون سُفتہ ہو کر مونگے کی تسبیح کا دانہ بن گیا ہے۔

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالون کو — لیا دانتون مین جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا

رعب قاتل بھی میرے نالون کو روک نہ سکا بلکہ حسب قاعدہ پناہ مانگنے کے لئے از راہ عجز میں نے دانتوں مین جو تنکا دبایا وہ نیستان کا تنہ بنگیا یعنی اُس نے سیکڑون نے پیدا کردین جس سے نالہ کشی اور بھی بڑھ گئی۔ تنکے کو ریشہ نیستان کہا ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور ہے ؎

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض ایک افغان ہو	خموشی ریشۂ صد نیستان سے خس بدندان ہے

**دکھا وُنگا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے	مرا ہر داغ دل اک تخم ہو سرو چراغان کا**

اس سے پہلے ایک شعر ایسے ہی مضمون کا لکھا جا چکا ہے ؎

دل نہین ورنہ دکھاتا تجکو داغون کی بہا	اس چراغان کا کہون کیا کارفرما جل گیا

مگر کمال شاعری یہ ہو کہ مصنف نے اسی مضمون کو کچھ بدل کر ایک نیا خیال بنا دیا ہو کہتا ہو کہ اول تو امید نہین ہو مگر زمانہ نے فرصت دی تو تماشہ دکھا ؤنگا کیونکہ میرا ہر ایک داغ دل داغ دل نہین ہے بلکہ سرو چراغان کا ایک تخم ہے یعنی ہر داغ دل مین ایک سرو چراغان کی بہار پیدا ہو جاے گی یعنی ہر داغ مین سیکڑون داغ ہو جا ئینگے نہایت اچھا شعر ہے باریکی اس مین یہ ہو کہ میرا عشق روز افزون ہے اور ہمیشہ ترقی کرتا رہے گا۔ دی اگر فرصت زمانہ نے۔ سے مایوسی کا اظہار ہوتا ہے۔

**کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے	کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا**

آئینہ خانہ کا تیرے جلوے نے وہ نقشہ بنا دیا ہے جو دھوپ شبنم کا بنا دیتی ہے بعض حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی اُس کو جذب کر لیتا ہے یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کی تاب نہین لا سکتا۔

**مری تعمیر مین مضمر ہو صورت اک خرابی کی	ہیولیٰ برق خرمن کا ہو خون گرم دہقان کا**

خون گرم محنت۔ ہیولیٰ۔ اصل اور مادہ ہر شے کا۔ تعمیر یعنی تعمیر جسم۔ مصنف نے ایک مسئلہ طب نظم کیا ہے کہ میرے جسم کے اندر خود ایک ایسا مادہ موجود ہے جو مجھے فنا کر رہا ہے گویا میرے خرمن جسم پر گرنے والی برق میری ہی سرگرمی ہو حرارت عزیزی ہی سے انسان کو زندہ بھی

کر رکھا ہی اور وہی باعث فنا ہی۔ نعمت خان عالی اس مسئلہ کو یوں بیان کرتا ہی ؎

دار د نفسم آمد و رفت از پئے کشتن — ہر لحظہ بین سے کشد این تیغ دودم را

اگا ہی گھر مین سبزہ میری ویرانی تماشہ کر — مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہی میرے دربانکا

ذرا میری ویرانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ تمام گھر مین گھاس اُگی ہوئی ہی اور اب میرا دربان بس گھاس کھودنے کا کام کرتا ہے۔ تماشہ کردن فارسی کا محاورہ ہے اُردو مین کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا اس کے بجائے دیکھنا فصیح ہی۔ ایک جگہ یون کہ گئے ہین ؎

اُگ رہا ہی در و دیوار سے سبزہ غالب — ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہی

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین — چراغ مردہ ہون مین بیزبان گور غریبانکا

چراغ کی لو کو چراغ کی زبان کہا ہے اور جب وہ مردہ ہو گیا تو اُس کی لو جاتی رہی۔ یعنی بے زبان ہو گیا یعنی میری بے زبانی مین میری خاموشی مین بہت سی ایسی آرزوئین ہین جو خون ہو گئین اور اب مین انکا اظہار نہین کر سکتا۔ گویا مین گور غریبان کا بجھا ہوا چراغ ہون۔ گور غریبان اور خون گشتہ آرزوئین مشابہ ہین۔ یہ مضمون نہایت حسرتناک الفاظ مین ادا ہوا ہے۔

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہی — دل افسردہ گویا حجرہ ہی یوسف کے زندانکا

اسمین دو لفظ ہین جن مین مصنف نے اپنی حد مشق دکھائی ہے اور اُن سے گذشتہ واقعات کا پتہ چلتا ہی ایک ہنوز۔ دوسرے افسردہ۔ ہنوز سے معلوم ہوتا ہے کہ خیال معشوق اس سے رخصت ہو گیا ہے اور افسردہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے خود خیال معشوق کو رخصت نہین کیا۔ بلکہ اُس نے اس قدر ستم اٹھائے کہ وہ افسردہ ہو گیا۔ اور اس مین خیال معشوق کے رکھنے کی سکت باقی نہین رہی لفظی خوبی یہ ہے کہ افسردن ٹھٹھر جانے اور سکڑنے کو کہتے ہین اور حجرہ تنگ و تاریک کوٹھری کو کہتے ہین افسردہ ہونے سے حجرہ کی مشابہت نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

یعنی باوجودیکہ اب میرا دل افسردہ ہو گیا اور اس مین خیال یار کے رہنے کی گنجایش

نہین رہی۔ مگر پھر بھی نقش خیال یار کی پرچھائین اس مین موجود ہے اور اسی سے یہ دل افسردہ حجرۂ زندان یوسف بنا ہوا ہو۔ یہ خیال بھی نہایت عمدگی سے ادا کیا گیا ہو اور تمام معنوی اور لفظی خوبیان۔ درد چستی بندش۔ صفائی اس مین موجود ہین۔ نیز اس مین قصہ زلیخا و یوسف علیہ السلام کی تلمیح بھی ہو وہ بھی اس خیال سے بہت ہی مناسب ہو کیونکہ زلیخا کا دل جب افسردہ و آزردہ ہو گیا تھا تب اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید مین بھیجا تھا۔

بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ
سبب کیا خواب مین آکر تبسمہائے پنہان کا

آپ جو خواب مین بار بار ہنستے ہین تو شاید آپ خواب مین غیر کے پاس سوتے اور اس سے خوش ہو ہو کر ہنس رہے ہین۔ ممکن ہو کہ آکر کے بجاے اگر ہو۔ اور کاتبون کی اصلاح نے شارحین کو نئے نئے معانی پہنانے کی زحمت دی ہو معشوق کے سونے سے شاعرون کو اکثر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ معشوق غیر کے پاس نہ پہونچ جاے۔ خود مرزا کے یہان ایک اور جگہ ایسا خیال اور بھی پایا جاتا ہے ایک شعر اور اسی خیال کا ہے ؎

وہ خواب مین عدو کے گھر آیا گیا نہو
مہندی لگی ہو پاؤن مین چھالا پڑا نہو

نظر مین ہی ہمارے جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہی عالم کے اجزاے پریشان کا

اس مین جادۂ راہ فنا کو شیرازہ کہا گیا ہے کیونکہ تمام اجزاے پریشان عالم اسی شیرازہ مین منسلک ہوتے ہین یعنی مین فنا کو بھولا نہین ہون اور یہ رستہ میری نظر مین ہے کہ مجکو بھی آخر کار اسی شیرازہ مین منسلک ہونا ہو کیونکہ مین بھی اجزاے عالم سے ہون۔

نہو گا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا
حباب موجۂ رفتار ہی نقش قدم میرا

میرا شوق صحرا نوردی ایک جنگل کے پھرنے (اور تھکنے) سے کم نہین ہو سکتا۔ میرا نقش قدم موج رفتار کا حباب ہو۔ جیسے حباب کا ذوق رفتار کبھی کم نہین ہوتا اور وہ موج کے ساتھ رہتا ہے اور گر گر اور مٹ کر پیدا ہوتا ہے اسی صورت سے میرا ذوق آوارہ گردی تھکنے سے نہین جا سکتا۔ ذوق مرحوم اسی زمین مین اسی مضمون کو یون ادا فرماتے ہین ؎

وہ ہون مین رہ نورد شوق میرے ساتھ جاتا ہے
برنگ سایۂ مرغ ہوا نقش قدم میرا

جس طرح مرزا غالب نے نقش قدم کو حباب موج رفتار بنایا ہے اسی طرح ذوق مرحوم نے نقش قدم کو سایہ مرغ ہوا بنایا ہے اور دونوں تمثیلیں نہایت عمدہ ہیں۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بدماغی ہے — کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

ایک وقت تھا کہ سیر باغ کا ہم کو شوق تھا مگر اب وہ دماغ ہی نہیں رہا اب موج بوئے گل میرا دم ناک میں آتا ہے یعنی نفرت ہوتی ہے۔ بوئے گل سے ناک میں دم آنا اس جگہ نہایت اچھا ہے اور یہ محاورہ بہت ہی برمحل صرف ہوا ہے۔ دم ناک میں آنا۔ سانس لینا۔ مگر اس میں صنعت ایہام دکھائی گئی ہے صنعت ایہام وہ صنعت ہے کہ کسی شعر میں ذومعنی محاورہ یا لفظ لائیں اور اس کے معنی بعید سے کام لیں ایسے ہی مضمون کا ایک شعر خود غالب مرحوم نے دوسری جگہ لکھا ہے الفاظ اور ہیں ؎

غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہیں خندہائے بیجا کا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی — عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

میرا عجب رنگ ہے کہ سر سے پاؤں تک عشق میں ڈوبا ہوا ہوں اور جان کی محبت بھی ہے جسمیں ہر ایک شخص مجبور ہے گویا برق کی عبادت کرتا ہوں اور خرمن کے جل جانے پر افسوس کرتا ہوں۔ اسپر مجھے میر تقی مرحوم کا ایک شعر یاد آیا غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے ؎

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب — اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

یا ؎ تاب لاتے ہی بنے گی غالب — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی — جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

شرابیوں کو جب شراب کی طلب یا خمار ہوتا ہے تو جماہیاں آتی ہیں اسی صورت سے یہاں ساحل کو خمیازہ کش قرار دیا گیا ہے اور خود کو ساحل سے مشابہ کیا ہے کہتا ہے کہ ساقی بقدر ظرف ہر شخص کو تشنہ کامی ہوتی ہے تو اگر دریائے مے ہے اور افراط کے ساتھ شراب پلا سکتا ہے تو میں بھی ساحل ہوں جس کو تو سیر نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ساحل ہمیشہ خشک رہتا ہے یہ مضمون عام ہے سب جانتے ہیں کہ شعرا شراب سے کبھی سیر نہیں ہوتے اگرچہ

عمر بھر شراب پینے کا اتفاق نہوا ہو۔ مرزا غالب نے صہبائی مرحوم پر ایک پھبتی کہی تھی کہ داہ مولانا نے کیا تخلص لکھا ہے (صہبائی) جا ہے عمر بھر ایک چلو بھر نہ پی ہو۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ ساقی کو منادیٰ قرار دیا جائے یعنی اے ساقی۔ اور ظرف کو ظرف ساقی سمجھا جائے یعنی تیرا جتنا ظرف اتنا ہی میری تشنہ کامی کا خمار ہے۔

محرم نہین ہے تو ہی نواہائے راز کا ۔۔۔ یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

راز کی باتین تو سمجھ ہی نہین سکتا ورنہ درحقیقت اس درمیان مین جس کو تو حجاب سمجھا ہوا ہے وہ حجاب یعنی پردہ پردۂ ساز ہے جس سے برابر راز کی آوازین آ رہی ہین یعنی یہ تیرا ہی قصور ہے۔ حجاب کو پردۂ ساز قرار دیکر مضمون آفرینی کا کمال دکھایا ہے یہی مضمون ہے جسے عرفی شیرازی بیان کرتا ہے ؎

ہر کس شناسندۂ راز ست وگرنہ ۔۔۔ اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست
مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند ۔۔۔ کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مرزا یاس صاحب عظیم آبادی نے اس تمام غزل پر اعتراض بھی کیے تھے اور آتش کی ایک معمولی غزل سے ۱۹۱۵ء مین رسالہ خیال ہاپوڑ مین تقابل بھی کیا تھا جس کے اکثر جوابات شائع ہوے چنانچہ محمد ابراہیم منور دہلوی کے فرضی نام سے اڈیٹر صاحب تمدن نے اسکا جواب دیا تھا وہ مضمون مین نے بھی دیکھا تھا یاس صاحب نے غالب کے اس مطلع کو آتش کے شعر کے مقابلہ مین پیش کیا تھا جو نہایت بیمحل اور بے جوڑ ہے۔ ؎

آتش: پامال کیجئے انہین رفتار ناز کا ۔۔۔ طاؤس و کبک رکھتے ہین دعوا نیاز کا

اس شعر مین یاس صاحب کو تصوف بھرا ہوا دکھائی دیا جبکا یہی جواب ہے کہ انکا خیال ہے وہ جو چاہین سمجھ لین مگر ہم تو یہی کہین گے کہ وا ہمہ خلاق ہے پرانے رنگ کا ایک معمولی شعر ہے بخلاف غالب کے شعر کے جس کا غالب کے قلم سے نکلنا ہی مشکل تھا۔

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے ۔۔۔ یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

اس مین مرزا غالب نے وہ نازک خیالی دکھائی ہے کہ جو اُن کے حریفون کو رشک و حسد کی آگ مین جلائے دیتی ہے اسمین ایک محاورہ کا مفہوم ادا کیا گیا ہے جو نہایت ہی لطیف ہے

اور سمجھنے والے اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہین یعنی نظارہ معشوق نے میرا رنگ اڑا دیا اور وہ رنگ پریدہ مثل صبح بہار کے ہے۔ رنگ پریدہ اگرچہ صرف صبح سے مشابہ ہوسکتا ہے مگر صبح بہار کہہ اسواسطے کہا ہے کہ اُس کی وجہ سے گلہاے ناز شگفتہ ہون گے صبح بہار مین پھولون کا کھلنا اور پھولون کے کھلنے سے صبح بہار کا پیدا ہونا لازم و ملزوم ہین۔ وہ پھول ناز معشوق کے پھول ہین یعنی معشوق جب اپنے نظارہ کی تاثیر سے میرا رنگ اڑتا ہوا دیکھے گا تو اُس کو اپنے حسن وغیرہ پر ناز ہوگا اس مین استعارات نہایت بدیع لائے گئے ہین۔

معترض نے ان سب خوبیون اور معنوی نزاکتون سے چشم پوشی کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ شعر ایک وہمی شاعر کا نہین ہوسکتا۔ اس مین اور زیادہ بد مذاقی کی یہ مثال پیش کی گئی ہو کہ آتش کا اسی قافیہ کا شعر جو بالکل اس کے سامنے ذلیل معلوم ہوتا ہے لکھدیا ہے ؎

کیونکر وہ نازنین نہ کرے بے نیازیان — انداز سے بھی حوصلہ عالی ہو ناز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز — مین اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

یعنی تیری یہ کیفیت ہے اور میری یہ حالت ہو تو غیرون کو تیز نگاہ سے دیکھتا ہے اور تیری مژہ ہاے دراز کو جب مین اس حالت مین دیکھتا ہون تو میرے اوپر برچھیان چلتی ہین یا ہر وقت مین تیری پلکون کے عشق کا دُکھ اٹھاتا ہون اور تو غیرون کو دیکھتا ہے ہمین تقابل کی حالت قابل تحسین ہے۔ نظم صاحب نے اپنی شرح مین مژہ ہائے کی ہائے کو علامت جمع اور ہائے کلمہ تاسف دونون طرح سے صحیح بتایا ہے مگر میرے نزدیک یہان صرف ہاے جمع کے لیے ہے اور ہاے کلمہ تاسف بالکل غلط ہے۔ مرزا یاس اس کے مقابلہ پر آتش کے اس شعر کو پیش کرتے ہین اہل نظر غور کرین اور سمجھ لین کہ کتنا فرق ہے اور آتش مرحوم کے سر تصوف کی تہمت رکھنے مین وہ کہان تک کامیاب ہین ؎

عمر خضر سے اُنکی زیادہ ہو زندگی — دھوون پیئے جو یار کی زلف دراز کا

یہ انداز بیان غالب مرحوم کا خاص حصہ ہے ایک اور جگہ اسی انداز بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہین کہ ؎

مین اور صد ہزار نواہائے جان خراش
تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون

صرفہ ہی ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں　　طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جانگداز کا

صرفہ بمعنی فائدہ یعنی آہوں کے ضبط کرنے میں میرا فائدہ ہے ورنہ ایک ہی آہ کرنے میں میں جل کر خاک ہو جاؤں۔ اس سے اپنی آہ کی سوزش دکھائی ہے کسی ہندی شاعر نے ایک خیال قریب قریب ایسا ہی ادا کیا ہے ؎

آہ کروں تو جگ جلے اور جنگل بھی جل جائے　　پاپی جیو را نا جلے جس میں آہ سمائے

اگر غور سے دیکھئے تو ہندی میں یہ خیال غالب کے یہاں سے زیادہ اچھی طرح ادا ہوا ہے یعنی میری آہ سے ایک زمانہ جل جائے مگر میں ایسا کم نصیب اور سخت جان ہوں کہ میرا دل جس میں اس آہ کا مقام ہے وہ نہ جلے گا۔ بخلاف غالب کے کہ وہ کہتے ہیں میں ضبطِ آہ سے فائدہ اٹھا رہا ہوں وگرنہ ایک آہ کروں تو جل جاؤں۔ ایک اور بہت مشہور شعر ہے اگرچہ وہ جدا ہے مگر ایسے موقع پر لکھ دینا بیکار نہ ہوگا ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد　　وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

معترض نے ایک شعر اسی قافیہ کا آتش مرحوم کا لکھا ہے جو اگرچہ بُرا نہیں ہے مگر غور فرمایئے تو اس شعر کے مقابل میں لانے کے قابل ہرگز نہیں ٹھہر سکتا ہے۔

ظاہر ہو گرمجوشیٔ پروانہ کا اثر　　روشن ہو حال شمع کے سوز و گداز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے　　ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

شیشہ بازی ایک فن ہے جو ابتک بھی رائج ہے عموماً ہندوستان کے نٹ وغیرہ بھی ایک اسی قسم کا تماشہ کرتے ہیں کتھک بھی اسی طرح کا رقص کرتے ہیں نٹ بھی برتن میں پانی بھر کر سر پہ رکھ کے ایسا ہی کھیل کرتے ہیں۔ اسی صورت سے مثال دی گئی ہے گوشہ فرش پر جو شیشہ رکھے ہیں اس سے گوشۂ بساط شیشہ باز کا سر معلوم ہوتا ہے۔

کاوش کا دل کرے ہے تقاضہ کہ ہے ہنوز　　ناخن پہ قرض اس گرہِ نیمباز کا

میرا دل جو گرفتگیِ غم و الم سے گرہِ نیمباز ہو کر رہ گیا ہے تو اسی وجہ سے وہ کاوش کا بار بار تقاضہ کرتا ہے اور اس طرح سے تقاضہ کرتا ہے کہ میرے ناخن پر جیسے اُس کا

کچھ قرض ہے اس مین لطیف مضمون یہ ہے کہ گرفتگی سے دل اگرچہ گرہ ہو کر رہ گیا ہے مگر پھر بھی کاوش سے باز نہین آتا ہے اور مین برابر اس کو ناخن سے کھودے جاتا ہون یہ استعارات نہایت لطیف ہین اور غالب کے سوا دوسرے ہندی شعرا کے یہان ایسی تمثیلین نہین ملتی ہین۔ غرض یہ ہے کہ دل مین جو ابھی تھوڑا سا زخم ہے اس کو وہ اور بھی بڑھانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ سراپا زخم ہو جائے مرزا نے مختلف پیرایون مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ جن پر اندازہ کرنے والون کی نظرین پہونچ ہی جاتی ہین منجملہ انکے ایک یہ ہے ؎

شق ہو گیا ہی سینہ خوشا لذت فراق　　تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی
نہین ذریعہ راحت جراحت پیکان　　وہ زخم تیغ ہی جس کو کہ دلکشا کہیے

ہم اس جگہ مرزا کے مترادف المعنی اشعار لکھے ہین اور آیندہ بھی لکھینگے مگر اہل نظر اسکو مرزا کے عجز طبع پر محمول نہ فرمائین بلکہ اس سے یہ اندازہ فرمائین کہ ایک قادر الکلام شاعر ادنیٰ تغیر سے ایک مضمون کو کتنی صورتون کے ساتھ ادا کر سکتا ہے یہ کمال شاعری ہے۔

تاراج کاوش غم ہجران ہوا اسد　　سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

اے اسد افسوس کہ میرے راز کے موتیون کے خزانے کو غم جدائی نے لوٹ لیا اور برباد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مین رسوا ہو گیا۔

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا　　اس تکلف سے کہ گویا بتکدہ کا در کھلا

نظم صاحب کی شرح سے ہم کو بھی اتفاق ہے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی قصیدہ کا ہے جو کسی صورت سے غزل مین شامل کر دیا ہے اس مین رات کا سمان دکھایا ہے یہ شعر دوسرا مطلع ہے مگر چونکہ غزل سے جدا ہے اس واسطے مین نے اسکو پہلے لکھدیا

بزم شاہنشاہ مین اشعار کا دفتر کھلا　　رکھیو یارب یہ در گنجینہ گوہر کھلا

ہمارے نزدیک دربار مین کوئی مشاعرہ ماہوار یا ہفتہ وار یا روزانہ مقرر ہوا ہے اور اس مین یہ غزل کہی ہی جس کی تقریب تہنیت کے طور پر یہ شعر کہا گیا ہے نظم صاحب نے

اس کی تاویل کچھ اور کی ہے۔ فرماتے ہین کہ بزم شاہنشاہی جو گنجینہ گوہر ہے وہ اسی سبب سے ہو کہ میرے اشعار کا وہان دفتر کہلا ہوا ہے۔ مگر مجھے اس مین اس لیے تامل ہے کہ غالب کے یہان ایک جگہ اور ایسا ہی شعر ملتا ہے ؎

حضورِ شاہ مین اہلِ سخن کی آزمایش ہے　　چمن مین خوشنوایانِ چمن کی آزمایش ہے

دیکھنے والون کو جو تاویل پسند آے ہم نے اپنا خیال ظاہر کر دیا یہ صرف قیاس ہے اور قیاس اکثر غلط بھی ہوتا ہے۔

گرچہ ہون دیوانہ پر کیون دوست کا کھاؤن فریب　　آستین مین دشنہ پنہان ہاتھ مین نشتر کھلا

یعنی اگرچہ دیوانہ ہون مگر دوست کا فریب کیون کھاؤن ہاتھ مین تو نشتر لیے ہوے آتا ہو کہ فصد کرے اور میری غمخواری اور علاج کرے مگر آستین مین چھری پوشیدہ ہے کہ مجھے قتل کرے۔ اسی مضمون کو دوسرا لباس یون پہنایا ہے ؎

وعدۂ سیرِ گلستان ہے خوشا طالعِ شوق　　مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

یا یہ کہ مین دیکھتا ہون کہ ہاتھ مین نشتر ہے اور آستین مین خنجر پھر دوست کا فریب کھانا چہ معنی دارد۔

گو نہ سمجھون اسکی باتین گو نہ پاؤن اسکا بھید　　پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

اگرچہ مین اس کی باتون کو نہ سمجھون اور اس کے بھید کو نہ پاسکون کہ کھلکر یعنی بے تکلف ہو کر وہ مجھپر کیا ستم ڈھاے گا اور وہ کیون بے تکلف ہوا ہے مگر یہ فخر میرے لیے کیا کم ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلف ہوا۔ یون بھی سمجھے کہ ؎

کم نہین نازشِ ہمنامیٔ چشمِ خوبان　　تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہوا

ہے خیالِ حسن مین حسنِ عمل کا سا خیال　　خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

میری قبر مین جو مجکو حسنِ معشوق کا خیال ہے اس خیالِ حسن سے مجھے حسنِ عمل یعنی طاعت و عبادت کا سا مزا آرہا ہے گویا اس خیال سے میری قبر مین ایک بہشت کا دروازہ کھلا ہوا ہے معشوق کے چہرۂ زیبا کو بہشت کہا گیا ہے خیالِ حسن سے حسنِ عمل کا سا خیال ایک نئی بات ہے

ورنہ شعرا اکثر ایسے مضمون باندھتے ہین مثلاً ؎

بس مردن بھی رہتا ہون خیال رُوے روشن مین ۔ چراغ طور جلتا ہو ہمیشہ میرے کفن مین

دیکھنا یہ ہے کہ ایک پامال اور مبتذل مضمون کو انداز بیان کی صفائی نے سب سے علیحدہ کر دیا ہو دوسرے معنی اس شعر کے یہ بھی ہو سکتے ہین کہ حسن کا خیال رکھنے سے مجھے یہ بدل ملتا ہے یعنی چونکہ مین نے ہمیشہ ظلم و ستم سہے۔ ہمیشہ دنیا کے تمام جھگڑون سے مجھے عشق نے علیحدہ رکھا ہمیشہ رضاے یار پر شاکر اور صابر رہا۔ زندگی مین عشق پر ثابت قدم رہا اور مرنے کے بعد بھی وہی خیال ہے تو انہی وجوہات سے یہ خیال حسن حسن عمل بن گیا اور اسی کا یہ بدل ہے۔

متہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین ۔ زلف سے بڑھکر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا

حالانکہ اُسنے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہے اور وہ پوشیدہ ہے مگر اسپر بھی وہ عالم ہو کہ کبھی دیکھا ہی نہین نقاب نے اُس کے چہرے کو ایسا پر رونق بنا دیا ہے کہ اگر چہرے پر زلف بھی بکھرتی تو ایسی اچھی نہ معلوم ہوتی اس مین یہ ٹکڑا کہ دیکھا ہی نہین خصوصیت سے داد کے قابل ہے کھلنا بمعنی زیب دینا۔ مصنف مرحوم نے نقاب کو اس مین مذکر باندھا ہے مگر یہ لفظ تذکیر اور تانیث مین مختلف فیہ ہے ناسخ مرحوم اور اکثر شعراے لکھنؤ اس کو مؤنث لکھتے تھے اور لکھتے ہین۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا ۔ جتنے عرصہ مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

ظاہرا اس شعر مین معشوق کی بد عہدی اور شوخی وعدہ خلافی وغیرہ کا ذکر کیا ہے مگر اس مین الفاظ اتنے اچھے جمع کیے گئے ہین کہ جن سے بہت بڑے معانی کا پتہ چلتا ہے یعنی مین کوچہ گردی کرتا ہوا اُس کے در پر پہونچا اور اس کی بزم کی اجازت چاہی تو اُس نے مجھے در پر پڑے رہنے کی اجازت دیدی۔ مگر ایسا ستم ظریف شوخ طبع اور وعدہ خلاف ہو کہ جب تک مین نے اپنا لپٹا ہوا بستر اُس کے دروازہ پر کھولا اتنی دیر مین وہ پھر گیا یعنی بد عہد ہو گیا اور مجھے دھتا بتا دی۔ یا یہ کہا کہ مجھ سے یہ کہکر اب پلٹ گیا اور مین دیکھنے سے محروم ہی رہا

کیون اندھیری ہو شب غم ہو بلاؤن کا نزول ۔ آج اُدھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

مولانا حسرت موہانی اور مولانا نظم صاحب دونون حضرات نے اُدہر لکھا ہی اور یہ معنی بیان کیے ہین کہ پہلے مصرع مین سوال و جواب ہی یعنی تاریکی شب غم کا سبب یہ ہی کہ بلندی عرش پر سے بلائین اُتر رہی ہین اور تارون نے اُن کے اُترنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے اس طرف سے اُس طرف آنکھین پھیر لی ہین یعنی اس کثرت سے اتر رہے ہین کہ جیسے میلہ قابل تماشہ ہو گر مین ان معانی اور اس توجیہ کو صحیح نہین سمجھتا۔ اُدہر بمعنی آنجا نہین ہی بلکہ اودہر بمعنی اینجا اس جگہ صحیح ہے اس صورت مین یہ معنی ہوتے ہین بلکہ مصنف اعتراضاً کہتا ہی کہ شب غم اس قدر تاریک کیون ہی حالانکہ آج بلائین نازل ہو رہی ہین اور دیدہ اختر نحوست بھی اودہر ہی کو کھلا رہے گا۔ جس سے تاریک ہونا چاہیے۔ کیون از راہ اعتراض ہے نہ کہ بطریق سوال۔

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال نامہ لاتا ہی وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

مجھے غربت مین کیا خوشی ہو جب زمانہ کے حوادث کا یہ حال ہو کہ نامہ بر وطن سے جو خط لاتا ہی وہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے اور کھلے خط مین اکثر اخبار بد لکھتے ہین دوسرے معنی یہ بھی ہین کہ مجھے غربت مین کیا خوشی نصیب ہو سکتی ہے جب نامہ بر وطن سے اکثر خط کھلے ہوے لاتا ہے یعنی میرے اعزا اور میرے دوست بھی مجھے کسی خاص راز کے لکھنے کی قابل نہین سمجھتے گر پہلے معانی زیادہ اچھے اور مناسب ہین۔

اُسکی امت مین ہون مین میرے رہین کیون کام بند واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

نعت کا شعر ہے یعنی اے غالب میرے کام کیون بند رہین مین اُس رسول کی امت مین ہون جس کے واسطے آسمان کا گنبد بے در کھل گیا۔ ایہام ہے قصہ معراج کی طرف بہت اچھا شعر ہے اور کیا کہون۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

رات مین اس قدر بیتاب تھا اور اس قدر میرے دل مین سوز پیدا ہو گیا تھا کہ اس کو دیکھکر گھٹا کا پتہ پانی ہو رہا تھا اور اثر بھی میرے سوز دل کی تاثیر یہ تھی کہ اس پانی مین جو

حلقۂ گرداب پڑتا تھا وہ شعلۂ جوالہ تھا۔

وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام　　گریہ سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

یہان سے مصنف اپنی اور معشوق کی حالت کا تقابل کرتا ہی جس کے لیے الفاظ اور حالات اور سب مناسب چیزین لائی گئی ہین کہتا ہی کہ چونکہ زہرۂ ابر آب ہو رہا تھا اور پانی بھی برس رہا تھا اس لیے اُنکے کرم کو بارش کا عذر مانع تھا یعنی وہ تو بوجہ بارش کے میرے یہان نہ آسکتے تھے اور یہان رونے سے تکیہ کی روئی کف سیلاب بنی ہوئی تھی یا کف سیلاب تکیہ کی روئی تھی یعنی روئی کا تکیہ بہا بہا پھرتا تھا۔ اور پانی سیل مین اس قدر جھاگ تھی کہ روئی معلوم ہوتی تھی یہ تماثیل نہایت مناسب ہین۔

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال　　یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا

وہ اپنی خود آرائی اور زیبایش کے خیال سے موتی پرو رہے تھے اور یہان ہجوم اشک اس قدر تھا کہ تار نظر بھی چھپ گیا تھا۔ آنسو کو موتی سے تشبیہ دیتے ہین اور تار نگہ سے استعارہ کرتے ہین مگر یہان یہی لطف ہے کہ مصنف نے تشبیہ نہین دی ہے حالت کا تقابل کر کے پوری تمثیل دیدی۔

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو　　یان رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

وہان جلوۂ گل تھا اور اُس کے عکس سے پانی مین چراغان کا تماشہ دکھائی دیتا تھا اور یہان جوے چشم تر تھی اور اس سے خون خالص رواں ہو رہا تھا اور لہو کی بوندین جو پلکون پر پڑی تھین شاخ گل معلوم ہوتی تھین۔

یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی　　جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تھا

ہماری بیخودی کی بزم مین آہ کی شمع روشن تھی اور وہان صحبت احباب کے لئے پھولونکا فرش بچھا ہوا تھا۔

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موج رنگ کا　　یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

وہاں طوفان رنگ کا جوش و خروش فرش سے عرش تک تھا یاں زمین سے آسمان تک آگ لگا دینے کے قابل تھا۔

ناگہاں اس رنگ سے خونناب ٹپکانے لگا — دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

میرا دل جس کو کاوش ناخن میں مزا آرہا تھا اس طرح سے آنکھوں سے خون ٹپکانے لگا یعنی ایسی حالت میں میں نے یہ غزل کہی۔

نالۂ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا — تھا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا

میرے نالۂ دل میں انداز اثر بالکل نہ تھا کیونکہ اگرچہ میں اس نالہ سے بیتاب ہو کر جل رہا تھا مگر میرا وہ جلنا بزم غیر کی اور زینت بڑھاتا تھا اور وہاں میرا جلنا سپند کا کام کر رہا تھا یعنی میرے نالہ و بیتابی کا اثر الٹا تھا۔ سپند دفع نظر بد کے لئے جلاتے ہیں۔

اسی مضمون کو تھوڑے سے تغیر سے دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ — نغمہ ہو جاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

ایسا ہی ایک مضمون اور ہے ؎

اُف اثر کا مری آہوں سے ہوا ہو جانا — جاتے جاتے ترے کوچہ میں صبا ہو جانا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے — خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

سیلاب کے آنے سے میرے دل کو کیا خوشی ہو رہی ہے عاشق کا گھر شاید صدائے آب کا ساز تھا یعنی جس طرح سے ساز و صدا وغیرہ باعث طرب ہے اسی طرح صدائے سیل آب کے واسطے اس کا گھر گرجانا ساز ہو گیا جس سے عاشق کو خوشی ہوئی مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی ویرانی کے سامان کو سامان طرب سمجھتا ہے اور اپنی بربادی سے خوش ہوتا ہے۔

نازش ایّام خاکستر نشینی کیا کہوں — پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا

مولانا علی حیدر صاحب نظم اس کی شرح یوں فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں خاک نشین تھا لیکن میرا دل قناعت کے فخر و ناز کے سبب سے فرش سنجاب پر لوٹ رہا تھا مگر میرے نزدیک غالب کا

مطلب یہ ہو کہ خاک نشینی کے ایام کا فخر و ناز کیا بیان کروں کہ اُس زمانے میں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کبھی ہم بھی بستر قاقم و سنجاب پر سوتے۔ اور اس طرح سے خیال عیش تصورِ عیش بنا ہوا تھا مگر افسوس کہ اب وہ زمانہ بھی نہ رہا۔ یہ معانی اندیشہ کے لفظ سے پیدا ہو گئے اور غالب کا یہی انداز بیان اکثر جگہ پایا جاتا ہے مثلاً۔

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

ان دونوں شعروں میں ترقی مدارج مقصود ہے۔

منشی غلام اللہ صاحب بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ ساکنہ بانس بریلی شاگرد مرزا غالب مرحوم نے بھی اسی زمین میں بالکل اسی رنگ کا اتباع کرتے ہوئے ایک غزل لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حق شاگردی کو خوب ادا کیا ہے۔ ہدیۂ پیشکش ناظرین کی جاتی ہے ۵

شب فورِ اشک سے گرد وں کفِ سیلاب تھا
دورۂ چشم کواکب حلقۂ گرداب تھا

واں حنابندی عنان گیر خرام ناز تھی
یاں تن کاہیدہ غرق اشک خون ناب تھا

شمع بزم عیش تھا واں خندۂ دندان نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں وہ خون ناب تھا

واں رخِ پرنور تھا صبح امید زندگی
یاں ہر اک داغِ جگر خورشید عالمتاب تھا

واں نگاہ سرمہ آلودہ تھی گلچین بہار
موجزن یاں چشم تر سے خون کا سیلاب تھا

یاں دلِ شوریدہ کو سر پھوڑنے کا تھا خیال
زیر سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا

دیدۂ بے خواب تھا یاں ہائے محو انتظار
استراحت کے لیے واں بستر سنجاب تھا

حسن تمکین آزما کو پاس خودداری وہاں
خانہ زادِ عشق کو ملحوظ یاں آداب تھا

اُنکو پاس ننگ دامنگیر مجکو پاس وضع
وہ اُدہر بیتاب تھے اور میں اِدہر بیتاب تھا

ہو گیا بیساختہ یوں آج سرگرم سخن
ایک مدت سے نوا سنجی کو دل بیتاب تھا

دیدۂ بے خواب کو شب تھا کسیکا انتظار
کان آہٹ پر تو واں مژگان سے خون ناب تھا

ہائے ایسے ناتواں پر تو ہوا تیغ آزما
نشتر فصاد جسکو دشنۂ قصاب تھا

کیوں نہ جھکتی زاہد مغرور کی گردن ادہر
خنجر خمدار قاتل صورت محراب تھا

ساغر گل اب کہاں وہ شور قلقل اب کہاں
نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا

مین نے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر
بستر سنجاب تھا نے بالش کم خواب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان　　ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

کچھ نہ کرنا ایک محاورہ ہے جو کوتاہی کرنے کے معنی مین مستعمل ہے کہتا ہے کہ میرے جنون نے نارسائی کی اور اپنی حد پر نہ پہونچ سکا ورنہ حد جنون کے مقام کا ایک ایک ذرہ رشک خورشید عالمتاب تھا۔ مولوی علی حیدر صاحب یہ کہتے ہین کہ جنون نارسا نے کچھ نہ کیا یعنی اکتساب فیض سے اور سجاد معشوق سے محروم رکھا ورنہ ایک ایک ذرہ نے ایسا اکتساب نور کیا تھا کہ رشک وہ آفتاب تھا اس مین حالات ماضی کا خیال کیا گیا ہے اور یہ نا ممکن ہے۔

اگر زیادہ غور کیا جاسے تو یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہین کہ جہان یعنی جس مقام تک جنون پہونچ چکا تھا اُس مقام کا ذرہ بھی روکش خورشید عالمتاب تھا۔

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرون کی تجھے　　کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

آج اپنے قیدیون کی تجھے پروا کیون نہین کل تلک تیرے دل مین بھی محبت تھی۔ اس شعر مین خصوصیت سے یہ دو لفظ قابل ذکر ہین تلک یہ اب متروک ہے اور فصحا بجائے اسکے تک، استعمال کرتے ہین۔ باب مہر و وفا فارسی کا محاورہ ہے اردو کی زبان اس کی متحمل نہین ہے

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا　　انتظار صید مین اک دیدۂ بیتاب تھا

پہلے شعر کے ثبوت مین یہ شعر لکھا گیا ہے اول جو بیان کیا ہے کہ کل تلک تیرا دل بھی باب مہر و وفا تھا کہ تیرے دام کا ہر حلقہ انتظار صید مین ایک دیدہ بیتاب بنا ہوا تھا اس شعر مین مرزا نے چشم معشوق کو اسی کے دام کا حلقہ بنایا ہر ایک جگہ اپنی آنکھون کو معشوق کے دام کا حلقہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے

دل کو آنکھون نے پھنسایا ہے مگر　　یہ بھی حلقے ہین تمھارے دام کے

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے　　اسکے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

گویا غالب کوئی دوسرا شخص ہے جس کو روکا گیا اور جس کا سیل نالہ اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ آسمان کف سیلاب بننے والا تھا۔

دیکھئے اسی سیل گریہ کے مضمون کو اسی غزل میں دوسرے انداز سے باندھ چکے ہیں سچ یہ ہے کہ قادرالکلامی اسی کا نام ہے۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب　　　خون جگر ودیعتِ مژگان یار تھا

اس شعر کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں کہ خون جگر یار کی پلکوں کی امانت تھا۔ اور وہ ایک ایک قطرہ بہانا پڑا یہی معنی مولانا نظم نے لکھے ہیں مگر میرے نزدیک یہ معنی اور بھی اچھے ہیں اور مناسب حال ہیں مجھے حساب دینا پڑا احساب دینا اُس وقت پڑتا ہے۔ اور حساب نہیں ہوتا ہے کہ جہاں کوئی اغصب وغیرہ پایا جاتا ہے یا کوئی بدنظمی ہوتی ہے اسیوجہ سے مصنف کہتا ہے کہ میں بیقراری ہی میں بہت سا خون جگر بہا چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی اس کی یاد مژہ کی کاوش اور محبت نے مجھے چین نہ لینے دیا اور جسقدر میں خون رو چکا تھا اتنا ہی پھر خون رُلایا اور اسی سے احتساب میں مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ گویا یہ شعر نظر افسوس کے ہے۔ تھوڑے سے رد و بدل سے یوں بھی کہتے ہیں کہ ؎

بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے　　　رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خوں فشاں کیلئے

یعنی اگر اُس کی مژہ کا عشق خون رُلائے گا تو رُلائے مگر میں اپنی مژگان کی عادت کے لئے بھی کچھ بچا رکھوں۔

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو　　　توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

تو نے میرے دل کو توڑ کر مجھے مصیبت میں ڈال دیا۔ کیونکہ میرا دل گویا ایک آئینہ تھا جسمیں ایک شہر یعنی بہت سی آرزو کی تصویریں تھیں۔ اور اس کے مٹنے سے سب مٹگئیں اور ایک دل کے ساتھ مجھے ایک شہر کا ماتم کرنا پڑ گیا۔ مولانا نظم اس کی یہ شرح لکھتے ہیں۔ جو میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں (اور وہ وار کو دار کہتے ہیں) قاعدہ ہے کہ آئینہ میں ایک ہی عکس دکھائی دیتا ہے لیکن جب اسے توڑ ڈالو تو ہر ہر ٹکڑے میں وہی پورا عکس معلوم ہونے لگتا ہے اور یہاں ہر ہر عکس دیکھ کر ایک ایک آرزو کا خون ہوتا ہے غرضکہ

جس آئینہ میں معشوق کے عکس و تمثال کا جلوہ تھا اُس کے ٹوٹنے سے ایک شہر آرزو کا خون ہو گیا یہ کہا ہوا مضمون ہے ؎

نظر آتے کبھی کاہیکو اک جا خود نما اتنے
یہ حسن اتفاق آئینہ اسکے روبرو ٹوٹا

ایک شہر آرزو میں ویسی ہی ترکیب ہے جیسے یکبیابان ماندگی۔ اور یک قدم وحشت میں۔ میرے نزدیک اس ترکیب کی تمثیل اُن تماثیل سے صحیح نہیں۔ بلکہ یہان کثرت مراد ہے اور وہان وحدت مقصود ہے۔

گلیو نمین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین
دلدادۂ ہوائے سر رہگذار تھا

بے انتہا بلیغ شعر ہے ہمیں مصنف نے اک سامان عبرت دکھانا چاہا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے اسکا بڑا شوق تھا کہ سڑکون اور شاہراہون کی ہوا کھاتا پھرون۔ اور یہ امراو شرفاے شہر کا طریق ہے کہ شام و صبح کو ہوا کھانے کے لیے نکل جایا کرتے ہین تو اب مرنے پر یہ سزا دو کہ میری نعش کو گلیوں میں کھینچتے پھرو اور اس صورت سے میری نازک دماغی اور میرے شوق کو لوگوں پر اظہار کرکے۔ دنیا سے ناپائدار اور یہان کے تمام شوقون سے انکو عبرت دلاؤ کہ یہ ایسا تھا اور اب یہ اتنا مجبور اور بے بس ہی پایہ کہ میری حالت زندگی میں بھی مجنونوں کی تھی بعد مرگ بھی وہی ہے

مولانا نظم اس کے یہ معنی لکھتے ہین۔ ہوا کے معنی آرزو۔ رہ گذار سے رہ گذار معشوق مراد ہے۔ مگر یہان اگر ہوا کے معنی آرزو کے لیے جائینگے۔ تو دلدادہ جس کے معنی خود آرزومند اور عاشق کے ہین بیکار ہو جائے گا۔ اور شعر اک ان مل بے جوڑ سے زیادہ وقیع نہو گا۔

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا

شرح نظم صاحب ملاحظہ ہو جس طرح تلوار مین جوہر آبدار ہوتے ہین اسی طرح موج سراب کے ذرے تھے۔ حاصل یہ کہ سر زمین عشق پر تلوار برستی ہی بس۔ حالانکہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ موج سراب دشت وفا کی کیفیت نہ پوچھ کہ اس نے کیا کیا ستم کیے گویا کہ اسکا ہر ایک ذرہ ایک جوہر تیغ تیز تھا جسنے آرزوؤن کا خون کر دیا۔ سراب اس کو کہتے ہین کہ کہین صاف شفاف جگہ دیکھ کر کسی مسافر کو پانی کا دہوکہ ہو جائے۔ اور یہ اکثر رات مین ہو جاتا ہے یہی مصنف کہتا ہے کہ مین گویا آرام اور محبت کا ایک پیاسا مسافر تھا اور معشوق کی وفا کی صورت پر دجود دل

وفانہ تھی بلکہ سراب وفا تھا جیسے مجھے صرف وفا کا دہوکا ہی دہوکا تھا مین محبت اور آرام کی اس مسافر کی طرح تمنا رکھتا تھا جو پیاسا ہو اور اس کو کسی جگہ پر پانی کا دہوکہ ہوا اور اُس سے وہ خوش ہو جائے مگر جب قریب پہونچے اور بجائے پانی کے وہ زمین دیکھ کر جیتے جی مر جائے اسی طرح اس سراب دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے جو معشوق کی طرف سے مجھے نظر پڑتی تھی قتل کر دیا یعنی اس کی جھوٹی تسکین اور وعدہ خلافی نے مجھے مار ڈالا۔ یا اگر وفا کو معشوق کی وفا سمجھا جائے تو دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ مجھے اپنی وفا سے کیا کیا امیدین تھین یعنی جذب کی توقع اور معشوق کی جانب سے بہی وفا کی امید تھی۔ مگر وہ صرف ایک سراب نکلا۔ اور میری وفا بیکار رہی۔ اور میرے دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے مجھی کو قتل کیا۔

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب دیکھا تو کم ہوے پہ غم روزگار تھا

ہم سمجھتے تھے کہ غم عشق کچھ کم ہے۔ مگر کم ہونے پر ایک زمانہ کا غم نکلا یعنی بہت نکلا یا یہ سمجھ لیجیے کہ ہم سمجھے تھے کہ غم عشق اب کم ہوا ہے اب ہم کو آرام ملیگا۔ مگر اب دیکھا تو کم ہونے پر غم دنیا نے گھیر لیا۔ گویا ایک آفت سے چھوٹے تو دوسری مین پڑ گئے ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

مگر مرجح پہلے معنی ہین۔

بسکہ دشوار ہی ہر کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

چونکہ ہر کام کا آسان ہونا مشکل ہی لہذا ہر آدمی بھی آدمی نہین کہا جا سکتا ؎

انچہ بر جستیم کم دیدیم و بسیار است و نیست نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است و نیست

گریہ چاہے ہی خرابی مری کاشانہ کی در و دیوار سے ٹپکے ہی بیابان ہونا

سیل گریہ میرے کاشانہ کی خرابی چاہتا ہی اور در و دیوار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب یہ کوئی دن مین بیابان ہو جائے گا۔

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجکو آپ جانا اُدہر اور آپ ہی حیران ہونا

ہائے شوق کی دیوانگی کہ دمبدم یہ مجکو تیری گلی مین لیجاتا ہے اور پھر آپ ہی آپ حیران ہوتا ہون کہ ہائے مین یہان کیون آیاتھا۔ ایک شعر بالکل اسی مضمون کا مجھے یاد ہی

یہ شوق تھا کہ جنون تھا کہ تیرے کوچہ مین ہزار بار گئے ہم ہزار بار آئے

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے جوہر آئینہ بھی چاہے ہی مژگان ہونا

چونکہ اُسکے جلوے مین یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر ایک سے ایک نگاہ کا تقاضا کرتا ہے توجب اُس نے آئینہ دیکھا جس مین اُس کے چہرے کا عکس پڑا اور اس کا ظہور ہوا تو گویا وہ اسکا جلوہ ہوا اور اسی سے اس آئینہ کے جوہر مین یہ خاصیت ہوگئی ہی کہ وہ بھی مژگانی کرنے لگا ہے یا اُسکے جلوہ کی خاصیت سے مژگان بنا چاہتا ہے۔ یا آسان ایک یہ بھی معنی ہین کہ چونکہ اسکا جلوہ نگاہ کا تقاضا کرتا ہے تو آئینہ آنکھ بن گیا ہے کہ اُسکو دیکھے اور اُس کا جوہر اُس آنکھ کی پلکین بننا چاہتا ہے کسی کا ایک شعر پہلے مصرع کے مضمون سے لڑتا بھڑتا ہے۔

چاہا تھا اُسکے جلوہ نے اک وعدہ نگاہ ہم اپنے دل کو دیکھ کے خاموش ہو گئے

عشرتِ قتل گہ اہل تمنامت پوچھ عید نظارہ ہی شمشیر کا عریان ہونا

قتل گاہ تک اہل تمنا کے جانے کی خوشی نہ پوچھ گویا قاتل کی تلوار کو دیکھکر انکو ہلال عید کے دیکھنے کی خوشی ہو رہی ہی۔ عید نظارہ۔ ترکیب مقلوب ہی۔ اور یہان مصنف ہلال نظارۂ عید کہنا چاہتا تھا۔ مگر معلوم نہین کس وجہ سے نہ کہہ سکا ایک شعر ہی۔ لااعلم

آؤتم سے بھی گلے مل لین ہم آج ای حسرتو ہی ہلال عید جو خنجر کف قاتل مین ہی

لے گئے خاک مین ہم داغ تمنائے نشاط تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا

یعنی ہم تو خوشی کی تمنا مین مر گئے خدا کرے تو ہمیشہ خوش وخرم رہے۔

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

تمنا کا زخم کھانا پارۂ دل کے لئے سامان عشرت اور زخم جگر کے واسطے نمکدان مین غرق

ہونا یعنی اسپر نمک چھڑکا جانا اُسکے لیے سامان لذت ہی۔ زخم کے لیے نمک اور نمک کی وجہ سے لذت اور تمنا کے لیے عشرت لایا گیا ہے۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

میرے قتل کے بعد اُس نے ظلم سے توبہ کرلی ہائے کیا جلد اپنی بُری عادت سے پشیمان ہوا ہے جب کام اختیار سے باہر ہوچکا ہی۔ اگر یہی معنی لیے جائیں تو یہ شعر قبیح اور از راہ تشنیع ہے۔ اسی سے یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بڑا زود پشیمان نکلا۔ اور بہت جلد اُس نے توبہ کی میں قتل ہو ہی چکا تھا۔ اور اب رقیبوں کی باری آئی تھی کہ وہ پشیمان ہوکر توبہ کر بیٹھا۔ اگر پہلے معانی پسند ہوں تو ایک شعر حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کا سنیے جسمیں داد فصاحت دی گئی ہی اور یہی مضمون ہے۔ ہاے فرماتے ہیں کہ ؎

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریبان ہونا

اس کے صاف صاف معنی تو یہ ہیں کہ اس چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہی جسکی تقدیر میں عاشق کا گریبان ہونا لکھا ہو۔ مگر دراصل یہ قصہ طلب شعر ہے۔ غالب مرحوم جب چوسر بازی کی بدولت قید میں رہے تھے اور کپڑے بہت میلے ہوگئے تھے تو اسپر ایک مرتبہ یہ شعر کہا ؎

ہم غم زدہ جسدن سے گرفتار بلا ہیں کپڑوں میں جوئیں بخیہ کے ٹانکوں سے سوا ہیں

اور جسدن اس زندان تیرہ و تار سے نجات پائی کپڑے تبدیل کیے پرانے دھرانے میلے کچیلے کپڑے پھاڑ پھینکے اور ساتھ ہی یہ شعر کہا۔

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا

رات کو ساقی کے شوق نے وہ قیامت برپا کر رکھی تھی کہ محیط دریاے شراب تک صورتخانہ خمیازہ یعنی انگڑائی کی شکل پر نظر آتا تھا۔ چونکہ شوق میں ایک انتشار ہوتا ہے اور خمار بھی ایک تکلیف دہ چیز ہے اسواسطے شوق کو خمار سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ شوق ساقی کا تھا۔

اسواسطے اس کو خمار کہنا اور بہی اچھا ہے یعنی میری جمائیان اتنی لمبی تہین کہ وہ دریاے شراب تک پہونچگئی تہین -

ایک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا — جادہ اجزاے دوعالم دشت کا شیرازہ تہا

یک قدم وحشت یعنی تہوڑی سی وحشت - یا وحشت کے ایک قدم چلنے سے گویا دفتر امکان کی مین نے سیر کر لی - گویا وہ جادہ جسپر مین نے وحشت مین قدم رکھا تہا جادہ نہ تہا - بلکہ وہ جادہ ایک شیرازہ تہا جس مین اجزاے پریشان ہر دوعالم منسلک تھے - اس مین اپنی وحشت کی زیادتی اور عظمت دکہانا مقصود ہی کہ حالانکہ مین ایک ہی قدم چلا یعنی بہت کم میری وحشت کا ظہور ہوا - مگر اس کم وحشت مین مین نے ہر دوعالم کو روند ڈالا - اگرچہ مولانا علی حیدر صاحب نے اس مین کھینچ تان کر تصوف کے معانی پیدا کر دیے ہین مگر مین کہتا ہون کہ یہ مرزا کا خاص مضمون ہی اور ایسے ہی مضامین او خیالات کا انہون نے کئی جگہ اظہار کیا ہے مثلاً - ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دریاے معاصی تنک آبی سی ہوا خشک — میرا سر دامن بہی ابہی تر نہوا تہا

اور کئی جگہ علیٰ ہذا -

جادہ کو شیرازہ سے تشبیہ دی ہو اور یہ تشبیہ نہایت نازک ہو اس سے پہلی غزلون مین بہی لکھ چکے ہین - کہ ؎

نظر مین ہی ہماری جادۂ راہ فنا غالب — کہ یہ شیرازہ ہو عالم کے اجزاے پریشان کا

مانع وحشت خرامیہاے لیلیٰ کون ہو — خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تہا

جناب نظم صاحب اس شعر کے یہ معنی تحریر فرماتے ہین - کہ مصنف نے صحرا گرد مجنون کی صفت ڈال کر اس کے گھر کا پتہ بتا دیا - یعنی مجنون کا گھر تو صحرا ہی اور صحرا وہ گھر ہو جسمین دروازہ نہین پھر لیلیٰ کیون نہین وحشی ہو کر اُس کے پاس چلی آتی کون اُسے مانع ہو -
میرے نزدیک اگر وہ معنی غلط نہین ہین تو نہون مگر مندرجہ ذیل معانی اُس سے زیادہ فصیح ہین اور انکی صحت پر غالب کے طرز بیان کو مین گواہ بناتا ہون -
یعنی اگر مجنون ایسے گھر مین قید تہا - یا ایسے گھر مین رہتا تہا کہ جسمین دروازہ نہ تہا - اور

اس سبب سے وہ کہیں آجا نہ سکتا تھا۔ اور اس سبب سے وحشت سے باز رہتا تھا ورنہ تو مجبور تھا مگر لیلےٰ جس کے گھر میں دروازہ بھی موجود تھا اور جو نکل سکتی تھی اور وحشت خرامی کر سکتی تھی اس کو کون مانع آتا تھا کہ وہ جنگلوں میں نہیں نکلجاتی تھی۔ اسپر جذب عشق مجنون کا اثر ہونا چاہیئے تھا۔ اور مجنون کی قید اور جنون کی وجہ سے اس کو وحشت ہونی چاہیئے تھی۔

یہ مصنف کا خاص انداز بیان ہے ان کے متعدد اشعار اس رنگ کے موجود ہیں جنمین وہ معشوق کو عاشق کے مقابلہ میں گنہگار قرار دیتے ہیں۔ اہل نظر غور فرمائین ؎

جلوہ گاہ آتش دوزخ ہمارا دل سہی — فتنۂ شور قیامت کسکی آب و گل میں ہے

بخود بوقت ذبح طپیدن گناہ ما — وا فستہ دشنہ تیز بگردن گناہ کیست

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن — دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

حسن ہرچند کہ مستغنی ہے مگر اس کے استغنا کی رسوائیاں کچھ نہ پوچھیے۔ ہاتھ مہندی کا اور رخسارہ غازہ کا مرہون احسان ہے اور یہ احسان باعث رسوائی ہے۔

نواب مرزا خان داغ دہلوی مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

اپنی صورت پہ جو نازان ہو نکھار آگیا ہے — آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بباد — یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

میرے نالۂ دل نے لخت دل کے اوراق کو یعنی دل صد پارہ کو پریشان کر دیا۔ گویا نالہ ایک شاعر تھا جس کا دیوان دل پریشان تھا۔ اس نے اس کو جو بحیثیت ایک یادگار تھا اس کو خود برباد کر دیا۔ بباد دادن فارسی کا محاورہ ہے۔ اردو میں برباد کرنا۔

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

دوست اقربا میری کیا غمخواری کر سکتے ہیں اب میرے ناخن تراش کر مرہم لگا دیا ہے اور اپنی تدبیر پر نازان ہو گئے ہیں میں کہتا ہوں کہ جب تک یہ زخم بھریگا میرے ناخن بھی بڑھ جائینگے اور میں پھر اس زخم کو نوچ ڈالونگا۔ ایسے شعر اردو کے لیے مایۂ ناز ہیں۔ اور غالب کو غالب انہیں اشعار نے بنا دیا ہے۔ ناطق گرانی کہتے ہیں ؎

لذت زورد بسکہ دل زار من گرفت　　ناخن زدم بداغ اگر بہ شدن گرفت

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک　　ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

یعنی استغنا اور بے نیازی کی بھی کوئی حد ہوتی ہی اور اب آپکی بے نیازی حد سے گذر گئی۔ اب کبتک آپ میرا حال دل سنکر کیا کیا کہے جائینگے اور تجاہل عارفانہ سے کام لینگے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا　　کہانتک اے سراپا ناز کیا کیا

؎ اور

حد چاہئے سزا مین عقوبت کیواسطے　　آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

حضرت ناصح گر آئین دیدہ و دل فرش راہ　　کوئی مجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

اگر حضرت ناصح تشریف لاتے ہین تو بسم اللہ بسر و چشم تشریف لائین۔ مگر کوئی للہ مجھے یہ تو سمجھا دے کہ وہ مجکو کیا سمجھائینگے یعنی کیا مجھے انھون نے ناسمجھ خیال کر رکھا ہے مین ناسمجھ نہین ہون سب سمجھتا ہون مگر عشق سے مجبور ہون اس مین میرا کوئی اختیار نہین ہی۔ ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادہر نہین آتی

اسی مضمون کو ادنی تغیر کے ساتھ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

دل کو سب باتون کی ہی ناصح خبر　　سمجھے سمجھائے کو ہم سمجھائین کیا

آج وان تیغ و کفن باندہے ہوے جاتا ہون مین　　عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا

یعنی روزانہ وہ ؎ مرزا یاس

خنجر کو جو پاتے ہین تو ہمکو نہین پاتے　　اور ہم کو جو پاتے ہین تو خنجر نہین ملتا

مگر دیکھین آج کیا عذر کرینگے کہ تلوار اور کفن سب موجود ہین۔ اسی مضمون کو مولانا عرفی نے نہایت عمدہ طریقہ سے نظم کیا ہے جس کا جواب نہین فرماتے ہین کہ ؎

منم آن سیر ز جان گشتہ کہ با تیغ و کفن　　تا در خانۂ جلاد غزل خوان رفتم

عرفی کے یہان دو لفظ شعر مین ایسے ہین کہ جن سے شعر کا پایا بہت عالی ہوگیا ہی یعنی جان گشتہ اور غزلخوان۔

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی　　یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

اگر ناصح نے ہم کو قید کردیا۔ اچھا یہی سہی۔ مگر کیا اس قید سے وہ جنون جاتا رہے گا جو عشق نے مجھ مین پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے مصرع مین استفہام انکاری و استخباری ہی یعنی نہین چھوٹ سکتے۔ اگر غالب پر الفاظ کے جمع کرنے کی تہمت لگائی جاے تو یہ بھی سمجھ لیجئے کہ چھٹنا اور قید ہونا بھی دونون اچھے لفظ ہین جنکے جمع ہونے سے اک لطف پیدا ہوگیا ہی یہ ایک عام مضمون ہی مگر یہان نہایت خوبی سے ادا ہوا ہے۔

خانہ زادِ زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون　　ہین گرفتارِ وفا زندان سے گھبرائینگے کیا

ہم زلف کے (جو زنجیر سے زیادہ ہی) غلام خانہ زاد ہین تو زنجیر سے کیا بھاگینگے۔ ہم قید گرفتاری سے کیا گھبرائین گے۔ کہ وفا کے پابند ہین جو قید سے بھی زیادہ ہی یعنی ناصح ہم کو زنجیر اور قید سے کیا ڈراتا ہی ہم کو ان سے زیادہ چیزون سے سابقہ پڑا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہی کہ جب ہم زلف اور وفا کے عاشق ہین تو ان چیزون سے کیا گھبرائین یہ تو اس کا نتیجہ ہین

ہی اب اس معمورہ مین قحطِ غمِ الفت اسدؔ　　ہمنے یہ مانا کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا

دلی سے محبت اٹھ گئی اور یہان غم الفت کہین نہین اس کا قحط ہی تو ہم جو غم الفت کھانے کے عادی ہین یہان رہ کر کیا کھائین کیونکہ وہ یہان نایاب ہی لامحالہ ہم کو یہ شہر چھوڑ دینا پڑے گا۔ کیونکہ ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح　　نتوان مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

جناب نظم یون فرماتے ہین ہمین غم کھانے کا مزا پڑا ہوا ہی اور وہی یہان نہین ہی یعنی اس شہر مین ایسے معشوق نہین ہین جن سے محبت کیجئے۔ حسرت صاحب نے بھی یہی شرح لکھی ہے میرے نزدیک اس مین ایک قباحت ہی۔ وہ یہ کہ جناب حسرت صاحب نے محض معشوقون کو خاص کردیا ہی۔ اور قحط ایک عام وبا ہے یعنی اگر معشوق نہین ہین تو دیگر اعزا اقربا کا

غم بھی کھانے کو نہین ملتا۔ یہان الفت سے محض عشق مراد نہین ہی بلکہ باہمی تعلقات ہین۔ واللہ اعلم۔ ناظرین جیسے چاہین صحیح سمجھین۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت جو وصال یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ہماری قسمت مین اس سے ملنا نہ لکھا تھا۔ ابتک جیتے رہے اور اس کے وصل کا انتظار کیا۔ اگر اور بھی جیتے تو بھی انتظار ہی کرنا پڑتا وصل نہوتا۔

اس زمین مین قریب قریب سب مشہور شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین مگر مرزا غالب مرحوم نے دو ایک شعر ایسے کہی ہین جن کا جواب نہین۔

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ہم تیرے وعدہ کرنے سے جیئے تو تو نے یہ سمجھکر جھوٹ جانا کہ اگر ہمارے وعدے کا اعتبار ہوتا تو سچے شادی مرگ ہو جاتی۔ دوسرا پہلو یہ ہی کہ ایجان تیرے وعدہ کرنے پر جو ہم جیتے رہی تو تو سمجھ کہ ہم نے اس کو جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ اگر کہین ہم کو اس وعدہ کا اعتبار ہوتا تو ہم خوشی سے مرجاتے۔ بہر حال شعر نہایت عمدہ ہی۔ ایک شعر اسی مضمون کا یاد نہین کسکا ہی

بیم از وفاداری دہ وعدہ کہ من — از ذوق وعدۂ تو بفرد امنی رسم

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا — کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

چونکہ تو نازک ہی اس لیے تیرا عہد بھی نازک تھا یہ ہم کو اس وجہ سے معلوم ہوا کہ اگر وہ عہد مضبوط ہوتا تو تو اس کو نہ توڑ سکتا۔ کیونکہ نازک آدمی سے ایسا اہم کام نہین ہو سکتا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو — یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یعنی وہ تیر جسے تو نے آدھا کھینچکر چھوڑ دیا ہے اُسے کوئی میرے دل سے پوچھے یعنی اُس کی لذت سے بس میرا دل ہی واقف ہی کہ اگر یہ نیمکش نہوتا اور تو پوری قوت سے اس کو چھوڑتا تو یہ جگر کے پار ہو جاتا اور خلش کا لطف باقی نہ رہتا۔ یہان تیر نیمکش سے مراد کنکھیون سے دیکھنا ہی۔ یہ شعر مقبول عام ہی۔ اور کوئی شک نہین کہ بمثل کہا گیا ہی۔ جو کا دا

دبتا ہی - اور اس سے دو جیم جمع ہو گئے ہین - اور یہ عیب ہی مگر یہان بُرا نہین معلوم ہوتا - بجستی بندش اسی کا نام ہی - جو کی داؤ کا گزنا غیر فصیح نہین ہی بلکہ بھلا معلوم ہوتا ہی - ذوق مرحوم ایک جگہ ایسا ہی مضمون دوسرے پہلو سے نظم فرمائے ہین وہ بھی بہت خوب ہی مگر غالب کا شعر مقبول عام ہی اور ایسی جگہ کہنا پڑتا ہی کہ خدا جسکو چاہی عزت دے - ذوق

شکر پردہ ہی مین اُس بت کو حیا نے رکھا
ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

ایک شعر ذوق مرحوم کے مضمون سے ملتا جلتا منشی امیر احمد صاحب مرحوم کے یہان بہت خوب ہے

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے
شوخیون نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دونون شعر غالب کے شعر سے ہم مضمون ہین بلکہ نہین کچھ کچھ فیما بین شباہت ہی اور یہ محض تیر ترکش نے مجھے یاد دلا دیے ہین -

یہ کہانکی دوستی ہی کہ بنے ہین دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

شاعرون کے لیے غمخوار سے غمخوار دوست بھی ایک دشمن ہی اور ناصح کو تو ہمیشہ برا بھلا کہا ہی جاتا ہی اسکا ذکر ہی فضول ہی یہی غالب بھی کہتے ہین کہ یہ کہانکی دوستی ہی کہ دوست مجھے نصیحت کرنے بیٹھ گئے ہین یہ کہانکی دوستی ہی کہ دوست ناصح بنکر میری جان کھائے جاتے ہین - کوئی میری غمگساری کرتا کوئی میرے دکھ درد کا علاج کرتا -

کہون کس سے مین کہ کیا ہی شب غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

کس سے کہون اور کیا کہون کہ شب غم کیا چیز ہی اس مین مجھے روز سیکڑون بار موت آتی ہی اور مر نہین جاتا - اگر ایک بار مر کر اس عذاب سے نجات پا جاتا تو بہت اچھا تھا مگر ایسا نہین ہی مجھے کسی اور شخص کا ایک شعر یاد ہی جو اگر میرا قیاس غلطی نہین کرتا ہی تو ضرور اسی غالب کے شعر سے ماخوذ ہی ؎

نہ پوچھ ہجر کی راتون کی کاہشین ہمدم
وہ کیا جئے گا جسے موت بار بار آئے

بقول مولانا نظم صاحب یہ شعر حد تحسین سے باہر ہے -

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

مصنف غم کی سختی اور بُرائی کو ایک دوسری تکلیف دہ چیز سے تشبیہ دیکر بیان کرتا ہے کہتا ہے جیسے تم غم سمجھے ہو اگر یہ شرارہ ہوکر پتھر مین چھپ جاتا تو پتھر سے لہو ٹپکتا یعنی پتھر بھی خون کے آنسو بہاتا۔ اور ایسے آنسو بہاتا کہ پھر وہ آنسو تھم نہ سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ دل مین آگ کو چھپا سکتے مگر غم کو نہین چھپا سکتے ہین۔ پتھر سے تشبیہ دینے مین ایک یہ لطافت مدنظر رکھی ہے کہ سخت دل سے زیادہ سخت دل بھی غم کی برداشت نہین کرسکتا ہے۔ یا یہ کہ شرار جو پتھر مین ہوتا ہے اگر یہ غم ہوتا تو پتھر اس کی برداشت نہ کرسکتا اور ہمیشہ اُس سے خون ٹپکا کرتا ہ

غم اگرچہ جانگسل ہے پہ کہان بچین کہ دل ہے
غم عشق گر نہوتا غم روزگار ہوتا

غم اگرچہ جان کا گھلا دینے والا ہوتا ہے مگر اس سے کوئی متنفس بچ بھی نہین سکتا اس لیے کہ دل موجود ہے اور دل کا خاصہ رنج و غم ہے اور وہ اس سے کبھی خالی نہین رہ سکتا۔ اب ہمکو عشق نے مار رکھا ہے مگر اس غم جانگسل کو ہم بُرا کیا سمجھین اگر یہ غم نہوتا تو اور کوئی غم ہوتا غرضکہ جب تک دل ہے غم سے نجات نہین پاسکتے (پہ) پر کے بجاے اب متروک ہے اور پر بھی بجاے مگر اور لیکن کے غیر فصیح اور قابل ترک ہے دگر مین کچھ بُرائی نہین ہے مگر اچھا یہ ہے کہ اگر لکھا جائے یعنی ؎

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوے

ہوے مر کے ہم جو رسوا ہوے کیون نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا

ہم مر کے رسوا ہوے کہ جنازہ اُٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت پڑی۔ رسوائی یون ہوئی کہ کوئی نہ ہمارا جنازہ اٹھانیوالا ہے نہ مزار بنانے کا کسیکو خیال ہے اس سے ہم بیکس اور خانمان خراب مشہور ہوے اور دنیا کو ہماری بے خانمانی اور بیکسی کا پتہ چلا اور سب کو ہماری حالت کا اندازہ ہوگیا ورنہ کوئی جانتا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔ کاش ہم کہین دریا مین ڈوب جاتے کہ جنازہ اُٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تو ہمارا حال کسی پر نہ کھلتا اور ہم بدنام نہوتے۔

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہین دوچار ہوتا

یعنی اگر ذات واحد مین دوئی پائی جاتی تو کبھی نہ کبھی تو وہ کسیکو دکھائی دیتا۔ دوچار

ہونے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ کبھی اُس کی کسی سے جنگ ہوتی اور یہ دلیل قرآنی ہے۔ لوکان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اگر آسمان وزمین مین سوائے خدائے پاک کے چند خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔ کیونکہ چند طبیعتین یا اختیارات مجتمع نہیں ہوسکتیں معترض کرسکتا ہو۔ کہ اگر وہ باہم سلوک کر لیتے تو فساد نہوتا۔ مگر اسکا یہ جواب ہو کہ صلح دو برابر والون مین نہیں ہوسکتی۔ ایک غالب ہوگا اور ایک مغلوب۔ اور جو مغلوب ہو وہ خدا نہیں ہے۔

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ　　تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب تو نے جو مسائل تصوف بیان کیے یہ ایسے مسائل ہیں کہ کہیں اگر تو شراب خوار نہوتا تو ہم تجکو ولی کامل سمجھتے۔ یا اگر تو شراب خوار نہوتا تو پورا ولی تھا۔

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا　　نہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مولانا نظم اس کے معانی یون بیان فرماتے ہین کہ رقیب بوالہوس کو نشاط کار وصل و لطف وصل نگار حاصل ہے اب ہمارے جینے کا کیا مزہ رہا۔ مصنف کی اصطلاح مین ہوس محبت رقیب کا نام ہے۔ دوسرا پہلو یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا مین انسان کو ہوا و ہوس سے رہائی نہین ہے اگر مرنا نہوتا تو اس طرح کے جینے مین کوئی مزا نہ تھا یعنی حاصل زندگانی مرنا ہے۔ اور جناب حسرت صاحب نے صرف یہ لکھا ہے نشاط کے معنی امنگ کے ہین یعنی کام کرنے کی امنگ۔ مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہین ہو کہ مصنف کی ایک خاص اصطلاح مقرر کی جاے۔ سیدھے سیدھے یہ معنی ہین کہ حرص انسانی کو محض کام کرنے کی امنگ اور خوشی اسی وجہ سے ہو کہ مرنا لابدی ہو یعنی آدمی خوش ہوتا ہے کہ مین نے اپنی زندگی مین یہ بھی کر لیا اور وہ بھی کر لیا اور میری زندگی مین یہ ہو جاے وہ ہو جاے۔ اگر مرنا نہوتا تو زندگی کا کوئی لطف نہ تھا کیونکہ کسی کو کسی کام کے نبجانے کی کوئی خوشی نہوتی۔ نہ کسی کے دل مین امنگ باقی رہ جاتی۔ کیونکہ ہر شخص مطمئن ہو کر آج کے کام کو کل پر اور کل کے کام کو پرسون پر ٹال دیتا۔ اور سمجھتا کہ مرنا تو ہو ہی نہین جب چاہین گے کر لین گے۔ اس صورت مین نہ کوئی کام ہوتا نہ خوشی ہوتی۔ اور جینے کا مزا جو محض خوشی پر منحصر ہے باقی نہ رہتا۔ نہ زیست کا کوئی حاصل ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاصل زندگی موت ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا　　کہانتک اے سراپا ناز کیا کیا

پہلے ایک شعر اسی مضمون کا آچکا ہے ؎

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک　　ہم کہین گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

نوازشہائے بیجا دیکھتا ہون　　شکایتہائے رنگین کا گلا کیا

آپ جو رقیب پر بیجا عنایتین فرماتے ہین اور مین انہین دیکھ کر شکایتین کرتا ہون اُسکا آپ مجھ سے کیون گلا کرتے ہین یہ بیجا نوازشین دیکھکر کیونکر مین خاموش رہ سکتا ہون یا یہ کہ مین آپ کی بیجا نوازشین جو میرے حال پر ہوتی ہین دیکھتا ہون یعنی ظلم وستم سہتا ہون۔ پھر اس حال مین اگر آپ میری شکایتین رنگین الفاظ مین کرتے ہین تو اُن کا تو بھلا کیا گلا کرونگا۔ یا یہ کہ جب مین بیجا نوازشین دیکھتا ہون تو آپ جو مجھ سے رنگین شکایتین فرماتے ہین اُسکا متحمل کیونکر ہونگا

نگاہِ بے محابا چاہتا ہون　　تغافل ہائے تمکین آزما کیا

میری خواہش یہ ہے کہ تم مجھ پر بے تکلفانہ نظر ڈالو۔ مگر تم تغافل سے کام لیتے ہو اور میرے ضبط اور تحمل کا امتحان لینا چاہتے ہو۔ اسی غزل مین آگے چل کر اسی مضمون کو نہایت صاف طریقہ سے ادا کرتے ہین ؎

کیا کسنے جگرداری کا دعوے　　شکیب خاطر عاشق بہلا کیا

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے　　ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

رقیب کا عشق عشق نہین ہے وہ محض ہوس ہے۔ اور اس کو ناموس وفا کا کچھ خیال نہین ہے اس کی محبت کی مثال ایک تنکے کے جلنے کی ہے کہ دم بھر جل کر روشنی دیتا ہے پھر کچھ نہین بقول حضرت ناطق مدظلہٗ ؎ اہل ہوس کو درد محبت کہان نصیب۔ یہ مال ہمین نہین ملتا پڑا ہوا۔

ڈھلتی پھرتی چھاؤن ہے اس کی وفا کچھ بھی نہین　　چار دن کی چاندنی ہے اور کیا کچھ بھی نہین

نفس موج محیط بیخودی ہے　　تغافلہائے ساقی کا گلا کیا

ہماری ہر سانس دریائے بیخودی کی ایک موج ہی یعنی دمبدم بے ہوشی کا دورہ ہوتا ہی تو ہم کو ساقی کے تغافل کی کیا شکایت ہو سکتی ہی - اور اس کی کیا ضرورت ہی -

دماغِ عطرِ پیراہن نہین ہی — غمِ آوارگیہاے صبا کیا

اگر مجھے پیراہن کے بسانے کا دماغ ہوتا تو صبا کی آوارہ گردی کا غم ہوتا - کہ یہ بوئے گل کو پریشان کیون کرتی پھرتی ہے اگر یہ جمع رہتی تو میرے پیراہن بسانے مین کام آتی - مگر مجھے پیراہن بسانے ہی کا دماغ نہین ہی تو صبا کی اس حرکت بیجا کا کیا غم کرون - اسی زمین مین نواب مصطفٰے خان صاحب شیفتہ کی ایک غزل ہی جس کو دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہی کہ مرزا کی یہ غزل دیکھکر کہی گئی ہے اس سے یہ مراد نہین ہی کہ انھون نے اس کے مضمون نقل کیے ہین بلکہ غزل کا انداز بالکل یہی ہے چنانچہ صبا کا قافیہ اُن کے یہان یہ ہی اور اس مین ایک آدھ لفظ ایسا ہی جو میرے خیال کی تائید کرتا ہے ؎

شمیم گل مین بوئے پیرہن ہے — غلط ہے یہ کہ احسان صبا کیا

شیفتہ مرحوم کا شعر بہت بلیغ ہے -

دلِ ہر قطرہ ہی سازِ انا البحر — ہم اُسکے ہین ہمارا پوچھنا کیا

ہر قطرہ سے صدائے انا البحر بلند ہو رہی ہے اور ہر ایک قطرہ اتحادِ دریا کا دعویدار ہے اسی طرح ہم بھی اپنے دریا کے ساتھ دعوئے اتحاد رکھتے ہین ہم اُس مین سے یا اُس سے ہین ہمارا کیا کہنا - ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دیا اور جزو مین کل — کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

شیفتہ اسی قافیہ کو یون فرماتے ہین ؎

نہین تھا آپ قصدِ عرضِ احوال — جو وہ خود پوچھتے ہین پوچھنا کیا

غالب مرحوم کے یہان نہایت عمدہ طریقہ سے اس قافیہ کو باندھا گیا ہے اور شیفتہ کے یہان بالکل معمولی -

محابا کیا ہے مین ضامن ادھر دیکھ — شہیدانِ وفا کا خونبہا کیا

تجھے خوف ہی کہ اگر تو میری طرف دیکھے گا تو مین مرجاؤن گا۔ مگر نہین تو خوف نہ کر میری طرف دیکھ اگر مین شہید ہوجاؤن گا تو تجکو خونبہا دینا پڑے گا کیونکہ شہیدان وفا کا خونبہا ہوتا ہی نہین ہی (ادہر دیکھ) ایک محاورہ ہے جو محل تاکید پر مستعمل ہی مگر یہان یہ محاورہ دونون معنی پیدا کرتا ہے اور یہ سب صرف برمحل کی خوبی ہے شیفتہ مرحوم نے بھی قریب قریب یہی مضمون ادا کیا ہے مگر ان کے یہان بھی شعر کی بندش نہایت چست ہے جو کسی طرح غالب سے کم نہین ہی

فنائے عاشقان عین بقا ہے　　دیت زندون کی کیسی خونبہا کیا

کہتے ہین کہ تو عاشقون کو قتل کر انکا فنا ہونا عین بقا ہے اور جب وہ باقی ہین تو گویا زندہ ہین اور زندہ کی دیت اور خونبہا نہین دیا جاتا۔

سُن اے غارتگر جنس وفا سُن　　شکست قیمت دل کی صدا کیا

اے غارتگر جنس وفا۔ اے صدائے شکست قیمت دل کے شایق سُن مگر شکست قیمت دل مین صدا کہان ہوتی ہے۔ یہان سُن سے دونون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ آ میری بات سُن یا شکست قیمت دل کی صدا سُن جسے تو سُن نہین سکتا۔ مین نے کئی نسخون مین بجائے قیمت کے شیشہ دیکھا ہی اور وہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ شیشہ سے حسن شعر دوبالا ہوجائیگا سُن سے یہ معنی مفہوم ہوتے ہین کہ بطور طنز اس کو تعبیر کیا جائے۔ یا کہا جائے کہ لے سُن اگر تجھے دل کے ٹوٹنے کی صدا اچھی معلوم ہوتی ہی تو مین بھی شکست دل کی کچھ حقیقت نہین سمجھتا۔ نظم صاحب نے اپنی شرح مین موخرالذکر معنی لکھے ہین اور یہ بھی۔ کہ تو جو کہتا ہے کہ ہمین شکست دل کی خبر نہین تو کہین شکست دل مین آواز ہوتی ہی جو تجھے سنائی دیتی۔ بہر حال یہ شعر نہایت اچھا ہی۔

کیا کِس نے جگرداری کا دعویٰ　　شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

یعنی مجھے یہ دعویٰ نہین ہی کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ تو مین صبر کرسکون گا۔ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا
کِس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں   یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

او قاتل او کافر تو ایسا وعدہ کیوں کرتا ہی جس مین مجھے صبر کی ضرورت پڑے تیرے نزدیک یہ وعدہ صبر آزما ہی مگر میرے نزدیک یہ ایک فتنہ طاقت ربا ہی۔ یہ انداز بیان مرزا غالب کا حصہ ہی شیفتہ مرحوم نے بھی اس رنگ مین اسی انداز بیان سے کام لیکر ایک نہایت لطیف قطعہ کہا ہی۔ اور تقلید اور تتبع کا حق جیسا چاہیے ویسا ادا کیا ہے انتہا یہ ہو کہ اگر معلوم نہو تو شاید کوئی معلوم نہ کر سکے کہ شیفتہ کا قطعہ ہے یا غالب کا تفریح طبع۔ ناظرین کے لیے مین اس کو یہان نقل کرتا ہون۔

کہا کل مین نے اے سرمایۂ ناز   تلون سے ہے تجھکو مدعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیون   کبھی بے وجہ غیرون سے وفا کیا
کبھی محفل مین وہ بیباکیان کیون   کبھی خلوت مین یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفرین کیون   کبھی الطاف جرأت آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہاے جانگزا کیون   کبھی یہ نغمہ ہاے جانفزا کیا
کبھی شعرون سے میرے نغمہ سازی   کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی بے جرم یون آزردہ ہونا   کہ کیا طاقت کہ پوچھون مین خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بہر تسکین   پئے ہم جلوہ ہاے دلربا کیا
یہ سب طول اُس نے سنکر بے تکلف   جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہین تم
کہ باتین عشق مین ہوتی ہین کیا کیا

ہم کو یہان یہ لکھدینا بھی ضرور ہو کہ فی زمانہ مرزا غالب کے کلام کو عام مقبولیت حاصل ہے اور بڑے بڑے خوشگو اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہین کہ غالب کے رنگ کی تقلید کیجاے مگر بدقسمتی سے بہت کم لوگ ایسے ہین جن کو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ غور کرنے پر جہانتک ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہی کہ مقلدان غالب نے اکثر مغلق الفاظ سے غالب کی تقلید کا بیڑا اٹھایا ہی۔ باقی نہ معانی آفرینی ہے نہ نازک خیالی۔ نہ بندش چست ہی نہ مضامین اعلی ہین اسی سبب سے کہنا پڑتا ہی۔

کلاغی تنگ کبک در گوشش کرد تنگ خویشتن را فراموش کرد

بعض لوگ ایسے ہین جنھون نے چند الفاظ مین غالب کے اتباع کو ختم کر دیا ہے اور وہی الفاظ اُن کے فیصدی ۹۵ اشعار مین پائے جاتے ہین۔ مثلاً مرکز۔ رگین کھینچنا۔ تشنج پیدا ہونا۔ خون دل کا سمٹنا۔ اور بہت سے الفاظ جنھین ضرور کہین ہم مفصل لکھین گے۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ غالب کی اشعار مین درد زیادہ ہے اور محض اسی خوبی نے غالب کی شاعری کو قابل اتباع قرار دیا ہے مگر درد پیدا کرنے کا طریقہ ایک خاص مقرر کر لیا گیا ہے کہ جسقدر مضامین ہون اُن مین موت کا ذکر کیا جائے اور فیصدی ۷۵ شعرون مین جنازے اٹھائے جاتے ہین لکھنو کے بعض موجودہ شعرا مین اکثر اسی قسم کے شعر پسند کیے جاتے ہین۔ بلکہ مین اپنے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کو تیار ہون کہ وہ شعر ہی اچھا نہین سمجھا جاتا۔ جہان موت اور نزع کے مصائب نہ بیان کیے جائین بلکہ یہان تک کہدینے مین باک نہین ہے کہ انبساط و انقباض جو شعر کی دو خاص تعریفین ہین ان مین سے انبساط تو بالکل غائب ہے رہا انقباض وہ اور کسی صورت سے پیدا نہین کیا جاتا محض موت کے مضمون لکھدیے جاتے ہین۔ چونکہ ذکر موت ایک ایسا ذکر ہے جس سے ہر شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین اس لیے اسی ذکر اور مضمون کو معیار درد قرار دیدیا گیا۔ اور لطف یہ کہ اسی ایک مضمون کی بنا پر کوئی خود کو غالب کا صحیح متبع اور کوئی میر تقی میر کا مقلد کہکر خوش ہوتا ہے۔

اندھیری راتین گور غریبان پر چراغ کا ٹمٹمانا۔ مرنے کے وقت بالون کا پریشان کرنا وغیرہ وغیرہ چند مضمون ہین۔ میرا روئے سخن کسی خاص فرقہ کی طرف نہین ہے بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے محض تقلید کی بنا پر۔ اب قبعان غالب شیفتہ کے کلام کو انصاف سے دیکھین اور اگر مین غلطی پہ ہون (حالانکہ کئی دیوان موجودہ شعرا کے میری شہادت کے لیے تیار ہین۔) تو مجھے معاف فرمائین۔

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

یعنی اسکی عبارت اشارت ادا سب بلائے جان ہین۔ گویا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا ست

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا　　پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

یعنی جب ہماری برابر کسی پر قہر و غضب نہیں کیا گیا۔ اور ہماری طرح کوئی آفت اور مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا تو یہ کیا بیجا ہے جو ہم کہتے ہیں کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

یعنی عبادت اور بندگی میں آزادی نہیں چلتی مگر ہم اس میں بھی ایسی آزادی سے کام لیتے رہے کہ اگر خانہ کعبہ کا دروازہ بند دیکھا تو وہاں سے واپس چلے آئے۔ پھر اور کسی کی تو کیا حقیقت ہے۔ عرفی اسی مضمون کو ایک دوسری طرح سے علی الرغم ظاہر کرتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

وقت عرفی خوش کہ نکشود ند چون در بر رخش　　بر درِ نکشودہ ساکن شد درِ دیگر نزد

یعنی میں وہاں گیا۔ اور اس کے گھر کا دروازہ بند دیکھ کر میں نے واپس ہونا یا کسی دوسرے دروازہ پر جانا مناسب نہ سمجھا وہیں پڑ رہا۔

اور غالب کہتے ہیں کہ میں نے اپنی وضع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا در کعبہ بند دیکھ کر واپسی مناسب سمجھی مگر اور کسی طرف کا رُخ نہیں کیا۔ یا وہاں رہ کر انتظار دروازہ کھلنے کا نہیں دیکھا۔

سب کو مقبول ہے دعوےٰ تری یکتائی کا　　روبرو کوئی بُتِ آئینہ سیما نہ ہوا

تو وہ بے نظیر ہے کہ تیری یکتائی کو کوئی نہ مٹا سکا اور کوئی آئینہ سیما معشوق تیرا مقابل پیدا نہ کر سکا۔ خاصہ ہے کہ جب آئینہ مقابل ہوتا ہے تو مد مقابل پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہاں وہ کلیہ قضیہ بھی ٹوٹ گیا (آئینہ سیما، جسمیں عکس یعنی مد مقابل ہونے کا پورا احتمال تھا وہ بھی کوئی مقابل پیدا نہ کر سکا اس شعر کو اگر وحدت وجود کے بارے میں مان لیں تو شاید کچھ بیجا نہ ہوگا یہ ایک عام مضمون ہے یا یہ کہ کوئی تیرا مقابلہ نہ کر سکا۔

کم نہین نازش ہم نامیٔ چشمِ خوبان　　　تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہوا

تیرے بیمار کی بیماری بُری نہین ہے اسلیے کہ معشوقون کی آنکھ کو بھی بیمار کہتے ہین اور یہ بھی بیمار ہے تو اس صورت سے یہ اس کا ہم نام ہوا اور ہم نامی کا فخر کچھ کم اس کے لیے مایۂ ناز نہین ہے اس شعر مین انتہائی حسرت ہے اور قائل اپنی بدترین حالت تو معشوق کی ایک چیز سے ہم نام پا کر اسی پر صبر نہین بلکہ ناز کرتا ہے۔

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا　　　خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہوا

یعنی وہ نالہ جو دل سے لب تک نہ آسکے اک داغ بنکر سینہ مین رہ جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ قطرہ کہ دریا تک نہین پہنچتا ہے خاک مین مل کر رہ جاتا ہے اور داغ کی صورت پیدا کرتا ہے ایسے ہی مضمون کو مصنف نے اک نئے رنگ سے دوسری جگہ یون بیان کیا ہے ؎

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین ابھرین پے بہ پے　　　میری آہین بخیۂ چاکِ گریبان ہوگئین

نام کا میرے ہے جو دُکھ کہ کسیکو نہ ملا　　　کام مین میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہوا

مطلب یہ ہے کہ دنیا مین ہزارون دُکھ ہین جن سے اہل دنیا ناواقف ہین اور اسی لحاظ سے اُن دکھون کی ہستی کو کوئی مسلم نہین جانتا مگر نہین بہت سے دکھ ایسے ہین کہ انکو مین جھیلتا ہون اور کوئی نہین جانتا اور بہت سے فتنہ ایسے ہین جو دنیا مین نہین اُٹھے اور دنیا ان کو نہین جانتی مگر وہ میرے کامون مین اُٹھ رہے ہین۔

ہر بُنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب　　　حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہوا

اس مین استفہام اقراری ہے یعنی عشق کا ذکر کیا جاے اور آنکھون سے جوے خون رواں نہو یہ کیسے ممکن ہے اگر ایسا ہو تو یون کہیے کہ وہ عشق کی داستان کا ہے کو ہے امیر حمزہ کی کہانی ہے۔

قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل　　　کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہوا

دجلہ ایک ندی کا نام ہے جو بغداد کے نیچے سے نکل گئی ہے اور مجازاً ہر ایک ندی کو دجلہ کہتے ہین اور یہان بھی مصنف کی مراد یہی ہے یعنی اگر دیدۂ بینا ہے تو ہر جزو مین کل اور ہر قطرہ مین دریا ضرور نظر آئے گا جیسے کہ مخلوق سے خالق اور صنعت سے صانع کا پتہ چلتا ہے اور اگر ایسا نہین ہے تو وہ دیدۂ بینا نہین ہے اس مین بھی استفہام ہے

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے	دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہوا

بڑی زبردست خبر تھی کہ غالب کو سزا دیجائے گی اور اُس کے ٹکڑے کیے جائینگے مگر افسوس کہ یہ تماشا نہوا تماشا دیکھنے ہم بھی گئے تھے اس مین معشوق کا استغنا دکھایا گیا ہے کہ قتل کا وعدہ کیا اور عاشق جانباز وہان خود گیا مگر معشوق نے یہان بھی وعدہ خلافی کی اور اس کے جان لینے مین بھی انکار رہا۔ مولانا نظم صاحب اس کی شرح یون فرماتے ہین اپنی رسوائی اور مورد تعزیر ہونے کا اظہار ہے کہ لوگ اسے تماشا سمجھے ہوے ہین مگر یہ مطلب ہماری سمجھ سے باہر ہے اب دیکھئے کہ کہنہ مشق شاعر نے ایک معمولی پامال مضمون کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ نہایت بلند خیال معلوم ہوتا ہے اگر شعر مین یہ مضمون اس صورت مین لایا جاتا کہ غالب تیرے قتل کا وعدہ کیا گیا تھا اور تو وہان گیا مگر قاتل نے قتل نہ کیا تو شعر جیسا کچھ ہوتا ظاہر ہے غرضکہ ایک رکیک خیال کو چست بندش انوکھا خیال بناکر دکھا دیتی ہے۔ ایک فارسی کا شعر اسی خیال سے لبریز ہے مگر فرق یہ ہے کہ جس صورت سے معشوق کی بے اعتنائی کو ایک پیش پا افتادہ مضمون سے شاعر نے حسن بندش کیساتھ پیش کیا ہے وہ ایک تصویر ہے جس کے دیکھنے سے آنکھین سیر نہین ہوتین۔ ملاحظہ ہو ؎

طغیان نازبین کہ جگر گوشۂ خلیق	آید بہ زیر تیغ و شہیدش نمی کند

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سروپا ہیں
کہ ہے سرپنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

اسد ہم ایک بے سروسامان مجنون فقیر ہین کہ وحشت ہم کو صحرا بصحرا لیے پھرتی ہے

اور ہمارے پاس پشت خار تک نہیں ہے جس سے اپنی کمر کھجلا لیں چونکہ ہم جنون میں دوڑے پھرتے ہیں تو ہرن ہم سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور انکا سر پنجہ مژگان ہمارے ہی پشت کو لگتا ہے اور وہی پشت خار کا کام دیتا ہے۔ معانی آفرینی کی حد ہے تو ہو مگر شعر کو جیتا ن یا بھول بھلیاں سے زیادہ نہیں کہہ سکتے اور یہ صورت محال کی حد میں ہے۔ یاد رہے کہ غالب کو غالب ان شعروں نے نہیں بنایا بلکہ مہمل گو کا خطاب لایا تھا۔ اور یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ معنی آفرینی بھی وہیں تک اچھی ہے کہ شعر لغو نہ ہو جائے۔

پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا بہ خوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

چونکہ میں باوجود کوشش ہمیشہ درگاہ کرم سے قریب نہ ہو سکا تو اب اسی شرم نارسائی نے کرم کریم کی نذر کرنے کے لیے اس دعویٰ پارسائی کو تحفہ بنایا ہے جو سو مرتبہ گناہوں کے ہاتھ سے مجروح ہوا یعنی اپنی سو بار کی ٹوٹی ہوئی توبہ کو میری شرم نارسائی درگاہ الٰہی میں معذرت کے لیے پیش کرتی ہے۔ اس شعر کو نہایت بلیغ کرکے کہا گیا ہے واقعی بات اتنی سی ہے جیسے جناب مرزا قوی صاحب فرماتے ہیں ؎

بڑا کریم ہے وہ جرم بخش ہی دے گا خدا کے سامنے سر اے قوی جھکا دینا

نہ ہو حسن تماشہ دوست رسوا بیوفائی کا
بمہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

حسن موصوف تماشہ دوست صفت یعنی حسن دوست جو تماشہ کو دوست رکھتا ہے کبھی اس سے کوئی اس کو بیوفائی کا الزام دیکر رسوا نہ کرے بلکہ اسی تماشۂ دوستی سے اس کی پارسائی کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ سو آنکھیں اور نظریں جو دیکھنے والوں کی اسیر ہیں وہ گویا سو مہریں ہیں جو اس کی پارسائی پر دال ہیں اس میں اگر طنز کا پہلو نکالا جائے تو وہ کچھ اچھا نہیں۔

زکات حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

اے جلوۂ بینش زکوٰۃ حسن ادا کر کہ تیری زکوٰۃ لیکر فقیر کا کاسۂ گدائی ایسا چراغ بنجائے

جو آفتاب کا مقابلہ کرے چراغ جلنے سے مراد گھر کی رونق ہے یعنی تو جو اُس کے کاسہ مین اپنے حسن کی زکوٰۃ دے گا۔ تو وہ کاسہ اُس کے گھر کا چراغ اور اُس کے گھر کی رونق بنجائے گا۔ ظاہر ہے کہ فقیر اگر بھیک لیکر گھر جاتا ہے تو اس کے گھر چراغ جلتا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جو یہان نہایت بلاغت سے ادا ہو گیا ہے۔ جلوہ بنیش کو دیکھتے ہوے خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاسۂ گدائی کا استعارہ آنکھون سے کیا گیا ہے جس سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ اے جلوہ بنیش تو میری آنکھون کو اپنا جلوہ دکھا کر روشن کر دے۔ خانہ استعارہ ہے دل سے یعنی اگر تیرا جلوہ آنکھون مین سما جاے تو میرا دل اُس نور سے منور ہو جائے۔ نظم صاحب فرماتے ہین کہ کاسۂ گدائی دل سے استعارہ ہے کہتے ہین کہ اے جلوہ گاہ بنیش میرے کشکول دل کو زکاۃ عرفان دیکر روشن کر دے کہ اس فقیر کے لیے وہ چراغ ہدایت ہو جائے اور آفتاب کی طرح شب تار جہالت کو دن کر دے مگر میرے نزدیک آنکھون کا استعارہ کاسۂ گدائی سے اکثر کیا گیا ہے جیسے آتش کہتے ہین ؎

آنکھین نہین ہین چہرے پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہین بھیک کے دیدار کیلئے

میر تقی میر علیہ الرحمہ ؎

کاسۂ چشم لے کے جون نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

تو نے محض بے جرمی کی وجہ سے مجھے قتل نہ کیا اور خیال کیا کہ یہ بیگنہ ہے اس کا خون کون اپنی گردن پر لے۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ جیسے بیگناہ کا خون گردن پر رہے گا اسی طرح آشنائی کا حق گردن پر رہ جائے گا۔ اس شعر مین نہایت ہی نازک خیالی دکھائی ہے جو غالب کا حصہ اور اُن کی شاعری کا جوہر خاص ہے ایک شعر مین معشوق کو دوست بنا کر اس طرح اُسے قتل کی ترغیب دی ہے ؎

دوست ہو کر دیکھتے ہو تشنہ کامیِ فراق
تم پلاتے کیون نہین تلوار کا پانی مجھے

تمنائے زبان محو سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضہ شکوۂ بیدست و پائی کا

میری زبان کی تمنا بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے جس کے سبب سے بیدست و پائی

کے شکوہ کا تقاضہ مٹ گیا یعنی بیدست و پائی کا شکوہ بار بار میری زبان پر تقاضہ کرتا تھا کہ مجھے بیان کر۔ مگر اب اُس نے مجھے بے زبان دیکھ کر شکایت چھوڑ دی اور وہ تقاضہ نہیں کرتا اور میری زبان کی جان بچ گئی اسی سبب سے زبان بے زبانی کے شکریہ مین محو ہے۔

وہی اک بات ہے جو یان نفس وان نکہت گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا

میری نفس اور نکہت گل کی اصل ایک جگہ اور ایک سبب سے ہے فرق یہ ہے کہ میرے یہان اُس کا نام نفس یعنی شعر ہے اور چمن مین نکہت گل اُس کا نام ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ اُدہر بہار آئی اور اس کی بو پھیلی ادہر میری غزل گوئی شروع ہوئی مصنف نے بہت صاف الفاظ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے ؎

ہے نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دہان ہر بُت پیغارہ جو زنجیر رسوائی
عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

تیرے جور و جفا و ظلم کا ہر ایک حسین کے منہ مین شکوہ ہے اور ہر ایک حسین کا دہن گویا ایک حلقہ ہے اور بہت سے حلقون سے زنجیر بنتی ہے تو اس طرح گویا ایک زنجیر رسوائی بنگئی ہے جو تیری نیکنامی کے پاؤن مین پڑگئی ہے۔ دوسرے مصرع مین مصنف اپنے خیال کو اور ترقی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ معشوق کے منہ کو معدوم خیال کیا ہے اور تیرا شکوہ ہر ایک معشوق کے دہن مین ہے تو لازم آیا کہ تیری بیوفائی کا چرچا عدم تک ہے۔

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہون عرض ستمہائے جدائی کا

اے غالب نامہ کو اتنا طول نہ دے۔ ایک مختصر سی یہ بات لکھدے کہ میرے دل مین حسرت ہے کہ مین تیرے سامنے جدائی کے ظلمون کی شکایتین بیان کرون۔ ایک جگہ اسی مضمون کو اس سے اچھے پیرایہ مین صاف الفاظ مین یون فرماتے ہین ؎

مرے دل مین ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے اُس سے جو مین یہ بھی کہون وہ بھی

گر نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائیگا　　بے تکلف داغ مہ مہر دہان ہو جائیگا

اگر رنج شب جدائی بیان نہو گا تو سمجھ لیجئے کہ داغ ماہ کی میرے منہ پر مہر لگ گئی ہے
ظاہر آ کوئی لطیف معنی اس شعر سے مستخرج نہیں ہوتے۔

زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر مین ہوتا ہے آب　　پرتو مہتاب سیل خانمان ہو جائیگا

اگر شب جدائی مین ایسا ہی پتہ پانی ہوتا ہے تو یہ چاندنی میرے خانمان میرے
گھر کے لیے سیلاب ہو جائے گی یعنی ممکن ہے کہ جیسے میرا زہرہ آب ہو گیا ہے چاندنی کا
بھی زہرہ آب ہو اور وہ میرے گھر کے لیے سیلاب کا کام دے۔ یا یہ کہ شب ہجر کی ہیبت
ایک بارونق اور باعث تسکین شے کو بھی میری بربادی کا باعث ثابت کرے اور یہ
تباہی کی اور معین اور مددگار ثابت ہو۔

لے تو لون سوتے مین اسکے پاؤن کا بوسہ مگر　　ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا

میری محبت بالکل بے غرضانہ ہے اور مین اسے اُس کی آنکھون مین پاک اور بے لوث
ثابت کرنا چاہتا ہون اگرچہ حالت خواب مین مجھے بوسہ کا اختیار باقی ہے مگر اُس کی
بدگمانی کا خیال مانع آتا ہے۔

دلکو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا　　یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائیگا

ہم سمجھے تھے کہ ہم اپنے دل کو وفا کر کے تباہ اور برباد اور صرف کرینگے مگر اس نے امتحان
ہی مین اُس کا خاتمہ کر دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎
وان گئے بھی ہم تو اُن کی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہو گئین

سب کے دل مین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا　　مجھپہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائیگا

ہر ایک کے دل مین تیری جگہ ہے اگر صرف تو مجھ سے راضی ہو گیا تو سارا زمانہ مجھ سے

راضی ہوجائے گا یہ شعر تصوف کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے اور مصنف نے اس مین اس مثال اور محاورہ کی وجہ وجیہ بیان کی ہے کہ خدا مہربان تو سب مہربان یعنی تیری مہربانی سے سب کے مہربان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تو سب کے دل مین ہے اور تاراضی ہونا محض دل پر موقوف ہی تو جب تیرا تمام عالم کے دل پر قبضہ ہے تو اُن کے تمام افعال و حرکات پر بھی قبضہ ہے ؎

سائین انکھیان پھیریان تو بیری ملک جہان
تک اک جھولا مہر کا تو لاکھون کرین سلام

نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط — شعلہ خس مین جیسے خون رگ مین نہان ہوجائیگا

اگر تیری نظر گرم یعنی نظر عتاب اسی طرح ضبط کی تعلیم دیتی رہی۔ جیسے کہ مجکو دیتی ہے تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ شعلہ خس و خاشاک مین اس طرح چھپ جائے گا جیسے خون رگون مین۔ حاصل یہ ہے کہ تیرا عشق تیرا غم ایک شعلہ ہے اور میرا دل خس سے مشابہ ہے محض تیری نگاہ گرم کی تعلیم ضبط سے مین اس کو دل مین چھپائے ہوئے ہون۔ نگاہ گرم سے مراد نگاہ عتاب ہی ایک جگہ فرماتے ہین ؎

لینا پرنیان کا شعلۂ آتش مین آسان ہے — مگر مشکل ہی حکمت دل مین سوز غم چھپانے کی

ایک جگہ اسی ضبط کے مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

یون تو ضبط کے مضامین غالب کا حصہ ہین مگر قابل غور یہ بات ہے کہ ایک قادر الکلام شاعر کس کس طرح ایک ہی مضمون کو نئے ڈھنگ سے ظاہر کرتا ہے۔

باغ مین مجکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر — ہر گلِ تر ایک چشم خونفشان ہوجائیگا

یعنی میرا حال ایسا زبون ہے اور مین ایسا واجب الرحم ہون کہ اگر تو مجھے باغ مین لیجائیگا تو ہر پھول میرے حال کو دیکھکر روے گا۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ مجکو باغ مین نہ لیجا۔

وائے گر میرا ترا انصاف محشر مین نہو — ابتلک تو یہ توقع ہی کہ وان ہوجائیگا

اگر میرا تیرا انصاف حشر میں بھی نہو تو بڑا افسوس ہے ابتک تو اس امید پر خوش ہوں کہ وہاں انصاف ہوجائے گا۔ ذوق مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے   مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

یہ وہ شعر ہے کہ مرزا غالب اس کو پڑھ کے سر دھنتے تھے ایک نہایت شوخ مضمون جناب شمس لکھنوی کا ایسے ہی مضمون کا ہے بہت ہی خوب فرمایا ہے ؎

بروز حشر شہیدوں کو ہی بڑا دعوےٰ   مزا تو ہے جو نہ ثابت ہو جرم قاتل پر

اس کی سادگی و شوخی حد تحسین سے باہر ہے۔

قائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ   دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

اسد تو بھی خود ہوشیار آدمی ہے خیال کر کہ کیا فائدہ ہے جو تو ناداں سے دوستی کرتا ہے مشہور مثل ہے کہ ناداں کی دوستی جی کا زیان۔

درد منت کشِ دوا نہوا   میں نہ اچھا ہوا برا نہوا

میرا نہ اچھا ہونا برا نہیں ہے اچھا ہے کہ اگر اچھا ہوجاتا تو میرے درد پر دوا کا احسان ہوتا اور کسی کا احسان میری غیور طبیعت کو پسند نہیں ہے۔ ایک جگہ احسان کے بارکشی یوں مذمت فرماتے ہیں ؎

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم   اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے

ایک جگہ یہ فرماتے ہیں ؎

نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم   کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

سعدی فرماتے ہیں ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است   رفتن بہ پائمردیٔ ہمسایہ در بہشت

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو   اک تماشہ ہوا گلا نہ ہوا

میں تم سے گلا کرتا ہوں تو تم رقیبوں کو کیوں جمع کرتی ہو میرا گلا گلہ نہوا بلکہ ایک تماشہ ہوگیا۔ اگرچہ قاعدہ ہے کہ چار آدمیوں کو جمع کرکے کسی بات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں مگر

مصنف کا رشک اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ رشک کے مضامین غالب کے یہاں نہایت ہی عمدہ عمدہ طریقہ سے نظم ہیں جن کا جواب نہیں ہے مثلاً ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

اپنی گلی میں مجکو نہ کر دفن بعد قتل
میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

وغیرہ وغیرہ۔ ایک میرا شعر ہے ؎

کرتے ہیں شب وصل وہ دشمن کی بُرائی
میں کہتا ہوں آخر وہ تمہیں آہی گیا یاد

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

ہم اب اپنے مقدر کی کہاں آزمایش کرنے جائیں جب تو نے ہی ہماری گردن پر اپنے خنجر کو نہ آزمایا یعنی ہماری خوش قسمتی اسی پر موقوف ہے کہ تو ہمکو قتل کر دے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرے لب بہت شیریں ہیں کہ رقیب کی گستاخیوں پر تو نے اُسے گالیاں بھی دیں مگر وہ اُن سے بیمزا یعنی ناراض نہوا۔ شیریں۔ اور کھانا۔ مزا وغیرہ مناسب الفاظ ہیں جو نہایت خوبی سے جمع ہو گئے ہیں۔ اور آورد سے پاک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک الفاظ مناسب کا جمع کرنا حسن شاعری ہے اور اس سے بڑھ کر عیب ہو جاتا ہے اور اس کا ذکر ہی فضول ہے جیسے کوئی صاحب فرماتے ہیں ؎

مرغ دل کو توڑے ہے بلی ترے دروازہ کی
زخت تن کو کاٹے ہے چوہا تمھاری ناک کا

لاحول ولا قوۃ۔ نواب مصطفےٰ خان کے یہاں ایک شعر اسی مضمون کا ہے جو نہایت بلاغت سے کہا گیا ہے ؎

دشمن ہیں دشنام بھی ہے طالب بوسہ
محو اثر لذت دشنام نہ ہو گا

یعنی دشمن بعد گالیوں کے بھی بوسہ کی تمنا کرتا ہے کیوں نہ کرے آخر لذت دشنام کا اس پر کچھ اثر ہو گا یا ہو گا کیونکہ گالیاں تیرے شیریں لب سے نکلی ہیں اور وہ شیریں ہیں اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ چھیڑ کر اور بھی گالیاں کھائے یا کمبخت دشمن محو اثر لذت دشنام نہوا۔ وہ بوالہوس ہے

ورنہ تیری گالیان بوسہ سے کچھ کم ہین یایون سمجھ لیجئے کہ ؎
غصہ مین ترے ہم نے عجب لطف اٹھایا   ابتو عمداً اور بھی تقصیر کرین گے

ہے خبر گرم اُنکے آنے کی   آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

اُن کے آنے کی بڑی گرم خبر ہے مگر آج ہی میری بے سروسامانی رنگ لائی ہے کہ اور دن خیر بوریا تو ہوتا تھا آج بوریا بھی نداردہے - اگرچہ مضمون رکیک ہے لیکن حسن بیان نے چمکا دیا ہے مطلب یہ کہ سب دن چنگی تیوہار کے دن ننگی -

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی   بندگی مین مرا بھلا نہوا

یہ شعر غالب کے مغلق شعرون مین سے ہے جس کی شرح جناب نظم صاحب نے ان دو الفاظ مین فرمائی ہے (وہ) اشارہ ہے غرور حسن کی طرف فقط حالانکہ اس مین قلب ماہیت کا الزام عاید ہوتا ہے کیونکہ حسن مذکر اور خدائی مونث ہے یعنی حسن نمرود کی خدائی تھی - مگر مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب مین اس شعر کے معنی یہ لکھے ہین یعنی میری بندگی کیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجکو سوا نقصان کے فائدہ نہ پہونچا میرے نزدیک یہ معنی ہین کہ خدا جس کی مین نے عبادت کی کیا وہ نمرود تھا اور کیا اُس کی خدائی نمرود کی خدائی تھی کہ میرا بھلا نہ ہوا -

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہی کہ حق ادا نہ ہوا

مین نے جان آفرین کو اپنی جان دیدی - مگر کیا ہرج ہے یہ اُسی کی دی ہوئی تھی میری چیز نہ تھی سچ بات تو یہ ہے کہ مجھ سے کچھ حق ادا نہوا -

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما   کام گر رک گیا روا نہوا

اگر ہمارا زخم دب گیا تب بہی لہو بدستور جاری رہا - کام اگر رک گیا مراد ہے وہی زخم کے دبنے سے - تب بہی میری حاجت روائی نہین ہوئی - یعنی لہو نہ تھما - تھنبا متروک ہے تھما مستعمل ہی حسرت صاحب نے اس کی یہ شرح فرمائی ہے - کام جب رُک جاتا ہی تو روا نہین ہوتا - اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہئے تھا کہ لہو بھی رواں نہوتا لیکن

یہان ایسا نہین ہوا اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہو۔ خیال میرا اور اُن کا قریب قریب یکسان ہے لیکن شرح الفاظ مین فرق ہے۔

رہزنی ہو کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلربا روانہ ہوا

روانہ قافیہ معمولہ ہے۔ اسے متقدمین نے عیوب شعر مین شمار کیا تھا۔ لیکن فصحائے متاخرین اُس کو حسن شعر سمجھتے ہین مگر بقول جناب نظم صاحب شعر قافیہ معمولہ سے سست ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ انداز رہزنی ہے یا طریق دلستانی ہے کہ معشوق دل لیکر روانہ ہو گیا دیکھئے قافیہ نے شعر کو بالکل بھدا کر دیا ہے۔

یہ کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہین — آج غالب غزل سرا نہ ہوا

یہ غزل شاید بیش طرح پڑھی گئی ہو۔ اور دوسرے مصرع مین شاید طرح سے مراد ہو۔

گلہ ہو شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا — گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اس کو میری تنگدلی کی شکایت ہو یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا کا اضطراب سما گیا۔ مرزا نے تنگدلی کی اکثر شکایت کی ہے۔ ایک آدھ شعر ہم بھی لکھ چکے ہین۔ اور آئندہ لکھیں گے۔ مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر صاحب بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے۔ صفائی وغیرہ وہان بھی نہین ہے مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہون ؎

دل آسودۂ ما شور امکان در نظر دارد — گہر دیدہ است انجاز بان موج دریا را

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اسمین ایک عالم کا شور سمایا ہوا ہے۔ گویا موتی مین دریا بھر کا اضطراب ہو۔

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب — مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

یعنی مین جانتا ہون کہ تو اور میرے خط کا جواب لکھے یہ امر غیر ممکن ہے۔ مگر میری خامہ فرسائی کا ذوق کب مانتا ہے۔ خوامخواہ لکھنا پڑتا ہے۔ اور رات دن بیٹھا ہوا

خط لکھا کرتا ہون - ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون　　مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین

ایک شعر میر حسن صاحب مرحوم کا بالکل اسی مضمون کا ہے ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہین لکھنے کا وہ　　پر تقاضۂ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

حنائے پائے خزان ہے بہار اگر ہے بھی　　دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

اول تو بہار کا وجود ہی دنیا مین نہین ہے اور اگر ہے بھی تو وہ خزان کے پاؤن کی مہندی ہے یعنی خزاں کی زیب و زینت کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ ہستی دنیا عدم کے لیے ہے - بوجہ رنگینی کے بہار کو حنا کہا گیا ہے - دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ عیش دنیا فانی ہے اور کلفت خاطر دائم اور باقی ہے - دوسری شرحون مین کہا گیا ہے کہ بہار اگر ہے بھی تو وہ مہندی کی لالی ہے چار دن مین جاتی رہے گی پھر خزاں ہی کا قدم درمیان رہیگا - میرا ایک شعر ہے - آسی

بہار باغ جہان مین خزان کا عالم ہے　　شگفتہ ہونا ہے غنچہ کا ٹوٹنا دل کا

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو　　مجھے دماغ نہین خندہ ہائے بیجا کا

مین فراق کے غم مین مبتلا ہون ہمدمو مجکو سیر باغ کی تکلیف نہ دو مجھے پھولون کی بیجا ہنسی اچھی نہین معلوم ہوتی - ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے　　کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

ہنوز محرمیٔ حسن کو ترستا ہون　　کرے ہے ہر بُنِ مو کام چشم بینا کا

اگرچہ نظارۂ حسن مین میرا ہر بن مو چشم بینا کا کام کر رہا ہے مگر ابتک حسن کی محرمی حاصل نہین ہے یعنی کنہ ذات تک رسائی نہین ہے - ہر بن مو کو چشم بینا اس وجہ سے کہا ہے کہ جب ہر شی آئینہ ظہور قدرت ہے تو بن مو بھی اسی مین داخل ہے جیسے کہ ایک جگہ حمد کے موقعہ پر علامہ فیضی لکھتے ہین کہ ؎

دو ہر بن مو کہ ہے نہی کوشش　　فوارۂ فیض اوست در جوشش

دل اُس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے　　ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا

ہم نے اپنا دل پہلے ہی بے مانگے اُس کی ناز و ادا کے حوالہ کر دیا۔ ہمیں حسن کے تقاضہ کی برداشت ہی نہیں ہے واضح ہو کہ حسُن اور چیز ہے اور ناز و ادا اور چیز ہے۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ادا و ناز حسن کو ہم دل نہ دیتے تو حسن ہم سے دل لینے کا تقاضہ کرتا۔ مگر ہم نے اسے گوارا نہیں کیا اور حسن کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ ناز و ادا حسن کا تقاضہ ہے جب مطلب میرا اور اُن کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدار حسرتِ دل ہے　　مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

اے ہمدم یہ نہ کہہ کہ میں اتنا ہی روتا ہوں جتنی میرے دل میں حسرت ہے۔ اپنے دل کی حسرت اور اپنے آنسوؤں کا مجھے اندازہ ہے یعنی یہ کہ مجھے اور زیادہ رونا چاہئے حسرت کو رونے کی وجہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور وجہ گریہ بھی۔ دریا دل سے استعارہ ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُسکو یاد اسدؔ　　جفا میں اُسکی ہے انداز کارفرما کا

یعنی جب آسمان کو دیکھتا ہوں تو مجکو وہ یاد آجاتا ہے جس نے اُسے جفائیں سکھائی ہیں اور جو بانیٔ جور و جفا ہے۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی　　فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا　　خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

گرفتگی و بستگی و تنگی و ضبط نفس حیرت کے لوازم ہیں اور جب ہر قطرہ میں حیرت کے سبب سے یہ صفات پیدا ہوئے تو وہ موتی بن گیا۔ اور پیالہ میں جو لکیر تھی وہ عقد مروارید ہو گئی۔ اس بیان سے فقط حیرت کی شگرف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن یہ مضمون کہ یہ حیرت حسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوئی مصنف کے ذہن میں

رہ گیا۔ شرح نظم صاحب۔

جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بہ فرط حیرت منجمد ہو گئے اور گوہر بنگئے اور خط جام رشتۂ گوہر کی مانند ہو گیا۔ شرح حسرت صاحب

پہلی شرح مین بالکل بعید از قیاس معنی پہنا کر مصنف کو۔ المضمون فی بطن الشاعر کا الزام دیا ہے اور کئی اک الفاظ بیکار چھوڑ دیے۔ دوسری شرح مین بھی وہ باتین ہین جنکا ثبوت الفاظ شعر سے نہین ملتا میرا خیال یہ ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے۔ قطرۂ مے کا کام حیران کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرور۔ اور روح پرور ہے خط جام مے کو اُس کی روح پروری نے رشتۂ گوہر بنا دیا ہے۔ اس سے فقط مدح شراب مقصود ہے۔

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا   غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھپر ہوا

میرے عشق کا جو اس کو اعتبار ہو گیا ہے اُس نے مجکو تباہ کر دیا۔ کیونکہ آہ غیر نے کی مگر چونکہ اُسکو میرے عشق کا اعتبار تہا اُسنے سمجھا کہ مین نے آہ کی ہے اور اسی لیے مجھپر وہ خفا ہوا اور اس طرح سے کوئی کرے اور کوئی بھرے والا مضمون ہو گیا۔

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا   تپش شوق نے ہر ذرہ پر اک دل باندھا

جب اُس نے سفر کا ارادہ کیا اور محمل باندھا۔ تو میرا دل نہایت بیقرار ہوا اور محمل کے ہر ذرہ۔ یا عام ذرہ ذرہ پر شوق نے ایک دل باندھ دیا اور محمل کے ساتھ بھیجدیا۔ یعنی ذرّات محمل میرے دل طپان سے تھے۔ ذرہ کی چمک اور دل کی تپش کا عالم یکسان ہے مطلب یہ ہے کہ اُس کی محمل کے ساتھ ہی دل تپاں بھی رخصت ہوا اور سہ

نہ گر یار جائے گا تو اپنا ہے سفر پہلے

پر عمل کیا۔

اہل بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخی ناز   جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

دیکھنے والون نے حیرت کدۂ شوخی ناز مین جوہر آئینہ کو طوطی بسمل قرار دیا ہے یعنی آئینہ یار کے جوہرون کی سبزی جو متحرک معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت بعض رُخ سے دکھائی دیجاتی ہے

وہ گویا طوطی ہے جسے ناز کی شوخی نے نسبمل کردیا ہی اور وہ تڑپ رہی ہی۔ جوہر کی حرکت اور کبھی کسی رُخ سے دکھائی دینا کبھی کسی رُخ سے دکھائی دینا۔ طوطی نسبمل کے ساتھ وجہ شبہ ہی۔ آئینہ کا کام حیران کرنا ہی۔ تو آئینہ کا گھر یعنی پشت آئینہ گویا حیرت کدہ ہی جہاں وہ طوطی نسبمل تپاں ہی یہ حیرت بیتاب ہے جون طاؤس نسبمل مین بھی یہی تشبیہ ہی۔

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا　　عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

ہمت کی عاجزی نے سایل کے دل کو ایک طلسم بنا دیا ہے جسمین امید و بیم لڑ رہی ہین اور ہر ایک غالب ہونا چاہتا ہے۔ حاصل یہ ہی کہ سوال کرنا بہت بڑا ہے اور یہ کم ہمتوں کا کام ہی جس سے دل طلسم بیم و امید بنجاتا ہے۔ میرا ایک صاف سا شعر ہے اگرچہ اس مین دوسرا پہلو ہے۔ آسی ؎

بلائے جان ہوئی دل کو منت تاثیر　　جسے کوئی نہ سنے اُس صدا کا کیا کہنا

نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب　　گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

مین اپنے تشنگی کے ذوق کے مضمون کو ادا نہین کرسکا۔ اگرچہ دریا کو بھی ساحل قرار دیدیا یعنی میرے ذوق مین وہ تشنگی ہی کہ اُس نے دریا کو بھی ساحل بنا دیا۔ مین یہ بھی کہہ چکا۔ مگر یہ بھی کم ہے اب بھی اپنی تشنگی ذوق و شوق کی حالت کما حقہ بیان نہین کرسکا۔

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤں　　گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بڑا افسوس ہی بڑا تعجب ہی کہ مین بزم مے سے یون پیاسا چلا آؤں تھوڑی دیر کے لئے مان لیجیے کہ مین نے توبہ کرلی تھی اس لیے ساقی سے سوال نہ کیا۔ مگر ساقی نے خود مجکو کیون نہ پلا دی۔ اس قسم کے مضمون کے دو شعر شیخ علی حزین کے یہان بھی ہین جو درج ہین ؎

چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم　　پیش ابر کرم پیر مغان اینہمہ نیست

ما گر فسردہ ایم صبا را چہ میشود　　رہ گم نکردہ بوئے گلے تا دماغ ما

ہی ایک تیر جسمین دونون چھدے پڑے ہین　　وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

مجھے کسی کا ایک شعر یاد آتا ہے۔ اسی کو اس کی شرح سمجھ لیجئے یا معنی یا سرقہ یا نقل۔

اب ہیں اک تیر میں سفتہ جگر و دل دونوں ۔۔۔ گئے وہ دن کہ تھا بیمار سے بیمار جدا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں ۔۔۔ جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

یعنی عاجزی اور درماندگی میں اگر کوئی تدبیر ہو سکے تو جب جانوں ورنہ جب ضرورت نہ تھی تو سب تدبیریں خیال میں آتی تھیں مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اچھے ہوشیار بیوقوف بنجاتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے ع

جب آنکھ تھی بند دیکھتے تھے سب کچھ ۔۔۔ جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا ۔۔۔ بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا گھر رونے سے ویران ہو گیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ گھر جہاں اب دریا ہے اگر دریا نہ ہوتا تو ویران ہوتا۔ غرضکہ ہر حالت میں ویران ضرور رہتا۔ ایک جگہ کہتے ہیں غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے ۔۔۔ خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

تنگی دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے ۔۔۔ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

میں تنگی دل کی کیا شکایت کروں۔ اگر میرا دل تنگ نہ ہوتا۔ تو اس کی شگفتگی اور واشدگی پریشانی کے درجہ پر پہونچ جاتی۔ یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے جیسا پہلا شعر ہے کہ۔

عاشق کو الغرض ہے مصیبت ہی ہر طرح ۔۔۔ ہو وہ سبک جو تیری نظر میں گراں نہ ہو

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے ۔۔۔ کاش رضواں ہی در یار کا درباں ہوتا

اس سے دربار کی دربان کی سنگدلی کا اظہار مقصود ہے کہتا ہے کہ وہ ایسا سنگدل ہے کہ تمام عمر ہم عشق یار میں مبتلا رہے۔ مگر وہ ہم کو اس کے گھر میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ کاش بجائے اس کے رضواں اس گھر کا دربان ہوتا کہ عمر بھر عبادت کرتے تو اس بہشت میں ہمیں داخل تو ہونے دیتا۔ مگر یہاں تو ہنوز روز اول کا مضمون ہے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۔ ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ شعر مذاق تصوف میں کہا گیا ہے یعنی صوفیہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ سب اُس سے یا آئیں ہیں تو اس میں سے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ لا یتجزی ہے بلکہ سب اُس سے ہیں۔ اور وہ سب سے پہلے بھی تھا اور بعد کو بھی رہے گا۔ کیونکہ صنعت سے صانع کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صنعت کے نہ ہونے سے صانع کی ہستی میں فرق نہیں آسکتا وہ بدستور رہیگی۔ اس لیے مصنف کہتا ہے کہ جب کوئی مخلوق نہ تھی تب بھی خالق موجود تھا۔ اور اگر کچھ نہ ہوتا تب بھی خالق ہوتا۔ کیونکہ لاشے سے شے ہو نہیں سکتی پہلے نہ تھا تو بعد کو کہاں سے آیا۔ مگر مجھکو میری ہستی نے ڈبو دیا اور کھو دیا۔ یعنی عین ذات یا اپنے مبدء سے علٰحدہ کر دیا۔ کاش میں نہ ہوتا۔ تو کیا بگڑ جاتا۔ صرف اس ہستی نے مجھے جدا کر دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

ما ہما عین خودیم اما خود از وہم دوئی ۔ درمیاں ماو غالبؔ ما و غالبؔ حایل ست

حکیم ہمام کہتے ہیں کہ فنا کے بعد پھر اپنے مبدء سے مل جائینگے فرماتے ہیں ؎

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام ۔ آنہم امید کہ روزے ز میاں برخیزد

ہوا جب غم سے یوں بےحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا ۔ نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

جب غم نے اس کو بےحس کر دیا تھا تو اب میرا سر جو کٹ گیا ہے اُس کے کٹنے کا کیا غم ہو نہ کٹتا تو وہی بدستور زانو پر رکھا ہوتا۔

ہوئی مدت کہ غالبؔ مر گیا پر یاد آتا ہے ۔ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

غالبؔ کو مرے ہوئے مدت ہوگئی مگر اب بھی اس کی بحث و تحقیر کی عادت یاد آتی ہے

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۔ یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

باغ کا ایک ذرہ زمین بھی بیکار نہیں ہے یہاں تک کہ یہاں جادہ بھی چراغ لالہ کی بتی ہے داغ کو چراغ کے ساتھ اکثر استعارہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مفہوم

پیدا ہوتا ہے کہ روشوں کی پٹریوں نے باغ کی رونق کو اور چار چاند لگا رکھے ہیں یعنی جادہ باعث فروغ چراغ لالہ ہے اگر داغ کو چراغ نہ مانا جائے اور داغ بھی مانا جائے تو فتیلہ سے مراد وہ بتی ہوگی جو زخم میں رکھتے ہیں تیسرے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ کثرت نشو ونمائے لالہ اسقدر ہے کہ جادہ رگ گل لالہ بن گیا یعنی وہ بالکل پھولوں میں چھپ گیا ہے۔

بلبل کی کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل　　کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

بلبل کے حال پر پھول ہنس رہے ہیں کیونکہ عشق کو اطبا نے خلل دماغ کہا ہے یا یہ کہ عشق کی کسی کی نظروں میں وقعت نہیں ہے ؎

کون سنتا ہے زمانہ میں کسی کا درد دکھ　　نالۂ بلبل پہ گل بھی خندہ زن ثابت ہوا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے　　تریاکی قدیم ہوں دود چراغ کا

کچھ نشۂ فکر سخن سے میں ابھی سرشار نہیں ہوا ہوں بلکہ ہمیشہ چراغ کے دھوئیں کی افیون کھاتا رہا ہوں یعنی میں نے ہمیشہ راتوں کو فکر سخن میں صرف کیا ہے ؎

دود چراغ خوردہ شب اور دہ ام بروز　　معذورم ار نماندہ دماغ مرا تری

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے　　پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

یہ نہیں ہے کہ ہم قید عشق سے کبھی آزاد ہی نہیں ہوے مگر ہمارا دل ہی فراغت کا دشمن ہے وہ آپ گرفتار ہوتا ہے اور اس کو گرفتاری کا شوق ہے پھر ایسی حالت میں ؎

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم　　آپ اٹھالاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی　　کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

بے شراب کے آشوب ہوشیاری کے برداشت کرنے کی کسے طاقت ہے اسی لیے میرے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کھینچکر صفحۂ دل پر سے اُسے کاٹ دیا خط کھینچ دینے کے بجائے خط ایاغ کھینچ دینا ایک لطیف معنی رکھتا ہے یعنی اُس کے مقابلہ پر اس کو ترجیح دی اور حسن خیر

کی وجہ سے ترجیح دی اسی کے خطاسے آشوب آگہی کورد اور باطل کیا یعنی ہوشیاری کے مقابلہ پر میں نے بیہوشی کو اچھا سمجھا دنیا میں بے عقل اور بیہوش بنکر رہنے کو شعرا اچھا جانتے ہیں۔ خود غالب فرماتے ہیں کہ ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

حالی فرماتے ہیں ؎

بی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت — فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

دیوانہ باش تاغم تو دیگراں خورند

بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار — یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

نشہ بھی آنکھوں میں ہوتا ہے نظر بھی آنکھ میں ہوتی ہے مصنف کہتا ہے کہ خون دل کے بغیر مجھے اپنی موج نگاہ یعنی نظر غبار معلوم ہوتی ہے جو باعث تکلیف ہے۔ خون دل کو شراب سمجھا ہے اور آنکھ کو میکدہ قرار دیا ہے یعنی یہ میکدہ تلاش شراب میں خراب ہو رہا ہے۔ مے وہی خون دل ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ بغیر مے کے اس میکدہ میں خاک اڑ رہی ہے۔

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل — ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل ہے تو ابر بہار کس کے دماغ کے لئے خمکدہ ہو وہ بھی تیرے ہی لیے ہے دوسرے یہ معنی ہیں کہ میرے سرور دل کا مایہ بساط جو کچھ ہو وہ تیرے حسن کا ہرا بھرا شگفتہ باغ ہے۔ ابر بہار سے مستی کا دماغ میرے دماغ کو نہیں ہے۔

وہ مری چین جبیں سے غم پنہاں سمجھا — راز مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا

میری چین جبین سے اس نے میرے غم نہاں کو معلوم کر لیا اور خط کے بے ربط مضمون کو عنوان کی خرابی سے سمجھ گیا۔ چین جبین کی تشبیہ عنوان سے نہایت بدیع ہے

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز　　　چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

جب سے کہ میں نے اپنے آئینہ (یعنی دل کو) گریبان سمجھا ہے اسی وقت سے اسکے چاک کرنے میں مصروف ہوں۔ گویا جبھی سے اس آئینہ پر صیقل کر رہا ہوں مگر ابتک یہ پورے طریقہ سے صاف نہیں ہوا۔ یا یہ گریبان اتنا پھٹا ہے کہ ایک الف کا نشان بن گیا ہے آزاد قلندر وضع لوگ اپنے سینہ پر ایک الف کا نشان کھینچ لیا کرتے ہیں یعنی صفائی دل خاطر خواہ حاصل نہیں ہوئی۔ بیش نہیں فارسی کی زبان ہے۔ اردو میں اتنا کچھ اچھا نہیں ہے غالب نے ایک جگہ اور انہیں الفاظ کا دوسرے مضمون میں اعادہ کیا ہے فرماتے ہیں ؎

دور کن نقش دوئی از ورق سینۂ ما　　　اے نگاہت الف صیقل آئینۂ ما

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ　　　اسقدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

میری گرفتگی دل کی شرح نہ پوچھ مختصر یہ ہے کہ میرا دل غموں سے اس قدر تنگ ہو گیا کہ میں اپنے دل کو قید خانہ سمجھتا ہوں۔ اور قید خانہ بھی ایسا تنگ قید خانہ کہ جس کی شرح (جس کے معنی کھلنے کے ہیں) بھی نہیں ہو سکتی۔ یا لفظ شرح کی بھی اس میں گنجایش نہیں۔ اور یہ سب علایق دنیوی کے سبب سے ایسا ہوا۔ مرزا یاس عظیم آبادی نے جو غالب کے طرز بیان اور وقت پسندی کے سخت ترین مخالف ہیں۔ اور جنھوں نے مرزا کی زبان کو دیوزاد کی زبان کہا ہے اپنی صاف زبان میں یوں اس کی شرح کی ہے ؎

زندگی کشمکش رنج و محن میں گذری　　　چار دیوار عناصر کو میں زندان سمجھا

حالانکہ مرزا غالب کے یہاں زنداں سمجھنے کے مناسب الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً گرفتاری تنگی وغیرہ۔ مگر یہاں یہ کچھ نہیں ہے صرف چار دیوار ہے جس سے زنداں کے ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے مگر ہم اس بات کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ غالب کے الفاظ وخیال کو خوب بدل دیا ہے۔

بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام　　　رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

میری بدگمانی نے اس کا چلنا پھرنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ چلتے وقت جو اُس کے رُخ پر

پسینہ آیا تو پسینہ کے قطروں کو میں نے رقیب کی حیران آنکھیں سمجھیں یعنی میں سمجھا کہ وہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ قطرۂ عرق میں فک اضافت ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میرا معشوق اتنا بدگمان ہے کہ سرگرم خرام بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ چلتے وقت جو شرم۔ یا حرکت سے اس کو پسینہ آتا ہے اس پسینہ کے قطرہ قطرہ کو وہ دیدۂ حیران عاشق جانتا ہے۔

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا　　نبض خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا

میں نے اپنے عجز ہمت سے یہ سمجھ لیا کہ وہ بدمزاج ہے۔ گویا تنکے کی نبض دیکھی اور شعلہ کا حال معلوم کر لیا یعنی ہمت خود کرنے کی کچھ نہیں تھی اور الزام اس کو دیا۔ نبض خس سے اپنی عجز ہمت اور شعلہ سوزاں سے اس کی بدخوئی کا استعارہ کیا ہے۔

سفر عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی　　ہر قدم سایہ کو میں اپنا شبستاں سمجھا

عشق کے سفر مین میرے ضعف نے راحت طلبی کا پہلو اختیار کیا اور ہر قدم سایہ کو مین نے سمجھا کہ یہی میرا گھر ہے۔ اور یہی میری منزل ہے اور اس صورت مین مجھے ہر قدم پر ٹھہرنا پڑا۔ قاعدہ ہے کہ راہ مین جب مسافر تھک جاتا ہے تو اس کو آرام کی تلاش ہوتی ہے۔ ایک شعر اسی مضمون کا غالباً مرزا داغ مرحوم نے فرمایا ہے ؎

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے　　بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

تھا گریزاں مژہ یار سے دل تا دم مرگ　　دفع پیکان قضا اسقدر آساں سمجھا

میرا دل مرتے وقت تک اُس کے مژہ سے گریز کرتا رہا۔ حالانکہ مژۂ یار پیکان قضا تھا جس کا روکنا اور دفع کرنا غیر ممکن تھا۔ مگر اس بے وقوف نے اس کا دفع کرنا ایسا آسان سمجھا اور آخر نہ بچ سکا۔ یہ تا دم مرگ سے پتہ چلتا ہے۔

دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار اسدؔ　　غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

اس کو وفادار سمجھ کر دل اس کو کیوں دیا۔ اسدؔ یہ تمھاری بھی غلطی ہے کہ تم نے ایک کافر کو مسلمان سمجھا۔ میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظم صاحب نے علاوہ گزاشتہ

بہت سے شعروں کے اس شعر میں بھی جان اور دل کے لفظ سے مرزا مرحوم پر ضلع جگت کا الزام لگایا ہے میں کہتا ہوں کیا ایسے ہی مناسب الفاظ کہ جن کی نشست اس خوبی سے واقع ہوئی ہے ضلع جگت سمجھے جاتے ہیں۔ یوں کافر اور مسلمان کا لفظ بھی اس میں موجود ہے۔ اگر ایسا ہی خیال کیا جاوے تو شاید کوئی صاف سے صاف شعر بھی اس سے خالی نہو گا ؎

کشتۂ دل خویشم کہ اے ستمگراں یک سر   دید دلفریبہا الفت مہربانیہا

اس میں ایک لفظ حشو قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا   دل جگر تشنۂ فریاد آیا

میرے دل اور جگر کو پھر فریاد کی تشنگی پیدا ہوئی اور اس تقریب سے پھر دیدۂ تر یاد آگیا کہ یہ تشنگی رونے ہی سے بجھے گی۔ آیا دوسرے مصرعہ کا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہے۔ اردو میں ہوا اس کے بجائے بولیں گے۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز   پھر ترا وقت سفر یاد آیا

ہنوز قیامت یعنی میرے اضطراب کو تسکین نہیں ہوئی تھی کہ تیرا وقت سفر یاد آگیا اور قیامت میں قیامت برپا ہوگئی۔ داغ ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا   پڑگئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

سادگیہائے تمنا یعنے   پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

میری آرزوئیں کتنی سادی ہیں کہ اُسی نیرنگ نظر کو جسنے مجھے تباہ کر دیا یاد کرتی ہیں میرا شعر ہے ؎

ہمیں تو دیکھئے جسنے کیا ہے ہم کو تباہ   تباہ ہو کے بھی ہم اس نظر کو دیکھتے ہیں

دوسرے معنی نیرنگ سے یہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیرنگ جادو۔ اور افسوں وغیرہ کو کہتے ہیں تو اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میری سادہ تمنائیں خیال کرتی ہیں کہ شاید وہ نیرنگ نظر ہمارا کچھ کام بنا دے گا۔ اُن کی سادہ لوحی اس سے ظاہر ہے کہ انکو اس نیرنگ کا علم بھی ہے مگر پھر بھی وہی خواہش بیجا ہے۔

عذر واماندگی اے حسرتِ دل　　نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

اے حسرت دل تیرے تقاضہ پر چاہتا تھا کہ نالہ کرون مگر مجھے اس وقت اپنا جگر خستہ یاد آگیا۔ اس لیے مین نے فریاد نہ کی پہلے مصرعہ مین قبول کر۔ اور دوسرے مصرعہ مین کہ محذوف ہی۔

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی　　کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

ہماری زندگی یون بھی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی ہے تیرا راہ گذر فضول یاد آیا کہ اسکو یاد کرکے مین مرگیا مرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب ہم اس رہ گذر پر گذر نہین سکتے اور کبھی رات دن اس رستہ کو روندا کرتے تھے حسرت صاحب یہ شرح لکھتے ہین کہ جب کامگاری ممکن ہی نہین ہے تو تیرا رہگذر بیکار ہی یاد آتا ہے یعنی جب وہان بھی بحالت ناکامی بسر ہوگی تو اس کا یاد آنا عبث ہی یون بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی۔

نظم صاحب فرماتے ہیں تیرا رہگذر یاد آنے سے میری زندگی گذر گئی اور یہ بات اچھی ہوئی کہ مین زندگی سے بیزار تھا لیکن اُس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ وقلق ہوا کہ کاشکہ نہ یاد آیا ہوتا تو زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی۔

ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہم کو زندگی بار تھی اور تیرا رہگذر یاد آیا جہان جاکر ہمارا مرجانا مسلم ہی یوں بھی کسی نہ کسی طرح مر ہی جاتے جب مرنا کسی نہ کسی صورت ضرور ہے تو یہان اور وہان برابر ہے اُس کا یاد آنا عبث ہے ؎

وفا کیسی کہان کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا　　تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیون ہو

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی　　گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

داروغہ بہشت رضوان سے میری لڑائی ہوگی اور بڑی لڑائی ہوگی اگر تیرا گھر مجکو بہشت مین یاد آیا۔ کیونکہ مین بہشت پر تیرے گھر کو ترجیح دیتا ہون۔ یا یہ کہ مین بمقابلہ بہشت کے تیرے گھر کو ترجیح دون گا۔ اور وہ مجھ پر خفا ہوگا یا رضوان بہشت مین جب تیرا گھر نہ دے سکیگا تو مین لڑون گا۔ و شعر اور اسی قبیل کے مرزا نے فرمائے ہین ؎

کرتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

آہ وہ جرأت فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

دل میں جو پہلے فریاد کی جرأت تھی وہ اب کہاں ہے۔ اسی لیے میں دل سے تنگ ہو گیا اور اب اپنا جگر یاد آتا ہے جس میں فریاد کی طاقت زیادہ تھی۔

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دل گم گشتہ مگر یاد آیا

میرا خیال پھر تری گلی میں چلا ہے شاید دل گم گشتہ کے ڈھونڈھنے کو جاتا ہے اور اس کا گم ہونا اور وہاں کسی جگہ رہ جانا اس کو یاد آتا ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جس جنگل میں وحشت میں میں جا نکلا ہوں وہ بہت ہی ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر اپنا گھر یاد آ رہا ہے کہ وہ بھی ویرانی میں اس سے مشابہ ہے یا یہ کہ اس جنگل کی ویرانی دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گھر لوٹ چلیں۔

مومن مرحوم کہتے ہیں کہ

جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یعنی ہم وہ آشفتہ سر تھے کہ کبھی اپنے سر دیا کا ہوش نہیں رہا اور یہ حالت کچھ آج نہیں بلکہ بچپن میں بھی ایسے ہی تھے انتہا یہ ہے کہ شوخی سے ہم نے مجنوں کے سر میں مارنے کو جب پتھر اٹھایا ہے تب اپنا سر یاد آیا اور پھر وہ پتھر اپنے ہی سر میں مار لیا۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

اس شعر مین وہ جامع الفاظ ہین جن سے اس قدر عبارت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ یعنے معشوق کچھ دیر مین عاشق کے پاس پہونچا ہے اور عاشق اس سے دیر مین آنے کی شکایت کرتا ہے اور معشوق کہتا ہے کہ ہان تاخیر ہوئی جس کے جواب مین عاشق پھر کہتا ہے کہ تاخیر ہوئی تو کچھ تاخیر کا سبب بھی تھا یا بلا وجہ تاخیر ہوئی۔ پھر وہ جواب دیتا ہے کہ ہم آرہے تھے اسپر عاشق پھر کہتا ہے کہ آتو رہے تھے مگر اس تاخیر سے جو باوجود عزم مصمم کے آپ کے آنے مین ہوئی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آپ کو روک بھی رہا تھا اور روکنے والا سوا اس کے جس سے آپ کی بے تکلفی ہو کوئی نہین ہو سکتا ۔ سراج لکھنوی

مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کر تاخیر کی

تمسے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ — اسمیں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

صرف تم ہی میری تباہی کے باعث نہیں ہو بلکہ اس مین میری تقدیر بھی شامل ہے گویا ۔ غالب ۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین — تیرے سوا بھی ہمپہ بہت سے ستم ہوے
یہ شعر بہت اچھا ہے اس مین حد عشق اور ادب حسن کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ تبلادوں — کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

مصنف نے عجب انداز سے اپنی یاد دلائی ہے کہتا ہے کہ مین وہ ہون جسے کبھی شکار کر کے تو نے اپنی فتراک مین باندھا تھا۔ ایک میرا شعر ہے ؎

یاد کر یا دمیں وہ ہون جسے بھولا ہے تو — ابتو پہچان کے اے وعدہ فراموش مجھے

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد — ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

اس شعر پر مرزا یاس نے ایک مرتبہ ان الفاظ سے اعتراض کیا تھا اک رنج گرانباری تھا مگر کچھ اک رنج کے کیا معنی کچھ بھی اور اک بھی یہی استادی اور قادر الکلامی ہے اس کا جواب یون دیا گیا ہے کہ یہان لفظ کچھ اور ایک پر اعتراض ہے کہ دونون ایک ہی معنی

بتا رہے ہین اور اس طرح یکجائی استعمال مین کوئی ایک ضرور حشو ہوگا لیکن اگر عالیجاہ کو شعر کا مطلب سمجھنے اور باریکیون پر خیال کرنے کی عادت ہوتی تو یہ اعتراض نہ سوجھتا شاعر کہتا ہے قید کی حالت مین تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہے اور ہان اک گرانباری زنجیر کا اور بھی رنج تھا مگر زیادہ نہین کچھ یونہی سا اب دیکھئے تو دونون لفظ ہم معنی نہین رہے اور شعر مین ایک خوبی پیدا ہو گئی جو بلا اجتماع کے ممکن نہین تھی۔ از گلدستۂ خیال فروری ۲۶ء

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا — بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یہ کیا کہ آپ جلوہ دکھا کر آنکھوں کے آگے سے اوجھل ہو گئے مین صرف دیدار ہی کا مشتاق نہ تھا بلکہ میرے لب تقریر کے بھی تشنہ تھے لہذا چاہیے تھا کہ آپ کچھ بات بھی کرتے اس ایک جھلک دکھانے سے تو صرف ایک بجلی سی آنکھون کے آگے کوند گئی جسنے اور آنکھون کو خیرہ کر دیا اور کچھ نتیجہ نہوا۔

یوسف اسکو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی — گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

اُس کا حسن یوسف کے حسن سے زیادہ ہے۔ مین اُس کو یوسف کہوں اور وہ کچھ نہ کہے بس یہ سمجھو کہ یہ خیریت ہوئی۔ ورنہ اگر اس بات پر وہ خفا ہو جائے تو بجا ہے اور مجکو سزا دے تو درست ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے کہ مجھے غلام بنایا۔ تو اسپر اس کا غصہ درست ہے میرا شعر ہے ؎

وہ یون ہی اک تو سوا دل نام سے یوسف کے چڑھتے ہین
اور اک تم ہو کہ یوسف کہہ کے ثانی اور کہتے ہو

دیکھکر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا — نالہ کرتا تھا و لے طالب تاثیر بھی تھا

غیر کو دیکھ کر میرا دل کیون نہ ٹھنڈا ہو کہ مین نے اُس کو روتے دیکھا اور ساتھ ہی اپنے دعا کے اثر کا طالب تھا۔ تو اس سے میرا جی خوش ہوا کہ اُس کی نالہ و آہ بھی بے اثر ہے اور تو اُس سے بھی ناراض ہے ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشان گذشتی — گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

پیشہ میں عیب نہیں رکھیئے نہ فرہاد کو نام — ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جوانمیر بھی تھا

جاہلانہ مثل مشہور ہے کہ پیشہ حبیب اللہ اسی بارہ مین مصنف کہتا ہے کہ فرہاد کا پیشہ کوہکنی وغیرہ تہا۔ اور عاشقوں میں کوئی پیشہ ہونا اک عیب ہے مگر ہم کہتے ہین کہ فرہاد کے لئے پیشہ کوئی عیب نہین تھا کیونکہ کوہکنی جو اس کا پیشہ تھا وہ محض معشوق کے انقیاد اور فرمانبرداری کے لئے تھا ورنہ وہ بھی ایک ہم ہی جیسا آشفتہ سر تھا۔ اگرچہ بجائے ہم ہی کے ہمین لکھنا صحیح ہے مگر اس جگہ ہم ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جوانمیر وہ جو جوان مرجائے۔

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی — آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

ہم مرنے کو کھڑے ہی تھے یار تلوار لیکر ہمارے پاس نہین آیا تھا نہ سہی آخر اُس کے پاس کوئی تیر تو تہا دور ہی سے کھینچ کر مارتا اور ہمارا کام تمام کر دیتا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق — آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

محض ظرافت کی راہ سے یہ شعر لکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ جو کراماً کاتبین نے لکھ دیا بس وہ پتھر کی لکیر ہو گئی آخر جب اُنھوں نے لکھا تو اُس وقت کوئی ہمارا آدمی بھی تھا۔ کیونکہ ہر معاملہ فریقین کے سامنے طے ہوتا ہے اور جب ہی کوئی دستاویز وغیرہ لکھی جاتی ہے۔

ریختی کے تمھیں اُستاد نہیں ہو غالب — کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

ریختی۔ ریختہ اردو کی شاعری کو کہتے ہیں یعنی غالب اردو کی شاعری کے کچھ تنہا تم ہی استاد نہین ہو پہلے زمانہ مین کوئی استاد میر بھی تہا۔ میر سے میر تقی مراد ہیں۔ ایک جگہ اور بھی کہتے ہین ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

لب خشک در تشنگی مردگاں کا — زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

مین اُن لوگون کا جو پیاس مین مر گئے ہین لب خشک ہون اور مین وہ محروم رنجیدہ

دل ہون کہ دل آزردون کا زیارت گاہ ہون ۔

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی — مین دل ہون فریبِ وفا خوردگان کا

مین اُن لوگون کا دل ہون جنہون نے وفا کا فریب کھایا ہے اور آخر مین اُن کے ارمان مایوسیون سے بدلے ہین اسی طرح مین بھی سراسر بدگمانی اور یاس بنا ہوا ہون اور گویا انھین کا دل ہون ؎

سر بسر یاس ہون مین اور ہمہ حرماں ہون مین — شاید اپنے دل مایوس کا ارماں ہون مین

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہوا تھا — اورون پہ ہے وہ ظلم جو مجھپر نہوا تھا

اے ستمگر تو کسی کا بھی دوست نہوا تھا اورون (یعنی غیرون) پہ تو نے وہ ظلم کئے ہین جو مجھپر بھی نہین کیے ۔ یا یون سمجھ لیجئے کہ مین مطمئن تھا کہ تو اورون پہ ظلم نہین کرتا ۔ اور یہ ظلم سب میرے ہی لیے ہین مگر یہ خیال بھی غلط نکلا ۔ بہت سے نئے ظلم ۔ یا بڑے ظلم تو نے مجھپر نہین کیے اور غیرون پر کیے اور مجھے محروم رکھا ۔ اسی بنا پر یہ شکایت کی گئی ہے ۔ جیسے کہ داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کھانے کے لئے — وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے

مرزا یاس نے اعتراض کیا ہے کہ اس شعر کی ردیف بیکار ہے اور اس کا جواب یون دیا گیا ہے کہ ہے کی جگہ ہے اکثر نسخون مین دیکھا گیا ہے ۔ اس صورت مین ردیف بیکار نہین رہتی مگر ہمارے نزدیک ہے صحیح نہیں ہے بھی صحیح ہے اور ردیف بیکار نہین ہے ۔ کیونکہ شاعر کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ راز مجھپر اب کھلا ہے کہ پہلے مین تجھے سمجھا ہوا تھا کہ تو اورون کا دوست ہے مگر نہیں تو کبھی کسیکا بھی دوست نہین ہوا تھا ۔

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قضا نے — خورشید ہنوز اسکے برابر نہوا تھا

ماہ نخشب ایک چاند تھا جسے حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقنع نے سیماب وغیرہ سے بنایا تھا یہ چاند ایک کنوین سے نکلا کرتا تھا اور اس کی روشنی چار فرسنگ تک ہوتی تھی ۔ پھر بھی وہ اصلی چاند کے مقابلہ مین بالکل ماند تھا ۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے کہ

خورشید ہنوز میرے مہر انور میرے معشوق کے حسن وجمال کے برابر نہین ہوا تھا اور اُسکے مقابلہ مین اُس مین ابھی روشنی پیدا نہوئی تھی کہ بست قدرت نے اس کو ناقص چھوڑ دیا

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے　　　آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہوا تھا

جس کی جتنی ہمت ہے اتنی ہی توفیق الٰہی اسکی مدد کرتی ہے دیکھ لیجئے کہ جو قطرہ گوہر بننے کو پسند نہین کرتا وہ آنکھون مین رہتا ہے۔ ورنہ اگر موتی ہوتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کانون تک یا تاج شاہی تک پہونچتا ہے۔

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں　　　یعنی سبق شوق مکرر نہوا تھا

مین بیوقوف یار کی رنجیدگی سے خوش ہون کہ میرا عشق مکرر نہوا تھا یعنی لڑائی ہو کر صلح نہین ہوئی اور وہ دشتین اور وہ محبتین نئے سر سے تازہ نہین ہوئین اور یہ بھی میری سادگی ہے کہ رنجیدگی ہی سے خوش ہون۔ داغ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

جبتک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم　　　مین معتقد فتنۂ محشر نہوا تھا

قیامت کو قامت سے اکثر تشبیہ دیتے ہیں اور یہ مضمون پامال ہے کہتا ہے کہ جبتک قد یار مین نے نہ دیکھا تھا اُس وقت تک مجھے قیامت کا اعتقاد نہین ہوا تھا۔ ایک جگہ یون فرمایا ہے ؎

ترے سرو قامت سے اِک قد آدم　　　قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہین

امیر اور داغ مرحوم کے مشہور مطلع انھین مضامین مین کہے گئے ہیں۔

امیر　سایہ مین اُک بلند قامت کے
فتنہ سب سو گئے قیامت کے

داغ　عشق مین اِک بلند قامت کے　　　ہم گلے مِل گئے قیامت کے

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　　میرا سر دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

اس مین اپنے کثرت معاصی کا اظہار مقصود ہے کہ گناہ کا دریا خشک ہو گیا اور میرے دامن کا ایک کونا بھی نہ بھیگا تھا یعنی جتنی معاصی تھے اُن سب کا ارتکاب مین کر چکا اور ابھی میرے دل کی ایک ذرا سی بھی حسرت نہین نکلی۔ آزاد مرحوم لکھتے ہین کہ استاد ذوق مرحوم شعر مذکور بہت پسند کرتے تھے۔

جاری تھی اسدؔ داغ جگر سے مری تحصیل　　آتشکدہ جاگیر سمندر نہوا تھا

جیسی کہ داغ جگر سے میری تحصیل جاری ہی یعنی اُس کی بدولت گرم نالہ و آہ کرتا ہوا اسی طرح آتشکدہ سے بھی سمندر کو فائدہ نہوا تھا۔ یا جب سے آتشکدہ داغ سے میری تحصیل جاری ہے کہ آتشکدہ مین سمندر کا وجود بھی نہوا تھا ؎

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اُس زمانہ سے　　کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا　　رشتہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

وہ موصوف۔ خلوت فروز کسوت ناموس صفت۔ رات کہ وہ خلوت فروز مجلس ناموس محفل مین تہا تو فانوس کے لئے شمع کا ہر ایک رشتہ خار لباس بنا ہوا تھا یعنی شمع سے اس کو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ شرمندہ تھا۔

مشہد عاشق سے کوسون تک جو اُگتی ہے حنا　　کسقدر یارب ہلاک حسرت پابوس تھا

جس جگہ عاشق شہید ہوا تھا۔ وہان کوسون تک جو مہندی اُگتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے دل مین تیرے قدم چومنے کی حسرت تھی اور بہت حسرت تھی۔ جو مرنے کے بعد بعد بھی نہین گئی اور اس کی خاک سے حنا اُگتی ہے کہ شاید اسی بہانے پابوسی نصیب ہو یہ مضمون مختلف طریقون سے باندھا گیا ہے شاید آتش مرحوم کا شعر ہے۔

بجائے سبزہ کنگھی اُگ رہی ہے میرے مدفن پر

یا خود غالب مرحوم ایک جگہ فارسی مین فرماتے ہین ؎

لالہ و گل دمد از طرف مزارش پس مرگ　　تا چہا در دل غالب ہوس روے تو بود

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو　　دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تہا

محبت کا حاصل سوائے آرزوؤن کے خون ہونے کے ہم نے کچھ نہین دیکھا۔ دو ٹوٹے ہوے دل گویا لب افسوس تھے یہ تشبیہ بدیع ہے جس کا اُردو کے شاعرون کے یہان ملنا دشوار ہے۔

کیا کہون بیماری غم کی فراغت کا بیاں　　جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

مین بیماری غم کی فراغت کا کیا بیان کرون۔ اُس نے مجھے بہت سے جھگڑون سے آزاد کر دیا کیونکہ غذا جب ہضم ہوتی ہے تو اس کو کیلوس کہتے ہین پھر جو اُس سے خلاصہ حاصل ہوتا ہی وہ جگر مین ہضم ہوتا ہے اُس کو کیموس کہتے ہیں مگر خون کھانے مین کبھی کیلوس اور کیموس کا جھگڑا پیش نہین آتا ہمیشہ خون دل کھاتا ہون اور وہ ہضم ہو جاتا ہے۔ کیا کرون کی جگہ کیا کہون لکھا گیا ہے اس مین شاید مصنف نے کچھ مصلحت رکھی ہو ورنہ اردو کا محاورہ بیان کرنا ہے نہ کہ بیان کہنا۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے　　صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

آپ ہم کو طعنے دیکر کہتے تھے کہ ہم تو کسی پر عاشق نہو جائین ہمین تو کسی کا حسن فریفتہ نکرے مگر یہ باتین جبھی تک تھین جبتک آئینہ نہ دیکھا تھا اب جو آئینہ دیکھا اور اُس مین اپنا حسن لاثانی نظر آیا تو اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور عاشق ہونا ہی پڑا۔ اسمین معشوق کے حسن کا کمال ظاہر کیا ہی وہ ایسا حسین ہے کہ آپ بھی اپنے پر عاشق ہو گیا۔

قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے　　اُسکی خطا نہین ہی یہ میرا قصور تھا

اس سے یہ دونون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ غریب قاصد کو میرا پیغام پہونچانے پر آپ کیون قتل کرتے ہین یہ اُس نے از خود نہ پہونچایا تھا بلکہ ساری میری خطا تھی۔ کہ مین نے اُسکو بھیجا تھا مجھی کو قتل کیجئے۔ دوسرے یہ کہ عاشق بوجہ رشک کے یہ نہین دیکھ سکتا کہ معشوق اپنے ہاتھ سے کسی اور کو قتل بھی کرے اس لیے وہ اُس کو بچا رہا ہے کہ میری خطا ہی اُس کی خطا نہین مجھی کو قتل کیجئے یا دوسرے کا قصور بھی اپنے سر رکھے لیتا ہے گردن زدن فارسی کا محاورہ ہی اور گردن مارنا اُس کا ترجمہ ہے اور یہی اردو کا بھی محاورہ ہو گیا ہے

اگر اس جگہ یہ کہدیا جاے کہ گردن نہ کاٹئے تو کیسا بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے فارسی کے محاورات ترجمہ ہو کر بجنسہ اردو کے محاورے ہو گئے ہین۔

عرض نیاز عشق کے قابل نہین رہا — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

عرض ظاہر کرنا۔ نیاز عاجزی یعنی مین اس قابل نہین رہا کہ عشق کے عجز و نیاز کو ظاہر کرون کیونکہ یہ سب کچھ دل کی بدولت تھا کہ دل عشق کا مسکن تھا مگر وہ عشق کے صدمہ اٹھاتے اٹھاتے مٹ گیا اور اس طرح میری مایۂ ناز چیز میرے ہاتھ سے جاتی رہی اسی زمین مین میرا مطلع ہے ۔

روتا ہون یون کہ شوق بھرا دل نہین رہا — یعنی مین تیرے ظلم کے قابل نہین رہا

مومن مرحوم نے بھی بہ تبدیل قافیہ اس زمین مین مطلع خوب کہا ہے ؎

دل قابل محبت جانان نہین رہا — وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیان نہین رہا

جاتا ہون داغ حسرت ہستی لیے ہوے — ہون شمع کشتہ درخور محفل نہین رہا

مین حسرت ہستی کا ایک داغ اپنے ساتھ لیے جاتا ہون گویا مین ایک بجھی ہوئی شمع ہون جو محفل کے قابل نہین ہی۔ اسمین مصنف نے دو تین ایسی نازک باتین بیان کی ہین جو بے مثل ہین ہستی کا استعارہ محفل سے کیا ہی مرنیوالا بھی جب مرتا ہے تو اس کے دل مین بھی حسرت زندگی کا داغ ہوتا جو اپنے ساتھ لیجاتا ہے ۔ اور شمع کو بھی شعرا بُرہ داغ کہتے ہین جب وہ بجھتی ہے تو وہ داغ اپنے ساتھ لیجاتی ہے شمع کشتہ کو بھی اٹھا دیا جاتا ہی اور مردہ بھی اٹھا دیا جاتا ہی مردہ بھی کوئی فائدہ بزم ہستی کو نہین پہونچاتا اور شمع کشتہ بھی کسی فائدہ کے پہونچانے کے قابل نہین رہتی۔ ایسے شعرون پر اردو کی شاعری جس قدر ناز کرے کم ہی مرزا ثاقب لکھنوی کا ایک شعر ہے جس مین وہ غالب کے اس شعر کے تمام مطلب کو اگرچہ بیان نہین کر سکے مگر شعر کے اچھے ہونے مین شبہ نہین ہے ؎

ٹھہری نہ کوئی شے بھی جب ساتھ جانے والی — ہستی کی انجمن سے اک داغ لیچلا مین

ایک میرا شعر ہے ؎

لیچلا باغ جہان سے گل داغ ہستی — پئے یاران عدم مل گئی سوغات مجھے

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین — شایان دست و بازوئے قاتل نہین رہا

میرے نزدیک تو مصنف اس مین صرف اپنی گرانجانی کا اظہار کرتا ہو اور دست و بازوئے قاتل جس سے نزاکت دست و باز و مراد ہو اس کی تائید کے لیے الفاظ موجود ہین مگر نظم صاحب نے اس کی یہ شرح لکھی ہو کہ میرا حال ایسا غیر ہوا ہو کہ وہ مجھے صید نہون سمجھتا ہو یہ معنی بھی بعید از قیاس نہین ہین اس مضمون کو ایک جگہ نظیری یا فیضی کہتا ہے ع

آن شکارم من کہ ہم لایق بہ کشتن نیستم — شرم می آید مرا زانکس کہ صیاد من است

بروے شش جہت در آئینہ باز ہے — یان امتیاز ناقص و کامل نہین رہا

بروے بمقابل شش جہت سے مراد دنیا۔ مجازاً کیونکہ دنیا کی چھ طرفین ہین زیر بالا مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب یعنی دنیا کے مقابلہ پر ہر طرف آئینہ خانہ کھلا ہوا ہو اور اس سے ناقص و کامل سب حیران ہین یعنی اسرار قدرت کے سمجھنے مین عقلمند اور بیوقوف حیران ہین ۔ غالب

ہر ذرہ محو جلوۂ حسن یگانہ ایست — گوئے طلسم شش جہت آئینہ خانہ ایست

وا کر دیے ہین شوق نے بند نقاب حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا

میرے جذب چشم شوق نے حسن کو بالکل بے پردہ کر دیا ہے اور میرے اور اس کے درمیان مین اب کوئی حجاب حائل نہین ہو۔ اگر ہے تو صرف نگاہ ہو جس سے مین اسکو دیکھ رہا ہون۔ نگاہ کو اس لیے حائل کہا ہو کہ وہ اس کے جمال جہان آرا کو دیکھ نہین سکتی سعدی ح

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام — آنہم امید کہ روزے زمیان برخیزد

مرزا قوی لکھنوی۔

اب دور کیا ہین جلوۂ جانان کی لذتین — اک پردہ رہ گیا ہے تو وہ بھی نگاہ کا

دل سے ہوا کشت وفا مٹ گئی کہ وان — حاصل سوائے حسرت حاصل نہین رہا

میرے دل سے وفا کرنے کی خواہش مٹ گئی کیونکہ وہان یعنی معشوق کی سرکار مین سوائے اس کے نتیجہ کی حسرت کے اور کچھ وفا کا حاصل نہین ہی یعنی حسرت حاصل تھا ہی

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد ۔۔۔ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

اسد مین عشق کے ظلم سے نہین ڈرتا مگر افسوس یہ ہی کہ جس دل سے عشق کے ناز اٹھاتا اور ظلم سہتا تھا اب وہ مٹ گیا۔ غالباً مصنف نے پہلے یہی مصرع کہا ہی اور اسی کی وجہ سے تمام غزل لکھی ہی پہلے مصرع مین مگر بمعنی شاید لیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ شاید مین دل کی وجہ سے بیداد سے ڈرتا تھا اب دل ہی نہین پھر خوف کیسا۔

رشک کہتا ہی کہ اسکا غیر سے اخلاص حیف ۔۔۔ عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کسکا آشنا

میرا رشک کہتا ہی کہ افسوس اس کو غیر سے محبت ہی اور عقل کہتی ہی کہ وہ بیوفا کسکا آشنا ہی وہ جیسے تیرے ساتھ بیوفائیان کرتا ہی اسی طرح دوسرون کیساتھ کرتا ہوگا۔

ذرّہ ذرّہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے ۔۔۔ گردشِ مجنوں بہ چشمکہائے لیلا آشنا

دنیا کا ذرّہ ذرّہ بوقلمونی اور دگرگونی کے میخانہ کا ایک ساغر ہی جو انسان کو حیران و بیخود بنا دیتا ہی دیکھئے جو گردش مجنون کے لیے گردش یعنی تکلیف دہ ہی وہی گردش لیلیٰ کی آنکھون مین بھلی معلوم ہوتی ہی اور انکو پیاری ہی۔ آسی

عالم کا ہر ذرہ جو گردش و انقلاب مین مبتلا ہی یہ نیرنگ فلک کے اشارہ سے ہے۔ یہان لفظ ساغر سے معنی گردش نے تراوش کی اور اسی حالت سے نیرنگ کو میخانہ سے تعبیر کیا ہے اس کے بعد بر سبیل تمثیل کہتے ہین کہ مجنون کی گردش لیلیٰ ہی کے اشارہ سے ہے۔ از شرح نظم صاحب۔

جس طرح گردش مجنون چشم لیلےٰ کے اشارہ کی پابند تھی اسی طرح دنیا مین ذرّہ ذرّہ نیرنگی عالم کا تابعدار ہی حسرت۔

مین یہ نہین سمجھا ہون کہ تابعداری اور پابندی وغیرہ کے معنی کس لفظ سے مترشح ہوتے ہین۔

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

عاجزوں کے نازش کا سامان پیدا کرنے والا شوق ہے ذرہ کو شوق صحرا بنا دیتا ہے اور قطرہ کو دریا کر دیتا ہے یعنی شوق ذرہ کو صحرا اور قطرہ کو دریا سے ملا دیتا ہے اور صحرا و دریا سے مل کر وہ خود اس لقب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

میں ہوں اور میرا دل ہے جو سلامتی اور عافیت کا دشمن ہے اور آوارگی کا دوست ہے آفت کا ٹکڑا محاورہ ہے۔

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہئے میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شکایت نہ کرنا چاہئے تیرا رفیق آئینہ ہے یعنی اپنے بناؤ سنگار کی وجہ سے اس کو دیکھتا ہے اور میرا رفیق زانو ہے یعنی میں ہمیشہ فکر سے سر بزانو رہتا ہوں آئینہ کو زانو سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا دونوں برابر ہیں۔

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

کوہکن عاشق صادق نہ تھا بس ایک شیریں کی تصویر کا نقاش تھا ورنہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ پتھر سے سر مارے اور آشنا پیدا نہ ہو۔ ایک جگہ کوہکن پر اور بھی آوازہ کسا ہے جو گزر چکا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

یا

عشق و مزدوریٔ عشرت گہِ خسرو کیا خوب ہم کو تسلیم نکو نامیٔ فرہاد نہیں

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

ہمارا رازداں ہمارا رقیب ہو گیا۔ کہ ہمارے معشوق کا ذکر اپنی زبان سے کرتا ہے یعنی ہم کو اتنا رشک ہے کہ اسکا ذکر اور اسکا نام کسی اور کی زبان سے سننا نہیں چاہتے یا یہ کہ من حبّ شیئاً فاکثر ذکرہ۔ میرؔ

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

رشک سے یا تیرے نام کے اثر سے۔

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر مین یارب　　آج ہی ہوا منظور اُنکو امتحان اپنا

اگر ان کی غیر سے بے تکلفی نہوتی تو وہ دُشمن کی بزم مین اتنی شراب کیوں پیتے اگر یہ خیال کروں کہ انھوں نے اپنا امتحان کیا ہوگا کہ دیکھوں مین کتنی شراب پی سکتا ہوں تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہی اُنکو اپنا امتحان کیوں منظور ہوا کبھی میرے یہاں تو اتنی شراب نہ پی بس معلوم ہوا کہ یہ سب میری بدقسمتی ہے اور کچھ نہین۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے　　عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکان اپنا

ہمارا مکان عرش پر ہے جس سے ہم اُس کی پورے طریقہ سے ماہیت نہین معلوم کر سکتے اور اس کو دیکھ نہین سکتے جیسے کہ آنکھ خود کو نہین دیکھ سکتی اس لیے کیا اچھا ہوتا اگر ہمارا مکان عرش سے ادہر ہوتا۔ کہ کسی بلندی کو ہم منظر بناتے اور اُس کی سیر کرتے مگر اب تو اُس سے اونچی کوئی جگہ ہی نہین کہ اُس سے ہم منظر بنائین اور یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی کنہ سے بے خبر ہین۔

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالینگے　　بارے آشنا نکلا اُنکا پاسبان اپنا

اچھا ہوا کہ اُنکا دربان ہمارا دوست نکلا اب وہ جسقدر ہم کو ذلیل کرے گا ہم اُس کو مذاق مین ٹالین گے اور دنیا کی نظروں مین سُبک نہوں گے اور کہتے رہین گے کہ ہمارا ان کا ہمیشہ سے مذاق ہوتا ہے۔

دردِ دل لکھوں کبتک جاؤں انکو دکھلادوں　　انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

میرا دردِ دل ایسا نہین ہے کہ اُس کو لکھ سکوں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ جا کر اُنھین اپنی زخمی انگلیاں اور خامۂ خونچکاں دکھا دوں کہ لکھتے لکھتے میری یہ حالت ہو گئی اور کچھ نہین لکھ سکا ابھی ایک دفتر باقی ہے۔ یا یہ کہ اُن سے کہوں کہ مین اپنا دردِ دل کیونکر لکھوں کہ میری انگلیاں اور میرا قلم میری دردانگیز داستان لکھنے سے موثر ہو کر خونچکاں ہو گئین۔

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا　　ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستان اپنا

آپ نے اس شرم سے کہ مجھ سے بدنصیب نے اُس پر سجدے کیے ہین اپنا سنگ آستان بدل دیا ناحق بدلا وہ پتھر میرے سجدہ کرتے کرتے خود گھس جاتا - ایک جگہ یون فرماتے ہین ؏

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا　　ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

تا کرے نہ غمازی کرلیا ہے دشمن کو　　دوست کی شکایت مین ہم نے ہمزبان اپنا

یعنی دشمن بھی دوست کی شکایت مین ہمارا ہمزبان ہے اور یہ ہماری چالاکی ہے کہ ہم نے اُس کو ملا لیا ہے اب یہ ہماری شکایت اُس سے نہین کرسکتا کہ وہ تجھے بُرا کہ رہا تھا -

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے　　بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسمان اپنا

آسمان ہنرمندون کا دشمن ہوتا ہے مگر ہم ایسے کہان کے عقلمند اور ہنرور تھے کہ آسمان ہمارا دشمن ہوگیا - غالباً ہم سے اُس کی یہ دشمنی بے وجہ اور بے سبب ہے - مولانا عرفی فرماتے ہین کہ ؏

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن　　با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

سرمۂ مفت نظر ہون مری قیمت یہ ہے　　کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

مین وہ سرمہ ہون جس کی قیمت اگر ہے تو یہ ہے کہ خریدار کی آنکھ پر میرا احسان رہے سرمۂ مفت نظر کی طرف اضافت تشبیہی ہے اور ایسی اضافت کو اضافت مجازی بھی کہتے ہین - اس شعر مین غالباً اپنے کلام کی طرف اشارہ ہے جس کا فیض عام ہے -

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم　　تیرے چہرے سے عیان ہو غم پنہان میرا

مجھے رونے کی اجازت دے ایسا نہو کہ میرے اس ضبط کا اثر تیرے دل پر بھی پڑے اور میرا غم تیرے چہرے سے ظاہر ہونے لگے - کیونکہ میرے دل کو تیرے دل سے تعلق مخفی ہے میرے مکرم اُستاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق کا ایک شعر ہے جس مین نہایت صفائی سے

ساتھ عاشق و معشوق کے تعلق باہمی کو عجیب طریقہ سے بیان کیا ہے ؎

مری گواہی کو محشر میں آپ تو آئے تری نظر سے ٹپکتا ہوا لہو آئے

غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں بے شانۂ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا

غافل انسان کو اپنی خود آرائی کا وہم ہوگیا ہے اور کسی کام کے بننے پر وہ گمان کرتا ہو کہ یہ کام میں نے بنایا۔ مگر در اصل دنیا میں ایک کام بھی ایسا نہیں ہے جو بغیر حکم الٰہی کے بنتا ہو۔ قدرت الٰہی ہر چیز کی خبر گیران ہے۔ یہاں تک کہ گھاس جیسی بے قدر چیز کی مشاطگی کے واسطے بھی اُس نے صبا کو مقرر کر دیا ہے۔ خود آرائی سے یہاں عام کاروائی اور کارروائی مراد ہے اور اسی لفظی رعایت کی وجہ سے دوسرے مصرع میں اُن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حسن کو نمایاں کرنے والی ہیں علامہ فیضی ایک جگہ لکھتا ہے کہ ؎

بے جنبش امداد بہ دستان .برگے نہ چمد درین گلستان

سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد از کمان دار بیند اہل خرد

بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

بزم شراب سے عیش کی تمنا نہ رکھ کہ رنگ (یعنی عشرت) ایک ایسا شکار ہے جو اس دام گاہ یعنی بزم شراب سے پھڑک کر نکل گیا ہے۔ حاصل یہ کہ عیش نے بھی یہاں رہنا باعث کلفت سمجھا۔ اور اب وہ یہاں نہیں مل سکتی یہ بھی معنی نکل سکتے ہیں کہ عیش کبھی دنیا میں تھی مگر اب وہ اُٹھ گئی۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

رحمت الٰہی اگر ہماری اس شرم کو جو ہمیں گناہ کرنے سے ہے اور جس کی وجہ سے ہم گناہ کا عذر کرتے ہوئے بھی شرماتے ہیں قبول کرے تو کچھ عجب نہیں ہے پہلے ایک جگہ ایسا ہی خیال یوں ادا کر چکے ہیں ؎

بے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا بخون غلطیدہ صد رنگ دعوٰی پارسائی کا

واقعہ یہ ہے کہ ایک قادرالکلام شاعر ایک ہی خیال کو مختلف صورتوں مین ایسے بیان کرجاتا ہی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہین۔

مقتل کو کس نشاط سے جاتے ہین ہم کہ ہے — پُرگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مین مقتل مین عجیب خوشی کے ساتھ جاتا ہون کہ میری نگاہ کا دامن گل زخم کے خیال سے لبریز ہے ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہین ہم آگے — کہ اپنے سایہ سے سر پاؤن سے ہے دو قدم آگے

جان در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسدؔ — پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا

ہوا بمعنی خواہش اور شوق۔ یعنی اسدؔ کی جان ایک نگاہ گرم کی خواہشمند ہے اور تیرے دادخواہ کا وکیل پروانہ ہے جیسے وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جاتا ہے اسی طرح تیرا دادخواہ بھی جلنے کا متمنی ہے پروانہ کو وکیل اس لیے بنایا ہے کہ وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جانے کی معشوق کے سامنے نظیر پیش کرے۔

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا — کہتے ہین ہم تجھکو منہ دکھلائین کیا

ظلم سے وہ باز آگئے۔ مگر کیونکر ظلم سے باز آسکتے ہین یعنی اب باز آکر کہتے ہین کہ ہم تجھکو کیا منہ دکھائین کہ ہم نے تیرے اوپر بہت ظلم کیے ہین یہ بھی گویا ایک ظلم ہے۔ حاصل یہ کہ معشوق اگر چاہے بھی تو ظلم ترک نہین کرسکتا۔

رات دن گردش مین ہین سات آسمان — ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

ہم کسی کام کے ہونے نہونے سے کیون گھبرائین سات آسمان گردش مین ہین اُن کے پھرنے اور گردش کرنے کا آخر کوئی نتیجہ ضرور ہوگا اور جو کچھ ہونا ہوگا وہ ضرور ہو کر رہیگا یا یہ کہ ہم جو زندگی سے گھبرا کر مرنے کی تمنا کر رہے ہین یہ فضول ہے سات آسمان رات دن گردش کرتے ہین آخر اُن کی گردش سے عمر ضرور تمام ہو جائے گی۔ ایک جگہ فارسی مین یہی مضمون لکھا ہے فرماتے ہین ؎

ہفت اختر دنہ چرخ خود آخر بچہ کار ند ۔ برقتل من این عربدہ با یار روا نیست

اسکا دوسرا مصرع دہوکے مین ڈالتا ہی کہ یہ مضمون دو سرا ہے مگر نفس مطلب بالکل ایک نکلتا ہی فرق یہ ہی کہ یہ خیال مکمل ادا ہوا اور دوسرا غیر مکمل ہی

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے ۔ عمر یونہی تمام ہوتی ہے

منشی امیر اللہ تسلیم نے اس مضمون کو نہایت ہی اچھے طریقہ سے ادا کیا ہے اگرچہ بادی النظر مین دہوکا ہوتا ہے کہ کچھ اور معنی ہین ۔ مگر در اصل مطلب یہ ہی ؎

آسمان گردش مین ہین میرے ستانے کیلئے ۔ چکیان تو چل رہی ہین ایک دانہ کے لئے

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھین لگاؤ ۔ جب نہو کچھ بھی تو دہوکا کھائین کیا

اگر اُس کو ہمارے ساتھ دشمنی بھی ہو تو بھی ہم اپنے دل کو سمجھالین کہ اُس کو ہم سے محبت ہی مگر جب وہان نہ عداوت ہے نہ محبت پھر کیونکر دہوکا کھائین ایک جگہ فرماتے ہین ؎

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے ۔ کچھ نہین ہی تو عداوت ہی سہی

وارستہ اس سے ہین کہ محبت ہی کیون نہو ۔ کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیون نہو

ہو لئے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ ۔ یارب اپنے خط کو ہم پہونچائین کیا

نامہ بر کو خط دیکر ہم اُس کے ساتھ کیون ہو لیے یا اللہ ہمین کیا ہو گیا کیا ہم اپنے خط کو آپ پہونچائین ۔ اس سے کمال رشک اور جنون کا اظہار دونون مطلب لیے جاسکتے ہین ۔

موج خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے ۔ آستان یار سے اُٹھ جائین کیا

چاہے ہم قتل ہی کیون نہ ہو جائین مگر اُس کے در سے نہ اُٹھین گے کیا تحقیر کے لئے ہے کہ کیا اس ڈر سے ایسا کرین ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسدؔ ۔ اس مین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ ۔ مر گئے پر دیکھئے دکھلائین کیا

تمام عمر ہم نے مرنے کی راہ دیکھی اب دیکھئے مرنے کے بعد ہم کیا رنگ دکھاتے ہین یا یہ کہ عمر بھر انھون نے ہم کو مرنے کی راہ دکھائی اب دیکھئے مرجانے پر ہم کو کیا دکھاتے ہین ۔

موخرالذکر مضمون پر مولانا نظم اور حسرت صاحب دونوں متفق ہیں مگر مجھے شعر کے مصرع اولیٰ کو دیکھتے ہوے ان معانی کا یقین نہیں آتا۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے　　کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

وہ لوگوں سے میری بینوائی اور عشق وغیرہ کا تذکرہ سنکر پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے اب کوئی ہمیں یہ بتاسے کہ اُسے ہم کیا بتائیں کہ غالب کون ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتا ہے ؎

زمردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بین　　کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

مگر غالب کے مصرع ثانی کا جواب نہیں ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی　　چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

لطافت کا بغیر کثافت کے لطف نہیں آسکتا۔ آئینۂ باد بہاری ایک نہایت ہی لطیف شے ہے مگر بغیر زنگار چمن کے اُس کا جلوہ نہیں ہوسکتا۔ اور اُس کا مزا نہیں ہے جلوے کے لغوی معنی ظاہر ہونے کے ہیں اُس لحاظ سے شعر کا یہ مطلب ہے کہ لطافت کا اظہار بغیر کثافت کے نہیں ہوسکتا جب تک زنگار چمن (سبزہ زار) نہو اُس وقت تک آئینہ باد بہاری کو کوئی نہیں دیکھتا۔ حاصل یہ کہ یہ دونوں باہم متعلق اور لازم وملزوم ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر　　تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

یا یوں کہیئے آئینہ باد بہاری پر زنگ لگا تو سبزہ زار پیدا ہوا۔

حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل　　جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

حریف ہم پیشہ کو کہتے ہیں چونکہ دو ہم پیشہ اکثر ایک دوسرے پر تفوق اور امتیاز ڈھونڈنے کی وجہ سے دشمن ہو جاتے ہیں اس لیے بے تکلف اس کے معنی مجازی دشمن کے قرار دیدیے گئے ہیں یہاں یہی معنی مقصود ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ ساحل اگرچہ خوددار ہے مگر اسکی خودداری جوشش دریا کی حریف بن کر مقابلہ نہیں کرسکتی ایسے ہی جس بزم میں تو ساقی ہو

وہان ہوشیاری کا دعوی بے بنیاد اور باطل ہے۔ گویا دعوئ ہوشیاری ایک ساحل خود داری ہے۔ اور تیری ساقی گری جوشش دریا ہے۔ اس جوشش کے سامنے اُس ساحل ہوشیاری کو مجبوراً غرق آب ہونا پڑتا ہے۔ ایک جگہ علی الرغم یون فرمایا ہے

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی　　　جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

شرح اس کی پہلے لکھی گئی ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا　　　درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

قطرہ جب دریا مین مل جاتا ہے تو بظاہر فنا ہو جاتا ہے کیونکہ پھر اُس کو کوئی قطرہ کے نام سے نہین پکار سکتا۔ مگر یہ فنا دراصل اُس کی بقا کا موجب ہے کیونکہ ظاہر ہے بالکل علیحدہ رہ کر وہ مٹ جاتا اور اب دریا مین مل کر وہ مٹ نہین سکتا صرف اس کا نام تبدیل ہو گیا ہے۔ اسی صورت سے جب درد حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو بظاہر فنا کر دیتا ہے مگر دراصل وہ درد کی دوا ہو جاتا ہے اور فنا کر کے عالم بقا مین پہونچا دیتا ہے۔ سید محمد حسین کوثر لکھنوی کا شعر ہے ؎

آخر غم فراق ہی راحت فزا ہوا　　　جب درد بڑھ گیا تو وہی اک دوا ہوا

تجھ سے قسمت مین مری صورت قفل ابجد　　　تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

قفل ابجد اُس تالے کو کہتے ہین جسے بنانے والا کوئی کلمہ لکھ دیتا ہے جب اُس کلمہ کے حروف کو متفرق کر دیتے ہین تو وہ قفل بند ہو جاتا ہے۔ اور جب انھین حروف کو جمع کر کے وہ کلمہ بناتے ہین جو واضع نے اسپر کندہ کیا ہے تو قفل کھل جاتا ہے اسی طرح مصنف اپنی قسمت کو اس سے مشابہ کرتا ہے کہ میری قسمت مین یہ لکھا تھا کہ جب تیرے ملنے کی تدبیر بن پڑے تب ہی تو مجھ سے جدا ہو جائے کسی اور شاعر نے اس کا ترجمہ یہ اُتارا ہے ؎

قفل ابجد کی طرح تھی مری قسمت شاید　　　بنتے ہی بات کے ہوتا ہے وہ عیار جدا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت مین تمام　　　مٹ گیا گھِستے مین اِس عقدہ کا وا ہو جانا

کشمکش فکرِ علاج میں دل تمام ہوگیا۔ گویا کھولنے کی فکر میں یہ گرہ مٹ گئی اور ناخن تدبیر نے اس کا کام تمام کردیا۔ دل کی عقدہ سے نہایت اچھی تشبیہ ہے۔

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جانا

تو پہلے ہماری وفا کے بدلے میں ہم پر جفا کرتا تھا مگر تو نے جب دیکھا کہ ہم جفا کو بھی خوشی سے برداشت کرتے ہیں تو تو نے جفا سے بھی ہاتھ اٹھالیا اُف اربابِ وفا سے اور سچے عاشقوں سے اس قدر دشمنی۔ اللہ اللہ از راہ استعجاب کہا گیا ہے۔ ایک جگہ اور بھی فرماتے ہیں ؎

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ — ہم کو حریص لذتِ آزار دیکھ کر

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

یہ مسئلہ کہ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہماری سمجھ میں نہ آیا تھا۔ اور ہم کہتے تھے کہ ایک عنصر دوسرا عنصر کیونکر بن سکتا ہے۔ مگر اب ہم کو یقین آگیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ ٹھیک اور صحیح ہے پانی ہوا ہو سکتا ہے۔ پہلے جب ہم میں طاقت تھی تو نالہ کرتے تھے مگر اب ضعف کی حالت میں ہم نالہ نہیں کرسکتے صرف آہ ہو سکتی ہے تو معلوم ہوا کہ وہی پانی (نالہ) اب ہوا (آہ) کی صورت میں بدل گیا ہے ایک جگہ ہوا کو پانی اس صورت سے بنایا ہے ؎

ز نالہ کار بہ اشک اوفتاد و دل خون باد — ز شرم بے اثری ہا فغان من آب است

فغان سے مراد آہ و نالہ ہے جو ایک ہوا ہے یا ہوائی کیفیت ہے اس میں اشک و نالہ کی تفریق سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہاں رونے کو جس میں آنسو بھی ہوتے ہیں نالہ نہیں کہا ہے۔ بلکہ مراد آہ و فغان سے ہے اگرچہ یہ ایک جدا اور نیا مضمون ہے مگر مناسب محل سمجھ کر لکھ دیا گیا۔ ایک جگہ مرزا ثاقب اسی زمین میں ایک شعر میں مسئلہ استحالہ عناصر یوں بیان کرتے ہیں ؎ خاک بھی اس دل سوزاں کی ملیگی نہ کہیں مجھے معلوم ہے شعلہ کا ہوا ہو جانا یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ غالب کی تقلید کی گئی ہے مگر جس خوبی سے کہ یہ مضمون غالب کے یہاں ادا ہوا ہے مرزا ثاقب اس صورت سے ادا نہیں کرسکے مطلع ہمیں ثاقب صاحب نے خوب فرمایا ہے اگرچہ ہمیں بھی غالب کا تتبع ظاہر ہے ؎ دل کو تاکید فنا ہے کہ فنا ہو جانا اور درد کو حکم قضا ہے کہ دوا ہو جانا

دل سے مٹنا ترے انگشتِ حنائی کا خیال — ہوگیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

میرے دل سے تیرے انگشت حنائی کا خیال مٹنا ایسا سخت دشوار ہوگیا جیسے کہ گوشت سے ناخن کا جُدا ہونا دشوار ہوتاہے۔ یہ تشبیہ نہایت مناسب ہے

ہے مجھے ابر بہاری سے برسکر کھلنا — روتے روتے غمِ فرقت مین فنا ہوجانا

میرے لیے روتے روتے غمِ فرقت مین فنا ہوجانا ایسا باعث انبساط ہے جیسے ابر کو برس کر کھُلنا۔ واضح ہو کہ برس کر کھُلنا اوس جگہ بولتے ہین جب ابر خوب برسا ہو۔ اس شعر مین تعقید پیدا ہوگئی ہے۔

گر نہین ہے گُلِ تر کو ترے کوچہ کی ہوس — کیون ہے گردِ رہ جولان صبا ہو جانا

اگر گُل تر کو تیرے کوچہ مین جانے کی ہوس نہین ہے تو کیا سبب ہے کہ وہ ہوا کی گردِ راہ بنتی ہے یعنی وہ ہوا مین کیون شامل ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فعل اُس کا محض اس لیئے ہے کہ چونکہ صبا کا ہر جگہ گذر ہوتا ہے اور یہ اُس کوچہ مین بھی جائیگی تو اس بہانہ سے مین بھی وہان پہونچ جاؤنگی۔

تا کہ تجھ پر کھُلے اعجازِ ہوائے صیقل — دیکھ برسات مین سبز آئینہ کا ہو جانا

اگر تو چاہے کہ ہوا۔ یعنی خواہش اور عشق کے اعجاز کو دیکھے تو برسات مین آئینۂ فولادی کو دیکھ کہ اُسپر زنگ لگ جاتاہے۔ یہ زنگ محض جذب عشق صیقل کی وجہ سے ہے کہ زنگ لگے گا تو صیقل ضرور کیجائیگی۔ نیز اس مین آئینۂ معشوق بھی اور عاشق بھی دونون طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گُل ذوقِ تماشا غالبؔ — چشم کو چاہیئے ہر رنگ مین وا ہو جانا

جلوۂ گُل میرے دِل مین اشتیاق دید پیدا کرتا ہے لہٰذا آنکھ کو ہر صورت مین کھُل جانا چاہیئے۔ اور گُلہائے زنگار رنگ کی سیر کرنا چاہیئے۔ یعنی انسان کو ہر فن مولا بنکر زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

یا یہ کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ تقاضہ کرتا ہے کہ آدمی چشمِ بینا سے اُسکو دیکھے اور صانع حقیقی کو پہچانے ۔ یا یہ کہ آنکھ باغِ جہان کی ہر رنگ کو دیکھے۔

(ردیف ب)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب   دے بطے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پھر وہ وقت آیا کہ بطے (یعنے صراحی جو بشکل بط ہو) پرواز کرے اور بطے کو جو شناوری بطے کو دوست رکھتا ہے۔ شنا کرنے یعنی تیرنے کے لیے موج شراب یا دریائے مواج شراب عنایت کرے۔ ظاہر ہے کہ بط ایک دریائی جانور ہے اور وہ اکثر تالابون جھیلون دریاؤن وغیرہ مین رہتا ہے۔ حاصل یہ کہ پھر فصل بہار آئی چاہئیے کہ شراب کا دور چلے۔ بطے کی بال کشائی کو دور شراب سے استعارہ کیا ہے۔

پوچھ مت وجہ سیہ مستی اربابِ چمن   سایۂ تاک مین ہوتی ہی ہوا موجِ شراب

ارباب چمن (باغ کے سرسبز درخت) سیہ مست ۔ بہت مست ۔ تاک انگور کی ٹٹیان مطلب یہ ہے کہ جوانان چمن جو سیہ مست ہو رہے ہین اسکی وجہ نہ پوچھ ۔ بات یہ ہے کہ سایۂ تاک کی ہوا موج شراب کا اثر رکھتی ہی ۔ چونکہ یہ اُس سایہ سے ہوکر گذرے ہین اسوجہ سے بدمست ہو ہو کر جھوم رہے ہین ۔ سیہ مست اسوجہ سے کہا ہے کہ درختون کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے اور یہ تشبیہ بے مثال ہے

جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے   سر سے گذرے پہ بھی ہی بال ہما موجِ شراب

حالانکہ پانی مین غرق ہو جانا باعث موت ہے مگر یہان معاملہ برعکس ہے کہ اگر موج شراب سر سے بھی گذر جائے تو گویا جسکے سر سے وہ موج گذرے اُسکے سر پر سے ہما گذرا جس کا سایہ پڑنا اور سر سے گذرنا رسائی بخت کی دلیل ہے ۔ موج شراب کا سر سے گذرنا ۔ نشہ چڑھنے یا اُس کے نیچے تباہ ہونے کے بھی معنی پیدا کرتا ہے ۔

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہی اگر　　موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب

یہ برسات وہ موسم ہے کہ اسکی بہار سے جب بہت سی کیفیتوں اور بہت سی اشیا میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہی تو اس بات کو دیکھتے ہوے کیا تعجب ہی کہ ہوا سے بہار فیض موج ہستی کو موج شراب بنا دے - چونکہ ہوا سے بہار بھی نشاط آور ہے اور شراب بھی باعث سرور ہے اسواسطے مبالغہ مین یہ صورت پیدا کی گئی - موج ہستی اس لیے کہا گیا کہ دنیا بھی گذران ہے - اور یہ تشبیہ بالحرکت ہے جو نہایت لطیف ہے -

چار موج اُٹھتی ہین طوفانِ طرب سے ہر سُو　　موجِ گُل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

طوفان طرب سے ہر طرف چار موجین اُٹھتی ہین اور انکا ہر طرف جوش ہے - موج گُل یعنی چار طرف رنگا رنگ پھول کھلے ہوے ہین (موج شفق) آسمان پر ہر طرف شفق پھوٹی ہوئی ہے (موج صبا) ہر طرف نسیم خوشگوار اٹھکھیلیان کرتی پھرتی ہے اور جا بجا شراب کا دور ہے - مصنف نے اس شعر مین بہار کی تصویر کھینچ دیتی ہی

جس قدر روح نباتی ہی جگر تشنۂ ناز　　دے ہی تسکین بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

روح نباتی یعنی سبزہ جسقدر جگر تشنۂ ناز ہے یعنی سبزہ جسقدر لہلہانا چاہتا ہے - اور نمو اور ناز کی خواہش رکھتا ہے اسیقدر موج شراب اپنے آب بقا کے گھونٹون سے اُسکو تسکین اور تقویت دیتی ہی -

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک مین خون ہو ہو کر　　شہپر رنگ سے ہے بال کُشا موج شراب

بادہ شراب انگور کی بیلو مین خون ہو ہو کر دوڑ رہا ہے - تو گویا اُس کا وہ دوڑنا پرواز کرنا ہے اور یہ رنگینی پر پرواز ہے جو بیلو نکے پتّون وغیرہ پر ظاہر ہے تو گویا یہ رنگ موج شراب ہے - مولانا نظم نے لکھا ہے کہ لفظ خون مین اعلان نون فصیح ہے - اور اکثر فصحا بغیر اعلان اسکو استعمال بھی نہین کرتے - مگر میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے دونون صورتون مین فصیح ہے - عرفی ایک جگہ کہتا ہے - ؎

خون کہ از مہر تو شد شیر دہ طفلی خوردم ہمچنان خون شد و از دیدہ برون می آید
اسیطرح سیکڑون شعر مل سکتے ہین دل راحت پسند رحمت تلاش کو فضول سمجھتا ہے

موجۂ گل سے چراغان ہے گذرگاہ خیال ہے تصور مین زبس جلوہ نما موج شراب

چونکہ میرے تصور مین موج شراب جلوہ نما ہے اور موج شراب اپنی رنگینی کی وجہ سے مثل موجۂ گل ہے اور موج گل چراغان سے مشابہ ہے تو میرے گذرگاہ خیال مین گویا چراغان کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے —

ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب

یعنی موج سبزہ اور موج شراب نے ایک جہان کے اوپر کیفیت فصل کا طوفان ظاہر کر دیا ہے۔ طوفانی طوفان ظاہر کرنیوالے حاصل یہ کہ ان دونون نے دنیا مین نشاط وطرب کا طوفان اٹھا رکھا ہے۔

شرح ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسم گل رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب

موسم گل عجیب چیز ہے جس سے ہنگامۂ ہستی کی شرح ہو رہی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بہار کی نشاط اور خوشگواری بھی چند روزہ ہے اور ہنگامۂ ہستی کی پائداری اور خوشی کا وجود بھی بے بقا ہے اسواسطے موسم گل اسکی شرح ہے۔ موج شراب نہایت اچھی چیز ہے جو قطرہ کو دریا سے ملا دیتی ہے یعنی بے خود و مدہوش کر کے فنا سے مشابہ کر دیتی ہے۔ اور فنا روح کو اسکے مرجع کیطرف لوٹا دیتی ہے جسکی تفصیل ۵
عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا مین گذر چکی ہے
موج شراب کا قطرہ کو دریا مین ملا دینا۔
ایک لطف رکھتا ہے جو طبع سنجیدہ پر پوشیدہ نہین ہے۔

ہوش اڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

اسد جلوۂ گل کو دیکھکر میرے ہوش اڑے جاتے ہین اور اس سے پتہ چلتا ہے

کہ شراب کے دور کا وقت آپہونچا ہی یا یہ کہ اسد ذرا جلوۂ گل کو دیکھ میرے تو اس کو دیکھکر ہوش وحواس غائب ہوئے جاتے ہیں لہذا شراب پینی چاہیئے۔

(ردیف ت)

افسوس کہ دیدان کا کیا رزق فلک نے جن لوگون کی تھی درخور عقد گہر انگشت

دیدان کیڑونکو کہتے ہین اس صورت مین یہ معنے پیدا ہوتے ہین کہ افسوس جن لوگون کی انگلیان سلک گہر کے قابل تھین اُنکو فلک کینہ جو نے فنا کرکے کیڑونکا رزق بنا دیا جیسے کہ ایک جگہ خاقانی فرماتے ہین ؎

بسے بادام چشمان راکہ دیدی اندرین دنیا بگرد خانۂ چشمش زموران کاروان بینی
شہنشاہے کہ بر قصرش ہزاران پاسبان بودی کنون بر قبۂ گورش کلاغان پاسبان بینی

اور اکثر نسخون مین بجاے دیدان کے دندان دیکھا گیا ہے - اس صورت مین یہ مطلب نکلتا ہے کہ افسوس آسمان نے ان عقلا کی انگلیان جو عقد گہر کی قابل تھین دانتونکا رزق بنا دیا ہے - یعنی وہ اسکے انقلاب سے انگشت بدندان ہین - یا اسکے ظلم سے اپنی انگلیان چباتے ہین -

کافی ہے نشانی تری - چھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

سفر کے وقت نشانی کے لیے چھلا وغیرہ دیتے ہین مصنف کہتا ہے کہ مجھے تیری یہی نشانی کافی ہے کہ تونے مجھے خالی انگلی دکھا دی اور نشانی نہ دی - یا شوخی سے انگوٹھا دکھا دیا -

لکھتا ہون اسد سوزش دل سے سخن گرم تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

اسد سوزش دل کی وجہ سے مین سخن گرم لکھتا ہون (سخن گرم خوبی سخن سے مُراد ہی) اور یہ گرم سخن اس لیے ہین کہ کوئی میرے حرفون پر انگلی نہ رکھ سکے - یعنی عیب جوئی نہ کرسکے - اس شعر مین صرف رعایت لفظی گرم بازاری ہے - ایک جگہ مومن مرحوم

یون فرماتے ہین سے

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے ہر خط پہ نکتہ چین کو ہے وہم و گمان تیغ

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

اگر کوئی قیامت تک زندہ رہا تو کیا پھر بھی اک روز مرنا ضرور ہے بقول شخصے سے

جب خفا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایکدن

جگر کو مرے عشق خونا بہ مشرب لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

عشق جسکا مشرب خون پینا ہے۔ میرے جگر کو ہمیشہ خداوند نعمت لکھتا ہی۔ اسلئے کہ اس نے اسی کے خون سے پرورش پائی ہے۔ مشرب اس جگہ اگرچہ اردو ہے مگر بہت مناسب واقع ہوا ہے۔۔

علی الرغم دشمن شہید وفا ہون مبارک مبارک سلامت سلامت

علی الرغم دشمن یعنی بخلاف دشمن کے مین شہید وفا ہون۔ اسی پر خود کو مبارکباد دیتا ہے۔ یعنی دشمن شہید وفا نہین ہوا ہی اور مین شہید وفا ہون۔ مبارک سلامت پورا جملہ مبارکبادی کا ہے مولانا نظم نے اپنی شرح مین یہ لکھا ہے۔ کہ مبارک اسوجہ سے کہ رقیب کے خلاف مراد ہے اور سلامت اسوجہ سے کہ شہید وفا زندۂ جاوید ہے۔۔۔

نہین گر سر و برگ ادراک معنے تماشائے نیرنگ صورت سلامت

اگر دریافت معنی کا سامان نہین ہی تو نہ سہی۔ نیرنگیٔ صورت یعنی ظاہری اجسام وغیرہ کا دیکھنا ہی غنیمت ہے۔ کہ اثر کو دیکھکر موثر کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یعنی عشق مجازی زینہ ہے عشق حقیقی کا۔

مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب یار لائے مری بالین پہ اُسے پر کس وقت

کھولتے ہی کھولتے آنکھین بند ہوگئین یعنی موت آگئی۔ یارون نے بھی احسان کیا کہ کوشش کرکے اُسکو میری بالین پر لائے مگر اب وقت نکل چکا تھا۔ لانا بیکار ثابت ہوا۔ اسی مضمون کو یون کہا گیا ہے ؎

مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

آمدِ خط سے ہوا ہی سرد جو بازارِ دوست
دودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

خط کے نکلنے سے بازارِ حسن دوست سرد ہوگیا۔ شاید خطِ رخسارِ حسن کی شمع کشتہ کا دھوان تھا۔ اسمین سبزۂ رخسار کی بُرائی کی گئی ہے۔ شیخ شیراز بھی ایک جگہ اسی موقع پر فرماتے ہین ؎۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است
داند آنکس کہ این سخن گوید

یعنے از روے نکوان خطِ سبز
دلِ عشاق بیشتر جوید

بوستان تو گندنا زار یست
بسکہ بر مے کنی و مے روید

ایک جگہ یون فرماتے ہین ؎

گر دست بجان داشتمی ہمچو تو بر ریش
نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ بر آید

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لاسکتا ہی تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

اے ناعاقبت اندیش دل اپنے شوق دید کو ضبط کر۔ کوئی ایسا ہے کہ جلوۂ دوست دیکھ سکے یہ تلمیح ہے قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کیطرف۔ اس قسم کے شعر بہت سے ہین اور یہ مضمون قریب قریب تمام شعراءِ ہند کا کہا ہوا ہے۔

خانہ ویران سازیِ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہون رفتۂ رفتارِ دوست

دیکھئے حیرت نے کیسا میرا گھر اُجاڑا ہے کہ مجھکو نقشِ قدم کی مانند وارفتۂ رفتارِ دوست بنا دیا ہے وارفتہ بمعنے آوارہ۔ اور مجنون رفتار کے عشق مین وارفتہ ہونا ایک نہایت لطیف مناسبت لفظی ہے۔ تماشا کردن فارسی کا محاورہ ہے۔ جس کا اُردو مین ترجمہ کردیا ہی۔ مگر اُردو مین۔ دیکھنا۔ ملاحظہ کرنا۔ موجود ہی۔ اور وہ اچھا ہے

عشق میں بیداد رشکِ غیر نے مارا مجھے　　　کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

اگرچہ میں دوست کا بیمارِ عشق تھا۔ اور اُسی میں مجھکو مرنا چاہیے تھا۔ مگر میری محرومی قسمت دیکھیے کہ اُس میں مرا تو دشمن کے ہاتھ سے مرا یعنی دشمن کے رشک میں مجھکو موت آئی۔ اور اِس صورت میں کشتۂ دوست کے خطاب سے مفتخر نہو سکا۔

چشمِ ماروشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے　　　دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

چشمِ ما روشن۔ دلِ ما شاد۔ خوشی کے محل پر بولتے ہیں۔ چونکہ وہ بیدرد ہمارے رنج اور ہمارے دُکھ سے خوش ہے ہم اِس سے بہت خوش ہیں۔ گویا ہمارا دیدۂ پُرخون اُسکے لیے۔ شراب کا لبریز ساغر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ چشمِ ما روشن محض رعایت لفظی کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ مگر اس محل پر نہایت مناسب ہے۔ دوسرے مصرعہ میں ہے محذوف ہے۔ اور یقیناً ایسا حذف بقول جناب حسرت موہانی نہایت ناگوار ہے۔

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اُسکے ہجر میں　　　بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

یہ ایک قطعہ ہے۔ واضح ہو کہ مُصنّف کے زمانہ تک غزل میں قطعے لکھے جاتے تھے۔ مگر آجکل یہ رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ اور بعض شعرا اسکو عیوب شاعری سے سمجھتے ہیں۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جو محض تک بندی کر لیا کرتے ہیں اور جنکو یہ بھی معلوم نہیں ہی کہ ایک وہ زمانہ تھا جب غزلیں مسلسل لکھی جاتی تھیں اور مقطع وغیرہ کسی چیز کی بھی پروا نہ کیجاتی تھی شاعری محض اظہار جذبات کا ایک آلہ تھا اور وہ سب قیود سے آزاد تھی اب تو شاعری کا یہ رنگ ہی کہ لفظ لفظ میں ذم کے پہلو نکالے جاتے ہیں اور یہ حالت خصوصیت سے لکھنؤ میں پائی جاتی ہی۔ حالانکہ جو لوگ ایسے اعتراضات کرتے ہیں وہ خود یہ بھی نہیں جانتے کہ ذم کس جانور کا نام ہے اور تنافر کس چڑیا کو کہتے ہیں۔ مثال کے لیے لیجیے۔ کہ غالب کے اسی شعر میں (غیر یوں کرتا ہے) کو کھُٹے ذم سے تعبیر کیا جاتا۔ حالانکہ اگر یہی نا انصاف فرقہ غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی شعر بھی ایسا نہ ملیگا کہ جسمیں یہ پہلو نہیں نکالے جا سکتے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ امرأ القیس علیہ

جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے - خرابی اخلاق دوسرے کو بھی بُرا سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے - ایکدن کا ذکر ہے کہ مین نے اپنے ایک دوست کے سامنے مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر پڑھا ؎

کیون چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے　　پوچھین گے ہم سبب تو بتا یا نہ جائے گا

شعر سُنکر فرمایا کہ آمین فرم ہے - آگے اُنھون نے جو کچھ وجہ بیان فرمائی میرا قلم اُسکو نہین لکھ سکتا مین کچھ کا کچھ لکھنے لگا - حالانکہ ابھی شعر کا مطلب بیان نہین کیا سُنئے غیر میری حالت کی اسطرح پرسش کرتا ہے جیسے کوئی دوست کسی دوست کا حال پوچھتا ہے -

تا کہ مین جانون کہ ہی اُسکی رسائی وان تلک　　مجھکو دیتا ہی پیام وعدۂ دیدار دوست

اور یہ پرسش حال کچھ ازراہ مہربانی نہین ہے بلکہ مطلب کچھ اور ہے یہ جتانے کے لئے کہ مین یہ سمجھون کہ اُسکی وہان تک رسائی ہے اسواسطے دوست کے وعدۂ دیدار کا مجھکو پیغام دیتا ہے -

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ　　سر کرے ہی وہ حدیثِ زلف عنبر بار دوست

جب مین اُس سے اپنے ضعف دماغ کی شکایت کرتا ہون - یعنی یہ بات کہتا ہون کہ خاموش: میرا دماغ بہت ضعیف ہے مجھے کوئی بات سننے کی تاب نہین ہے تو وہ اور بھی زلف مشکبوئے یار کے قصہ کو طول دیتا ہے اور چھیڑتا ہے - سر کرنا فارسی محاورہ ہے شروع کرنے کے معنے مین اُردو مین غیر فصیح ہے زلف کو شعرا مشکبو - اور عنبرین لکھتے ہین اس لحاظ سے شکوہ ضعف دماغ پر اُس کا قصہ چھیڑنا لطف سے خالی نہین ہے -

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر　　ہنس کے کرتا ہی بیان شوخی گفتار دوست

اگر مجھکو چپکے چپکے روتے دیکھ پاتا ہے تو اُسکی شوخ گفتاری کا تذکرہ کرتا ہو -

مہربانی ہاے دشمن کی شکایت کیجئے　　یا بیان کیجیے سپاس لذّت آزار دوست

اسحالت مین دشمن کی ان مہربانیون کی جو وہ میرا جی جلانے کے لیے کرتاہے شکایت کرون۔ یا لذت آزار دوست کا شکریہ کرون سکو وہ اس کا آشنا ہمراز ہوگیا۔

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ ہے ردیف شعر مین غالب زبس تکرار دوست

مجھے اپنی یہ غزل دل سے پسند ہے کیونکہ غزل کی ردیف مین بار بار لفظ دوست جو مجھکو پیارا ہے زبان پر آیاہے ہائے مومن

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا کہ ہر اک بات مین ناصح تمھارا نام لیتا تھا

(ردیف ج)

گلشن مین بند وبست برنگ دگر ہے آج قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

یعنے آج باغ مین عجیب طریقہ سے انتظام کیا گیا ہے۔ قمری (جو ایک مرغ نواسنج چمن ہے) بھی اندر نہین جاسکتی اور اس کا طوق اسکے واسطے حلقہ بیرون در بنا ہوا ہے حلقہ بیرون در سے اندر کے جانے کی روک ٹوک مراد ہے۔ شیخ علی حزین فرماتے ہین ؎

عجب نبود کہ جوہر حلقہ بیرون در گردد چنین کائینہ حسن تو لبریز صفا گردد

یعنے میرا آئینہ حسن صفا آج لبریز ہو رہا ہے عجب نہین ہے کہ جوہر آئینہ حلقہ بیرون در بنجاوے۔

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

آج ہم جب نالہ کرتے ہین تب ہی ایک دل کا ٹکڑہ اس فغان کے ساتھ آتا ہے شاید آج ہمارے نفس نے کمند بنکر اثر فغان کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہمارے آہ و نالہ مین اثر ہوا ہے کیونکہ ہم مدت سے چاہتے تھے کہ کسیطرح موت آئے آج اسکے کچھ آثار ظاہر ہوئے ہین دوسری شرحونمین اسطرح اس شعر کے معنے بیان کیے گئے ہین تار نفس کے کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ اُلٹا ہے کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے اثر کے اس اُلٹے نتیجہ کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے میرے نزدیک ایک

سیدھے سادے مطلب کو چھوڑ کر تاویل سے کام لینا فضول ہے نیز دوسرا مصرعہ
طنزیہ بھی ٹھہرایا جاسکتا ہے - باقی اُن معنوں کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا مؤخر الذکر معنی
سے ملتا جلتا میرا ایک شعر ہے ؎

نہیں کوئی سہارا اب نوید اے مرگ مایوسی — مری آنکھوں کو خود دعوٰی ہے میری لگدازی کا

ایک جگہ داغ مرحوم فرماتے ہیں ؎

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بیڈھب ہے — تپک رہا تھا کئی دن سے آبلہ دل کا

داغ کا شعر مترادف المعنی ہونیکی حیثیت سے نہیں لکھا گیا یاد آیا اور قلم اسکے لکھنے سے
باز نہ رہا-

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل — سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

اے عافیت اور اے انتظام خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکل بھاگو میرے آنسوؤں کا
سیلاب آج در و دیوار گرانے کے لئے تیار ہے اس شعر کی تعریف نہیں ہوسکتی اور یہ غالب کا
خاص انداز بیان ہے ؎

خراب خانۂ دل اور موج سیل سرشک — تم اپنی یاد سے کہدو کہ اب یہاں نہ رہے

لو ہم مریض عشق کے تیماردار ہیں — اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

کہا جاتا ہے کہ مریض عشق کی تیمارداری کے لیے کوئی نہیں ہے تو ہم اسکی تیمارداری
کے ذمہ دار ہوتے ہیں مسیحا اس کا علاج کریں مگر جو مسیحا کے علاج سے وہ اچھا
نہ ہو تو پھر انکا کیا علاج کیا علاج ایک محاورہ ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ انکو کیا سزا دیجائے
جو یہاں بہت ہی برمحل صرف ہوا - ذوق مرحوم بھی کچھ ایسا ہی فرماتے ہیں ؎

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج — کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

(ردیف جیم فارسی) چ

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

بزم آرزو سے باہر نہ جا اور آرزو کرنی نہ چھوڑ اگر شراب نہین کھینچ سکتا یا پینے کو نہین ملتی تو ساغر شراب کا انتظار کر شراب کھینچنا محض فارسی کا محاورہ ہے اور انتظار کھینچنا اردو و در فارسی زبانمین مشترک ہے یعنی ؎

نہ کچھ چھیڑ چلی جاے اسد گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ

میری سعی تلاش دید معشوق کی سرگرمی کی حالت نہ پوچھ گویا حسرت دیدار نے مجھے حیران کرکے آئینہ بنا دیا ہے اور اس آئینہ مین بجاے جوہر کے وہ کانٹے ہین جو دوڑ دھوپ مین میرے تلوؤن مین چبھے ہین تو بجاے حال پوچھنے کے انکو میرے تلوؤن سے کھینچ نے خود ہی تجھپر میری سعی و کوشش کا حال آشنا ہو جائیگا گویا صورت ببین حالم مپرس کا مضمون ہے یا ؎

خود دیکھ لو فقیر کی صورت سوال ہے

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

اے دل تو جو بڑے بڑے انتظار دیکھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انتظار نہین ہے بلکہ راحت طلبی کا ایک بہانہ ہے - لہذا اُٹھ اس بستر کے ناز اُٹھانے سے کنارہ کر رہا ہے کہ پڑے رہنے مین بستر کی ضرورت ہوگی اور یہ بستر کا ناز اور احسان سمجھا گیا تار بستر سے مصنف نے اسمین مختلف معنی پیدا کیے ہین یعنی اُٹھ صحرا نوردی کر یا اس بستر کا ناز کھینچنے سے مر رہ کیونکہ انتظار موت سے بدتر ہے یا یہ کہ ایک آرام طلبی کی صورت ہے اسی ضرورت سے انتظار نہ کرنا مجھے انتظار یار ہی کافی ہے بستر وغیرہ کی کچھ ضرورت نہین ہے وغیرہ وغیرہ-

تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

نرگس تجھکو حسرت سے دیکھ رہی ہے کہ تو شراب کیون نہین پیتا اور چونکہ تجھ مین حیا و شرم کا مادہ ہے اس لیے بے حیا یانہ اسکے ہوتے شراب نہین پی سکتا تو مین تجھے بتاتا ہون کہ میرا رقیب یعنی نرگس کوردل اور کورچشم ہے اسواسطے تجھے مے نوشی مین تکلف نہ کرنا چاہیے

نرگس کو بوجہ اسکے حسرت سے معشوق کی طرف نظارہ کرنیکے رقیب قرار دیا گیا بوجہ آنکھ کے مشابہ ہونیکے اسکو کورِ چشم اور بے نور ہونے کے سبب سے کوردل بتایا گیا اصرف بد دعا کے لیے یہ لفظ استعمال کئے گئے اس شعر مین دوسرا مصرعہ بہ استثناے ردیف فارسی ہی آخری مصرعہ مین ب سببیہ اور قسمیہ دونون صورتین پیدا ہوسکتی ہین اور یقیناً ایسے مصرعونکی یا شعرونکی اردو زبان متحمل نہین ہوسکتی مگر مصنف پر فارسی کا رنگ غالب تھا اس لیے انکو مورد اعتراض ٹھہرانا بیجا ہے کیونکہ وہ خود فرماتے ہین ؂

فارسی بین تا بہ بینی نقش ہاے رنگ رنگ   بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من ست

یہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز   نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

تیرا خنجر ناز و ادا جو میرے پردۂ زخم جگر مین امانت ہو اُسکو اپنے نیم غمزے سے کھینچ لے اور ودیعت ناز کا حق ادا کر۔ نیام مین سے جب خنجر یعنی الف نکالین گے تو نیم بچ جائے گا صاف یہ ہے کہ مین نے مدت تک اسکو نیام پردۂ زخم جگر مین امانت رکھا ہے۔ اب آپ خنجر کو اس نیام سے نکال اور مجھے میری مزدوری۔ جو نیم نگاہ ہے حوالہ کر۔

مرے قدح مین ہی صہبائے آتشِ پنہان   بروے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

میرے پیالے مین شراب نہین ہے بلکہ آتش پنہان ہی لہٰذا کباب بھی سمندر کے دل کے دسترخوان پر لگانے چاہئین کہ سب سامان مناسب جمع ہو جائے ایک بعید از قیاس معنی یہ ہین کہ سمندر کا دل نون ہے جسکے معنے نفی کے ہین اس صورت مین یہ معنے ہوے کہ میرے دسترخوان پر کباب نہ رکھ کیونکہ در اصل جسکو تو شراب سمجھا ہے وہ شراب نہین ہے شراب کی تشبیہ آگ سے بوجہ سُرخ ہونے کے مشہور ہے۔ سفرہ بمعنے دسترخوان۔ سمندر وہ کیڑہ جو آگ مین پیدا ہوتا ہے۔ کباب کھینچنا محاورہ نہین ہے اگرچہ فارسی مین چیزین بھوننے کے لیے کشیدن ہی بولتے ہین مگر اردو مین اچھا نہین معلوم ہوتا اور قطعاً غیر مانوس ہے

حسن غمزہ کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد   بارے آرام سے ہین اہل جفا میرے بعد

غمزہ ابرو و چشم سے معشوق کے اشارہ کرنے کو کہتے ہین۔ غمزہ ہر وقت حسن سے کا لیم التیاطھا

اور اُسے تکلیف مین رکھتا۔ جب اُس حسُن و غمزہ نے مجھے قتل کردیا ہے تب حسُن اسکی کشاکش سے چھوٹا ہے خیر غنیمت ہے کہ ظالمونکو میرے مرنے سے آرام ملا۔ اور اب کسی کو قتل کرنے کی ضرورت نہین رہی اسکا حاصل یہ ہے کہ ظالمون کے ظلم مجھ پر ختم ہوگئے۔ اور میرے عشق کا کمال یہ ہے کہ اگرچہ مین جان سے جاتا رہا مگر پھر بھی اونکو چین اور آرام سے دیکھکر مجھے خوشی ہوتی ہے۔

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا　　ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

میرے بعد دُنیا مین کوئی فرد عہدۂ عشق کے قابل نہین رہا اور انداز و ادا معزول ہوگئے کیونکہ جب کوئی عاشق ہی نہین پھر غمزہ و ادا کس کام کے ہین۔ اسی زمین مین آتش مرحوم نے بھی اسی مضمونکو ادا کیا ہے فرماتے ہین ؎

ہوگیا سلسلہ مہر و محبت برہم　　نازنین بھُول گئے ناز و ادا میرے بعد

یہ ایک توارد ہے۔ کیونکہ مضمون بالکل پامال اور عام ہے مگر غالب نے مناسب الفاظ جمع کرکے شعر مین جان ڈالدی ہے اور یہ مانا ہوا مسئلہ ہے ع

لفظیکہ تازہ است بہ مضمون برابر است

شمع بجھتی ہی تو اُسمین سے دُھوان اُٹھتا ہے　　شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

چونکہ مین آتش عشق کے سوز و گداز سے جل بُجھا ہون تو شعلۂ عشق میرے غم مین سیہ پوش ہوگیا جیسے کہ جب شمع بجھُ جاتی ہی تو اُسمین دُھوان اُٹھتا ہے تو گویا وہ دُھوان نہین ہے بلکہ وہی شعلہ ہے جو شمع کے جل بجھُنے کے بعد سیہ پوش ہوگیا ہے۔ میرا ایک شعر ہے ؎

دلِ مرحوم کا غم کرتے ہین سب تیرے سوا　　شب غم تک نظر آتی ہے سیہ پوش مجھے

خوں ہی دلِ خاک مین احوال بتان پر یعنی　　اُنکے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

میرا دل خاک مین ملنے کے بعد (یعنی قبر مین) معشوقون کا حال دیکھکر نہایت غمگین اور رنجیدہ ہے کہ اُنکے ناخنونکو میرے بعد حنا کی احتیاج ہوئی۔ یعنی جب تک مین زندہ تھا وہ میرے دل کے خون سے اپنے ناخن اور ہاتھ رنگتے تھے۔ اور معشوقون کا خون مین ناخن اور

ہاتھ وغیرہ رنگنا ایک مشہور مضمون ہی۔ اس شعر مین دل کا خون ہونا۔ ایک مناسب نکتہ ہے جس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ مٹ جانے کے بعد بھی دل خود کو اس قابل بناتا ہے کہ رنگے ناخونکے کام آسکے۔ جناب نظم اور حسرت صاحب نے اس شعر کے معنے یہ بیان کیے ہین کہ معشوقون نے میرے سوگ مین مہندی لگانا چھوڑ دیا۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہین ہین۔ ایک جگہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

بہ خون عزیزان فرو بردہ چنگ   سر انگشت ہا کردہ عناب رنگ

یہ شعر میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔

درخور عرض نہین جوہر بیداد کو جا   نگہ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد

عرض خود کو کسی پر ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جوہر بیداد کو اب کوئی جگہ اپنے اظہار کیلیے مناسب نہین معلوم ہوتی۔ لہذا نگہ ناز نے سرمہ لگانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ مین جو تختۂ مشق ستم ناز تھا اب باقی نہین رہا۔ اس شعر مین عرض اور جوہر رعایت لفظی کے سبب سے لائے گئے ہین۔ مگر وہ عرض جو جوہر کی ضد ہے عرض بروزن مرض براے مفتوح ہے اور یہ بسکون راہے۔

ہے جنون اہل جنون کیلیے آغوش وداع   چاک ہوتا ہی گریبان سے جدا میرے بعد

میرے ساتھ جنون عشق دُنیا سے اُٹھ رہا ہے چاک گریبان (یعنی گریبان کا پھٹنا) ایک آغوش واشدۂ وداعی ہے جو گریبان سے میرے بعد جُدا ہوتا ہے۔ حاصل یہ رسم جنون اہل جنون مین میرے بعد باقی نہ رہے گی۔ اور اب کسی گریبان کو پھٹا ہوا نہ دیکھوگے۔ یہ مضمون تو نہین ہی مگر ایک جگہ مصنف نے کھلے ہوئے پھول کو بھی آغوش وداع کہا ہے ؎

آغوش گل کشادہ براے وداع ہے   اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

کون ہوتا ہے حریف مئ مرد افگن عشق   ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

ساقی بار بار صلا دیتا ہے۔ اور پکارتا ہے کہ کوئی ہے۔ جو مے مرد افگن عشق کا حریف بنے

مگر کون حریف ہوتا ہے۔ کسی مین یہ ہمت باقی نہین ہے۔ کہ شراب عشق پیئے۔ یہ دو نون معانی لفظ مکرر سے پیدا ہوتے ہین۔ کہ ایکبار ساقی بطور سوال یہ مصرعہ پڑھتا ہے اور دوبارہ بطریق مایوسی۔ اسی مضمون کا ایک شعر مرزا فاخر مکین کا ہے کہتے ہین کہ ؎

زن سیرتان دور جہان را خبر کنند ساقی گرفت ساغر مرد آزما ے ما

یعنے ساقی ساغر شراب مرد آزما کا ساغر لیے ہوئے کہتا ہے زمانہ کے نامردونکو خبر کردو کہ کوئی ایسا ہے جو اس شراب کو پیئے۔ زن سیرت ۔۔ کہکر یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ زن سیرت مرد آزما ساغر کو نہین پی سکتے۔ ایک جگہ علامہ فیضی فرماتے ہین ؎

گرد فنا شدند حریفان بزم عشق بر خاک ریز جرعۂ مرد آزما ے ما

یعنے جو اس شراب مرد آزما کے پینے والے تھے وہ گرد فنا ہو گئے یعنی خاک مین مل گئے اب کون ہے جو اس شراب کو پی سکے۔ لہذا کسی سے اسکے پینے کا متوقع نہ رہنا چاہیئے اسے زمین پر ڈالدو۔ خاک پر ڈالنے سے یہ نزاکت پیدا کی گئی ہے کہ اسکے پینے والے بھی خاک مین ملے ہوئے ہین۔ اب بھی اگر پیے گی تو انکی خاک ہی اسکو پی سکے گی۔ فیضی کا شعر نہایت بلیغ اور نازک ہے۔

اسی مرتبہ نظیری بھی اسی راستہ سے ہو کر نکل گئے ہین مگر ذرا بچے بچے فرماتے ہین ؎

کا نظیری در رضا غم خوردن وخوش بودنست دارم مے مرد آزما خوش یاد شیخ و شاب ما

انھون نے رضا کو شراب مرد آزما بتایا ہے۔

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہین دنیا مین کوئی کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

مین اس غم سے مرا جاتا ہون کہ میرے مرنے پر جو مہر و وفا کو ایک صدمہ عظیم پہونچے گا۔ کوئی انکا تعزیت کرنیوالا بھی نہین ہے۔

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

یہ شعر بھی قریب قریب پہلے شعر کے مضمون سے ملتا ہوا ہے۔ کہ میرے بعد سیلاب بلا یعنی عشق کس کے گھر جائے گا اسمین بے کسی کے لفظ کی تعریف نہین ہو سکتی۔ ان دونون شعرو نکے مضمون سے ملتا ہوا ایک شعر مومن مرحوم کا ہے جسمین درد کے ساتھ انکی شوخی بیان قابل تعریف ہے ؎

تو کہان جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے ۔ ہم تو کل خواب عدم مین شب ہجران ہونگے

(ردیف راے مہملہ ر)

بلاسے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار ۔ نگاہ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار

اگرچہ میری نظر کے سامنے در و دیوار ہین اور تیرا جمال دیکھنے کو روکتے ہین مگر کچھ پروا نہین ہے میری نگاہ شوق کے لیے یہی در و دیوار بال و پر کا کام دینگے اور ضرور میری نگاہ کو وہان پہونچا دینگے بال و پر بننے کی یہ وجہ ہے کہ رکاوٹون سے شوق مین اور ترقی ہوگی جناب بیخود دہلوی کا ایک شعر ہے خوب فرمایا ہے ؎

دیکھ لیتی ہین پس پردہ سمجھے ۔ ہین کچھ ایسی بھی نگاہین خاص خاص

وفور اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ ۔ کہ ہو گئے میرے دیوار و در در و دیوار

یعنی طوفان اشک نے میرے گھر کو زیر و زبر اور درہم و برہم کرکے بیرنگ کر دیا ہے کہ جہان دیوارین تھی انکو توڑ کر در بنا دیے اور جہان در تھے وہان مٹی جمکر دیوارین بن گئین

نہین ہے سایہ کہ سُن کر نوید مقدم یار ۔ گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار

جسکو دیوارون کا سایہ سمجھے ہوئے ہو یہ در اصل سایہ نہین ہے بلکہ یار کے آنیکی خوشخبری سُنکر چند قدم در و دیوار استقبال کو گئے ہین۔

ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ ۔ کہ مست ہے ترے کوچہ مین ہر در و دیوار

شراب جلوہ کو تو نے کس قدر ارزان کر دیا ہے کہ در و دیوار تیرے کوچہ مین مست ہو رہے ہین بظاہر مستی کا کوئی ثبوت نہین معلوم ہوتا محض ادعا ہے۔

جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ ۔ کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار

اگر تجھے میرے سودائے انتظار کی خریداری کی خواہش ہے تو آ۔ کیونکہ میری نظرین بھی

ڈھونڈھنے کے لیے ہر در و دیوار پر پڑ رہی ہین تو کثرت نظر سے در و دیوار دوکان متاع نظر بن گئی ہین۔

وہ آرہا مرے ہمسایہ مین تو سایہ سے　　ہوے فدا در و دیوار پر در و دیوار

وہ میرے قریب جو آکر رہا ہے تو میرے مکان کا سایہ اُسکے مکان کے سایہ کی بلائین لیتا ہے (ہمسایہ مین آرہا) اگرچہ زبان عوام ہے مگر صحیح نہین ہو سکتا مُصنّف محض دوسرے مصرع کے سبب سے لکھ گئے ہین۔

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی　　ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

ہمیشہ بغیر تیرے گھر کی آبادی میری نظر مین کھٹکتی ہے اور اپنے در و دیوار کو دیکھکر میرے آنسو نکل آیا کرتے ہین کسی چیز کے آنکھ مین کھٹکنے سے آنسو نکلنا مسلم ہے معمولی شعر ہے۔

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے　　کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار

کونسا ایسا دن ہوا ہے کہ مین رویا اور در و دیوار نہین گرے۔ عجب نہین کہ مُصنّف یہ کہنا چاہتا ہو کہ جب مین نے رونے کا سامان کیا در و دیوار نے خوشامد کی کہ نہ رو ورنہ ہماری خیریت نہین۔

نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب　　کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

عیش مقدم سیلاب سے میرے گھر کے در و دیوار بیخود ہو کر گر پڑے ہین اور ناچ رہے ہین ظاہر ہے کہ سیلاب مین کوئی چیز کہین کوئی چیز کہین تیرتی ہوئی پھرا کرتی ہے مُصنّف نے ایک شعر اس مضمون کا اور بھی کہا ہے ؎

مقدم سیلاب سے کیا دل نشاط آہنگ ہے　　خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

مگر اسمین اور شعر اول الذکر مین یہ فرق ہے کہ وہان مُصنّف اپنے دل کی خوشی کا مقدم سیلاب سے اظہار کرتا ہے اور یہان در و دیوار کا لظم صاحب نے اس شعر کے معنے بھی پہلے شعر کیطرح بیان کیے ہین اور خیال مین کوئی فرق نہین دکھایا۔

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے مین — حریف راز محبّت مگر در و دیوار

غالب اگرچہ تیرے رموز اور راز محبت کا سننے والا سوائے در و دیوار کے کوئی نہین مگر پھر بھی یہ بات کسی سے نہ کہہ لوگ تجھے دیوانہ خیال کرینگے کہ در و دیوار بھی کہین راز محبت سنتے ہین یا در و دیوار سے باتین کرنا یہ کوئی عقلمندی ہے بلکہ تجھے اظہارِ راز محبت کا الزام دینگے

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر — جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

جب تیرے دروازے پر بغیر تیرے اجازت کے بے حیا ہو کر مین نے گھر بنا لیا تو کیا تو اب بھی میرے گھر کو بتائے بغیر نہ سمجھے گا اور یہ الزام دیتا رہے گا کہ ہمین تیرا گھر ہی نہین ملتا

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن — جانون کسیکے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

یعنے یہ ظلم دیکھئے کہ مجھ مین ضعف سے جب طاقت سخن باقی نہین رہی ہے تب وہ لوگون سے کہتے ہین کہ مین اسکی تمنا پوری کرون تو کیونکر کرون مجھے کسی کے دل کا حال کیا معلوم ہے ایک جگہ نئے انداز سے مصنف اس مضمون کو یون بیان کرتا ہے ؎

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسشِ حال — کہ یون کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہتے

عجب نہین کہ زمانہ حال کا کوئی شاعر موہوم "سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ" مین ذم کا پہلو نکالے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا۔

چھوڑونگا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مین اِس بت کافر کا پوجنا نہ چھوڑونگی چاہے خلق سب مجھے ہمیشہ کافر کہے جائے۔ خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی مے کند — آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

کام اس سے آپڑا ہے کہ جسکا جہان مین — لیوے نہ نام کوئی ستمگر کہے بغیر

تقدیر سے میرا ایسے شخص سے کام پڑا ہے جسکو دنیا مین سبھی ظالم کہتے ہین۔ نظم صاحب لکھتے ہین

کہ لیوے دیوے کھوے دلی کی زبان مین بہت ہے یہ بقاعدۂ صرف بھی غلط ہے اور متروک بھی لیکن لیوے دیوے ہووے بھی گویا صحیح ہی مگر ترک ہوتا جاتا ہے حضرت جانے کیا مطلب ہے کہ اسی کو صحیح کہتے ہین اسی کو غلط فرماتے ہین مین کہتا ہون کہ یہ الفاظ داغ اور امیر کے زمانے سے متروک ہوے ہین۔ غالب کے زمانے تک بے تکلف نظم کئے جاتے تھے دوسرے یہ غلط العام فصیح ہے تیسرے یہ کہ محاورہ مین قیاس اور صرف و نحو کا دخل نہین ہے۔

جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم   سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

ہم جو دشمنون کو جواب نہین دیتے ہین اس کا یہ سبب نہین ہے کہ ہم کسی سے دبتے ہین یا کسیکا ہمکو ڈر ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دل مین کسیکی شکایت ہی نہین ہے اور ہم صاف باطن ہین اگر ایسا نہو تو بلا سے قتل ہی کیون نہ ہو جائین مگر کہے بغیر نہ رہین گے مولانا ناطق گلاوٹھوی فرماتے ہین ؎

آتی نہین تو ایک وہی خوئے دشمنی   ہم ورنہ دشمنون سے کسی طرح کم نہین

دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہمکو معشوق کی صرف اک محبت ہے ہمارے دل مین کوئی تمنا نہین ہے اگر کوئی تمنا ہو تو مرین یا جئین ضرور کہہ گزرین۔

مقصد ہے ناز و غمزہ وے گفتگو مین کام   چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

مقصود گرچہ ناز و غمزہ ہے مگر گفتگوے شاعرانہ مین دشنہ اور خنجر کہے بغیر کام نہین چلتا ہے یعنے بغیر استعارہ و تشبیہات کے شاعری کا کوئی لطف نہین۔ ایسی حالت مین بس شاعر یہی بکنے لگتا ہے ؎

دندان تو جملہ در دہانند   دو چشم تو زیر ابر وانند

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو   بنتی نہین ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

چاہے مشاہدۂ حق کی ہی گفتگو کیون نہو مگر شاعری مین انھین بادہ و ساغر ہی کہنا پڑتا ہے یہ شعر بھی مثل شعر سابق کے ہے۔

بہرا ہون مین تو چاہیئے دونا ہو التفات   سُنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

اگر مین بہرا ہون تو آپکو دونا التفات چاہیئے کیونکہ جب تک بات مکرر نہین کہی جاتی مین سُنتا نہین ہون -

اس شعر کی نسبت ایک بزرگ مجھ سے فرماتے تھے کہ آخر مین جب مرزا غالب دربار مشاعرہ مین شریک ہونے لگے تھے تو بادشاہ انھین سے شوری کرتے تھے انکا دستور تھا کہ غزل خود ولیعہد بہادر سے سُنا کرتے تھے اور جو شعر اچھا ہوتا تھا صرف اسپر داد دیتے تھے ایک مرتبہ بادشاہ کوئی غزل سُنا رہے تھے کہ اسمین ایک اچھا شعر پڑھا مگر ادھر سے نہ داد دی گئی نہ کوئی ہون ہان ہوئی کیونکہ مرزا شراب پیئے ہوئے تھے - بادشاہ خود سخن سنج اور سخن فہم تھے یہ بے محل سکوت ناگوار گذرا تیور دنیر بل پڑا - ادھر مرزا بھی ادا شناس تھے - تاڑ گئے دربار مین یہ حکماً جو باتین کرتے تھے وہ نظم مین ہوتی تھین - لہذا فوراً نظم کر کے فرمایا ؎

بہرا ہون مین تو چاہیئے دونا ہو التفات   سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

شاہ عالم پناہ مسکرائے دوبارہ شعر پڑھا - اور حسب دلخواہ داد لی - خدا جانے کہانتک صحیح ہے کہانتک غلط ہے - ہان البتہ مقطع یہ ضرور بتاتا ہے کہ یہ غزل دربار مین پڑھی گئی ہے -

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض   ظاہر ہے تیرا حال سب اُنپر کہے بغیر

دیکھئے اپنے حال کو کس صفائی سے عرض کیا ہے - یہ بھی ایک معنوی خوبی ہے - ایسے ہی ایک جگہ شکریہ کا نیا پہلو ہے ؎

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا   وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

کیون جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھکر   جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

کیا اچھا ہوتا کہ رُخ یار کی تاب دیکھکر مین جل جاتا کہ مجھکو یہ صدمے نہ اُٹھانے پڑتے مین اپنی طاقت دیدار سے جل رہا ہون کہ اس نے اسکے جمال جہان سوز کو دیکھ لیا اور مین جل نہ گیا - یا یہ کہ انتہائے رشک کی حالت بیان کی گئی ہے - کہ میری آنکھون نے اُسکو

کیون دیکھا مین جل کیون نہ گیا - آخری مضمون کا مرزا نے دو تین جگہ اعادہ کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یا ؎ - تکلف بر طرف نظارگی مین بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہاے شرر بار دیکھکر

چونکہ مین رات دن آتشین نالے کرتا ہون اس لحاظ سے لوگ مجھے آتش پرست کہنے لگے حالانکہ مین آتش پرست نہین ہون ایک جگہ کہتے ہین ؎

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہون اُس بت بیداد گر کو مین

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا
رُکتا ہون تم کو بے سبب آزار دیکھکر

آپ بے سبب آزار ہین اسواسطے مین اب اپنے آپکو آپ کے عشق سے روکتا ہون - کیونکہ مین تو عاشق ہون مجھ پر تو یون جفائین کرتے ہو - مگر رقیب جو عاشق نہین ہے تم اُسپر بھی میری طرح ظلم کرتے ہو جو بالکل بے سبب ہے لہذا مین اجتناب کرتا ہون کہ عاشق اور بوالہوس مین اسطرح سے کوئی فرق باقی نہین رہتا - اور میرے عشق کی آبرو پر دھبہ آتا ہے ایک جگہ نواب مصطفٰے خان شیفتہ مرحوم بالکل یہی مضمون نہایت درد انگیز لہجہ مین فرماتے ہیں ؎

کس توقع پہ جئین شیفتہ مایوس کہ ہم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہین ہین

نواب مرزا داغ فرماتے ہین ؎

شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہمکو حریص لذّت آزار دیکھ کر

افسوس صد افسوس یار نے ظلم سے بھی ہاتھ اٹھالیا - کہ مجھکو حریص لذت آزار دیکھا اور اب مین اس سے بھی محروم ہون - ایک شعر پہلے اسی قسم کا لکھا جا چکا ہے ؎

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق　　لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

موج مے تیری رفتار مستانہ دیکھکر لرز رہی ہے کہ اس سے ایک عالم کے دل پامال ہونگے - اور یہ سب خون گردن مینا پر ثابت ہونگے - کیونکہ شراب پیکر تیری رفتار ایسی ہوئی ہے - اس شعر کا مطلب لکھنے کے ساتھ ہی ایک شعر معمّا مجھے یاد آیا - جیسے شاید حافظ نے بچپن کے زمانہ سے جب یہ سُنا ہو گا شاید آج ہی کے لیے امانت کیطرح رکھ چھوڑا تھا - معمّا یہ ہے ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا　　کہ ناحق خون پروانہ کا ہو گا

یعنے شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دینا - وہان وہ چھتہ لگائیگی اس سے موم نکلے گا اور موم سے شمع بنے گی اور وہ جلے گی جسپر پروانہ اپنی جان نثار کرے گا -

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے　　مرتا ہون اُسکے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

میرے قتل کو نہایت جوش و خروش سے آتا ہے اور تلوار ہاتھ میں لیے ہے مگر مین رشک سے مرا جاتا ہون کہ تلوار کی اُسکے ہاتھ تک کیون رسائی ہوئی -

بک جاتے ہین ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ　　لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

ہم اپنے متاع سخن کے خریدار کے ساتھ خود بک جاتے ہین لیکن اُس حالت مین جب اُسکی طبیعت کا اندازہ کر لیتے ہین مطلب یہ کہ جو میری شاعری کی قدر دانی کرتا ہے مین بھی اُسکی قدر کرتا ہون مگر اُسکی طبیعت کا اندازہ کرنے کے بعد - اور بک جانیکی وجہ یہ ہے کہ میرے کلام کا جو شخص خریدار ہے وہ یقیناً ذوق صحیح رکھتا ہے -

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال　　رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

تسبیح اور زنار دونون ایک ہی منزل پر پہونچنے کے راستہ ہین مگر فرق یہ ہے کہ زنار کی راہ ہموار ہے اور تسبیح کی راہ مین نشیب و فراز ہونے کی وجہ سے ٹھوکرین کھانی پڑتی ہین لہذا زنار پہن لے اور تسبیح کو توڑ ڈال ہموار راستہ پر مسافر چلا کرتے ہین - شعرا عام طریقہ سے زنار کو تسبیح پر ترجیح دیتے ہین کعبہ پر بتخانہ وغیرہ کو فوقیت دیجاتی ہے اور یہ صرف

اسوجہ سے ہے کہ انھون نے اپنی اصطلاح مین انھین چیزونکے جنکے مشہور نامونکی برائیان کرتے ہین یہ نام رکھ لیے ہین۔ ورنہ در اصل نہ کوئی کعبہ اور تسبیح و مصلے کے خلاف ہے نہ بتخانہ وغیرہ کا معتقد ہے انکے بر عکس نام رکھنے کی وجہ معلوم نہین کیا ہے۔

ان آبلون سے پانوٗنکے گھبرا گیا تھا مین　　جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

ان (اسم اشارہ) عمدًا لایا گیا ہے جسنے یہ فائدہ دیا ہے کہ گویا آبلونکی شکایت کرنے والا ہجا طب اپنے پانوٗن کے آبلے دکھا رہا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے گھبرا گیا تھا۔ مگر ذرا پُر خار جنگل دیکھکر میرا جی خوش ہوا ہے۔ کہ یہ سب پھوٹ جائین گے

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینہ مین مرے　　طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

وہ مجھ سے کتنا بدگمان ہے کہ میرے آئینہ مین جو زنگ لگا ہوا ہے (یعنے میرا دل جو غمون سے مکدر ہے) اُسکو زنگ نہین سمجھتا۔ بلکہ طوطی سمجھتا ہے (یعنی سمجھتا ہو کہ اسے کسی دوسری چیز کی بھی میرے سوا سے محبت ہے) ایک جگہ فرمایا ہے ؎

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاش کے　　اس قدر ذوق نواے مُرغ بستانی مجھے

مگر پہلے شعر مین اور اسمین فرق یہ ہے کہ وہان مصنف محض بدگمانیٔ معشوق کا اظہار کرتا ہے اور خود کو طوطی پالنے سے بری الذمہ ثابت کرتا ہے۔ دوسرے مین اپنے شوق کو نفرین کرتا ہے اسمین دوسرا پہلو معانی کا یہ بھی نکلتا ہے کہ زنگار آئینہ سے طوطی کے چھپا دینے کی بدگمانی کرتا ہے۔ اس لیے کہ طوطی کو آئینہ کے پیچھے رکھتے ہین اور پڑھانے ہین تو یہان بھی معشوق بدگمان سمجھتا ہے کہ اسنے میری گفتگو کا جریہ اُتار نے اور سکھلانے کے لیے طوطی کو آئینہ کے پیچھے چھپا رکھا ہے اور ظاہر ایہ بدگمانی کی وجہ ہے ظاہر ہے کہ طوطی وہی باتین جو آئینہ کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی کہتا ہے کرنے لگتا ہو جیسے کہنے والا اس شعر مین احکام مرقومہ ازل کے اظہار کی تشبیہ دیکر کہتا ہے ؎

دربس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ اُستاد ازل گفت بمان میگویم

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر　　دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کہتا ہے کہ طور گویا ایک ایسا تنگ ظرف تھا جو نشۂ شراب برق تجلی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا لہذا چاہیئے تھا کہ برق طور ہم پر گرتی - ہمارا ظرف ایسا تھا کہ ہم اُسکو ضبط کر سکتے - غالب کا یہ شعر مقبول ہے اور فی الواقع تعریف سے مستغنی ہے - اس قوت اور مشق کا مصرع لگانا غالب ہی کا کام تھا - عرفی نے ایک جگہ اس مضمون کو اس سے بھی ایک درجہ بڑھا کر کہا ہے فرماتے ہیں ؎

نہ کوتہی ز عطا بود و عشق میداند | کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

یعنے عطا نے ہمارے ساتھ کوتاہی نہیں کی تھی اُسنے اپنے نزدیک ہمکو خلعت موزون دیا تھا مگر ہمارا عشق جانتا ہے اور اسبات کا گواہ ہے - کہ دربار عطا سے جو ہمکو خلعت طور عنایت ہوا وہ ہمارے کرشمہ اور ہمارے حال پر تنگ تھا - یعنی ہم پر برق طور سے بھی کچھ زیادہ کرنا چاہیئے تھا -

سر کھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا | یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھکر غالب مجنوں کا سر پھوڑنا مجھے یاد آگیا بہ لحاظ بندش کے یہ شعر بےمثل ہو — دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے | بیٹھنا اُسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

لرزتا ہی مرا دل زحمت مہر درخشاں پر | مین ہوں وہ قطرۂ شبنم جو ہو خار بیابان پر

مین وہ ایک قطرۂ شبنم ہوں جو نوک خار پر ہو - اور میرے جذب کرنے کو آفتاب نے زحمت کی ہو میرا دل اُسکی تکلیف پر کڑھتا ہے کہ ایسے ناچیز قطرہ کے لیے جسکا فنا ہو جانا اک امر یقینی تھا اُسنے ناحق تکلیف کی - دل کا لرزنا اسلیئے کہا گیا کہ آفتاب بھی صبح کو کانپتا ہوا نکلتا ہے

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی | سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہو زندان پر

یاں بھی سے پتہ چلتا ہے کہ قید مین اُنکو خانہ آرائی چھوڑ دینی چاہیئے تھی مگر حسن تکلفات سے کسی جگہ باز نہیں رہتا - قید خانے پر پھیرنے کے لیے دیدہ یعقوب کا نور لیا گیا ہے پھرتی ہو ایک ذو معنے لفظ ہے جس سے گردش کرنے اور ڈھونڈھنے کے معنے بھی مفہوم ہوتے ہیں

تلمیح ظاہر ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روتے روتے بے نور ہوگئیں تھیں۔

فنا تعلیم درس بیخودی ہوں اُس زمانہ سے	کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

میں بیخودی عشق سے اُس زمانہ سے تعلیم فنا حاصل کرتا ہوں کہ مجنوں اُسوقت تک طفل مکتب تھا اور دیواروں پر لکیریں کھینچتا تھا۔ لام الف لکھنے سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ یعنی وہ لا لکھتا تھا جسکا مفہوم یہ ہے کہ اُسوقت تک وہ نیستی کی مشق کرتا تھا یا یہ کہ وہ لیلا پورا نہ لکھ سکتا تھا یعنی ہنوز اُسکو لیلی کا عشق کامل نہ ہوا تھا۔

فنا تعلیم درس بیخودی۔ مصنف کی تراشی ہوئی ترکیب ہے۔ اور یہ ایسی ہی ہے جیسے یک الف بیش وغیرہ یہ مرزا بیدل مرحوم کا اتباع ہے۔ جنکی نسبت آزاد مرحوم نے خزانۂ عامرہ میں یہ لکھا ہے میرزا در زبان فارسی چیزہاے غریب اختراع نمودہ کہ اہل محاورہ قبول ندارند۔ بلے قرآن کہ کلام خالق السنہ است سر رشتۂ موافقت زبان در دست دارد۔ اگر اختراعی خلاف زبان میداشت فصحاے عرب قبول نمیکردند۔ غیر فارسی کہ تقلید زبان فارسی کند بے موافقت اصل چگونہ مقبول اہل محاورہ تواند شد۔

اما خان آرزو در مجمع النفائس گوید کہ چون مرزا از راہ قدرت تصرفات نمایان در فارسی نمودہ مردم ولایت وکاسہ لیساں ایشاں کہ از اہل ہند اند در کلام آن بزرگوار سخنہا دارند و فقیر در صحت تصرف صاحب قدرتان ہند۔ ہیچ سخن ندارد۔ بلکہ قائل است چنانچہ در رسالہ داد سخن بہ براہین ثابت نمودہ ہر چند خود تصرف نمی کند۔

یہاں تک تو میں نے جو کچھ لکھا مرزا کی فارسی تراکیب کے لیے لکھا۔ کہ انکی صحت میں کلام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ غالب مرحوم فارسی زبان میں صاحب قدرت تھے اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی ضرور کہونگا۔ کہ آج جو اہل دہلی و لکھنؤ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے محاورات کے سوائے دوسرے شہر والوں کے محاورات اور ہماری زبان کے سوائے دوسری جگہ کی زبانیں نامقبول ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے۔ تعجب ہے کہ ایران کی زبان کے محاورات میں تصرف ایک قادر الکلام فارسی گو ہندی شاعر کے یہاں غیر مقبول نہو اور ہندوستان کے الفاظ ہندوستان ہی میں مردود ہو جائیں۔ آج اگر غور کیا جائے تو لکھنؤ دہلی میرٹھ مرادآباد علیگڈھ بلند شہر آگرہ وغیرہ کی زبانوں میں بہت کم فرق باقی رہ گیا ہے اور اُردو کی

ترقی نے ان سب شہروں کی زبانوں کو مماثل بنا دیا ہے۔ اور سوائے چند بیگمات کے محاورہ کے (جن سے غالباً شعراء کو کبھی کام نہیں پڑتا) کچھ دہلی اور لکھنؤ کے خزانہ میں باقی نہیں ہے مگر پدرم سلطان بود پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور اب تک دنیا کی زبان کو غلط سمجھا جاتا ہے۔ یہ اگر ناانصافی نہیں ہے تو اسکو انصاف سے تعبیر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ حالانکہ اب تک جتنے مستند شعرائے ریختہ گو گذرے ہیں اون میں سے اکثر باہر کے رہنے والے تھے۔ مثلاً غالب آگرہ۔ اور مصحفی امروہہ۔ میر تقی میر آگرہ۔ میرزا جان جان۔ مظہر دکھنی۔ مرزا رفیع السودا کے باپ کابلی۔ جرأت کے بزرگ اکبرآبادی۔ انشاء اللہ خان کشمیری الاصل شیخ ناسخ کے والد کا وطن لاہور۔ آتش مصحفی امروہوی کے شاگرد۔ مولوی عبدالرحمٰن راسخ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے۔ اسیر مرحوم امیٹھی کے بیان مرحوم میرٹھ۔ خواجہ بقاء اللہ خان بقا البرآباد کے رہنے والے تھے۔ دیہات یا دوسرے شہروں سے لکھنؤ اور دلی میں آئے سب نے انکی زبانوں کو مستند ہی نہیں سمجھا بلکہ انکا اتباع کیا۔ آتش جنکی آتش بیانی کا آج تک شہرہ ہے۔ لکھنوی ہونے کی حیثیت سے بجو من دیگرے نیست پر عمل کرتے تو کبھی ایک دیہاتی کے حلقہ تلامذہ میں داخل نہ ہوتے۔ اسکے سوائے دہلی اور لکھنؤ دونوں میں بہت سے الفاظ غلط بولے جاتے ہیں۔ اگر کوئی باہر کا رہنے والا انکے مقابلہ میں صحیح الفاظ بولتا ہے تو اسکا مزاح کیا جاتا ہے اور وہ غلطی اور الٹی اسی کے سر رکھدی جاتی ہے۔ کیوں اسلیے کہ دلی اردو کی زاد بوم ہے اور لکھنؤ میں دہلی کے اجڑنے کے بعد اہل کمال کے جمگھٹ رہے ادھر لکھنؤ اور دلی کی سرحد سے کوئی باہر نکلا ادھر اسپر زبان کی لاعلمی کا الزام لگا یا گیا اس کے ساتھ ہی ایک لطف اور دیکھئے کہ وہی دیہاتی جبیر آوازے کسے جاتے ہیں۔ جو کچھ لکھ گئے ہیں انھیں سے سند پیش کیجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم مولانا حالی اور شبلی رح کی تصانیف کو پیش کرتے ہیں حالی پانی پت کے رہنے والے تھے شبلی اعظم گڈھ کے باشندے تھے آزاد نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ لاہور میں گذارا مولانا نذیر احمد نے بجنور کے ضلع میں ہوش سنبھالا۔ پھر ان کی زبان کو مستند کیوں مان لیا گیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ایران میں شیراز گویا دلی ہے اور وہاں کی زبان مستند ہے۔ مگر آجتک کسی نے یہ نہیں بتایا کہ نظامی جو گنجہ کے خاقانی شروان کے۔ ظہوری ترشیز کے فردوسی طوس کے مولانا جامی جام کے نظیری نیشاپور کے رہنے والے تھے انکو استادی کا خطاب کس بنا پر دیا گیا اور ان کی زبان

مستند کیوں مانی گئی درآں حالیکہ انکے مساکن اور انکی زاد بوم دیہات اور قصبوں سے زیادہ وقیع نہ تھے۔

سعدی شیراز کے رہنے والے تھے۔ مگر جب سلطان محمد ولی آں حاکم ملتان نے انکو ہند میں بلایا، تو باوجود اہل زبان اور مستند ہونے کے اُنھوں نے کیوں لکھدیا کہ امیر خسرو کو میری جگہ دیکھ لو ظاہر کوئی بات انصاف کے سوائے ایسی نہیں تھی کہ سعدی کو اس جواب کے دینے پر مجبور کرتی خیال یہ تھا کہ زبان کسی خاص شہر اور جگہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ جسکو خدا دے ان لوگوں کی زبان صاف دیکھی انصاف پسند دل نے مستند سارٹیفکٹ دینے پر مجبور کر دیا عرب کو دیکھئے وہاں خانہ بدوش قوموں کی زبان مستند مانی جاتی ہے شہروں کی زبان اس لیے مستند نہیں سمجھی جاتی کہ باہر کے لوگ وہاں تجارت کے لیے آتے جاتے ہیں۔ اسی کلیہ کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہی زمانے میں بہت سے اُمراء کو جاگیریں ملی ہیں اور انھوں نے پرگنہ اور قصبہ آباد کیے ہیں اور شریف خاندان وہاں رہے ہیں۔ اُنکے گھرانے آجتک موجود ہیں انکی طرز معاشرت اُنکی زبان وہی نسلاً بعد نسلاً چلی آتی ہے۔ اُنکی تعلیم و تربیت شہروں سے اچھی۔ مگر جب شہر والے زبان کا ذکر سُنتے ہیں کہدیتے ہیں کہ یہ تو ہمارا حصہ ہے۔ یہ آخر کیوں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں یعنی ابعدین تعقیہ منعکس ہے مگر اس سے دوسروں کی زبان غیر مستند نہیں پڑتی۔ شاعری کے لحاظ سے دہلی مٹ چکی۔ لکھنؤ میں چند چراغ ہیں جو جھلملاتے نظر آتے ہیں چند آفتاب ہیں جو لب بام ہیں۔ الفاظ کی تراش خراش بند ہو گئی۔ ترقی تعلیم نے سب جگہ اپنا اثر دکھا رکھا ہے پُرانے محاورات جو لکھنؤ اور دلی کو متقدمین سے ملے تھے ہندوستان بھر کے شہروں میں پھیل چکے مشاعرے ہونے بند ہو گئے یا کم از کم ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں زبان اُردو کی ترقی کے لیے مشاعرے منعقد ہونے لگے۔ ہندوستان کے مشہور شاعروں سے اُنکے تبادلہ خیالات ہوتے ہیں۔ ترقی زبان کے لیے انجمنیں قائم ہیں۔ مگر جب انھیں قصباتی یا دیہاتی لوگوں میں سے کوئی لکھنؤ یا دلی کے مشاعروں میں غزل پہلو بہ پہلو پڑھتا ہے۔ تو غزل کے مضامین کیسے ہی اعلیٰ اور جذبات کتنے ہی موثر اور دلکش ہوں۔ مگر ضد سے اپنی وضع پر قائم رہنے کے لیے ماتھے پر شکن ڈالنا فرض سمجھ رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ انصاف کا خون کرنا ہے۔ ان زبردستیوں سے کام نہیں چلتا زمانہ سمجھ چکا ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو زبان زبان کا وظیفہ دن رات رٹ رہے ہیں۔

سوائے اس زبان کے جس سے دُنیا کو بُرا کہا جاتا ہے کچھ باقی نہین ہے۔
اب شاعری کا موازنہ کیجیے تو ہنسی آتی ہے ادھر یہ لوگ فخر کے ساتھ کہتے ہین کہ شاعری ہمارا حصہ ہے زبان ہماری لونڈی ہے۔ ہمارے یہاں کے جاہل گنوار دیہاتی اور دوسرے شہر کے تعلیم یافتون سے کچھ اچھا کہہ لیتے ہین۔ اُدھر وہ لوگ جب اُن کے خیالات کو سُنتے ہین تو غریبوں کو مُنھ مین رومال دیکر ہنسنے کے سوائے کچھ بن نہین پڑتا۔
دہلی کی حالت یہ ہے کہ وہان تو سادگی زبان کے سوائے نہ جذبات سے کام نہ مضمون آفرینی سے غرض۔ لکھنؤ کی کیفیت کہ رونے کے سوائے دوسرا کام ہی باقی نہین رہا۔ نہ زبان سے غرض نہ اصلی اور دلی جذبات سے مطلب وہی ہر پھر کر رونے کے مضمون لکھے جاتے ہین۔ یا قید۔ آشیانے کا جلنا اجڑنا نزع کی سختیاں ہمیش نظر رہتی ہین۔
زبان کے اصول مین سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے مشابہ دیکھ کر نام رکھے گئے ہین۔ اور یہ قاعدہ۔ عربی۔ فارسی۔ اردو مین عام ہے۔ تو اسمین اگر ایک شہر کے باشندے کسی شئے کو کسی شئے سے مشابہ پاکر کوئی اُس نام کے سوائے (جو اہل لکھنؤ یا دہلی نے رکھا ہے) دوسرا نام رکھے ہوئے ہین تو اُسے اگر آپ اپنے یہان کا نام موجود ہونے کی وجہ سے زبان پر لانا گناہ سمجھین۔ تو دوسرے کو وہ نام جو اُس نے کسی خاص مناسبت سے رکھا ہے اور اسمین کوئی قباحت نہین ہے زبان پر لاتے ہوئے دیکھکر آپکو غلط کہنے کا کیا حق ہے مثال کے طریقہ پر لیجیے۔ بڑی جوار (مکئی) کی بالی کو لکھنؤ اور دلی مین بھُٹّا کہتے ہین اور یہ اسوجہ سے کہ بھُٹّا۔ گردن کو کہتے ہین چونکہ گردن اوپر ہوتی ہے اور بالی بھی درخت کے اوپر نکلتی ہے اسواسطے تشبیہ بہ ادنے ملابست کا قانون جاری کرکے اسکو اس نام سے مشابہ کیا گیا۔ مگر میرٹھ کے ضلع کے بعض قصبات مین اسکو گُگڑی کہتے ہین اور گُگڑی شہد کے چھتہ کو بھی کہتے ہین۔ چونکہ اسمین اسکی پوری مشابہت ہے اسواسطے اُنھون نے اس کا وہ نام رکھ لیا۔ اب اگر لکھنؤ مین بھُٹّے کو کوئی گُگڑی کہے تو قائل کو غلط گو کا خطاب کیون دیا جائے۔ اُنھون نے بھُٹّا چھوٹی جوار کی بالی کا نام رکھا ہے اس لیے کہ اُسمین پوری مشابہت گردن کی ہے۔
پانی کے ظرف کو گھڑا کہتے ہین۔ اگر بعض جگہ اسکو تھالی کہتے ہیں۔ یہ لفظ تال سے بگڑ کر اس صورت مین آگیا ہے۔ جسکے معنے تالاب کے ہین۔ پھر اُسکو غلط کیون کہا جائے۔

شہر کا محاورہ گلو اور نیم چڑھی ہے۔ مگر اکثر قصبات میں کریلا نیم چڑھا کہتے ہیں حالانکہ گلو اور کریلا دونوں کڑوے ہیں۔
مرغے کی ایک ٹانگ شہر کا محاورہ ہے۔ مگر بعض جگہ اسی محل پر مرغے کی تین ٹانگ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ جو محاورہ کے وضع ہونے کا مقصد ہے وہ دونوں میں موجود ہے بعض الفاظ قصبات و دیہات میں ایسے مستعمل ہیں جو فارسی ہیں اور جانبین میں سے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ لفظ غیر زبان کا ہے۔ مگر جب کوئی قصباتی وہ لفظ استعمال کرتا ہے تو غلط سمجھا جاتا ہے۔ مثالاً لیجئے۔ کنڈا۔ اسکو اکثر جگہ اُپلہ کہا جاتا ہے مگر بولنے والے اسکو ہندی سمجھکر بولتے ہیں اور غلط کہنے والے بے سوچے سمجھے غلط کہدیتے ہیں میرا مطلب اس سب فضول تحریر سے نہ دہلی پر اعتراض کرنا ہے نہ لکھنؤ پر بلکہ کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر کسی لفظ کو آپ اپنے نزدیک فصیح نہ سمجھیں تو خیر آپ کی خوشی مگر غلط کہدینیکا مجاز آپکو نہیں ہے۔ آج زبان اُردو کی اسقدر ترقی کے بعد یہ حق باقی نہیں رہا ہے کہ ہندوستان بھر کی زبان لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اور زبان کی غلامی کرے۔

فراغت کسقدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے ‌ ‌ ‌ بہم گر صلح کرتے پارہا ئے دل نمکداں پر

مرہم کی تشویش سے میں آزاد اور فارغ البال رہتا اور اسکی جستجو میں دربدر ٹھوکریں کھانی نہ پڑتیں اگر میرے دل کے ٹکڑے نمک چھڑکنے کی ایذا پر راضی اور خوش رہتے گویا ایک عاشق کے لیے جستجوئے مرہم نمک کے ہوتے باعث ننگ ہے یہ بھی پہلو نکلتا ہے کہ میرا قاتل جو میرے پارہ ہائے دل پر نمک چھڑکتا ہے تو اُس سے دل کے ٹکڑوں کو وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ آپسمیں لڑتے جھگڑتے ہیں اسوجہ سے ایمین اس فتنے کے دبانے اور اس فساد کے مٹانے پر مجبور ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس پر مرہم لگادوں تاکہ یہ سب اس لذت سے محروم ہو جائیں کاش ان ٹکڑوں میں باہمی نفاق ہوتا جتنا جتنا نمک جسکے حصہ میں آیا تھا اسی پر راضی رہتے تو مجھے مرہم کے ڈھونڈھنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑتی۔

نہیں اقلیم اُلفت میں کوئی طومار ناز ایسا ‌ ‌ ‌ کہ پشت چشم سے جسکے نہووے مہر عنوان پر

طومار۔ دفتر۔ پشت چشم۔ اغماض۔ چشم پوشی۔ عنوان۔ سرنامہ یعنی محبت کی ولایت

اور قلمرو میں کوئی دفتر اور کوئی فرمان ایسا نہیں ہے جسپر معشوق کی اغماض اور بے پروائی کی مہر نہو یعنی معشوقوں کے ناز کے ساتھ ہی اغماض اور آنکھیں پھیر لینا بھی پایا جاتا ہے گویا ادھر عاشق کا ناز و ادا سے دل لیا اور ادھر آنکھیں پھیرن لفظ عنوان اس لئے صرف کیا گیا ہے کہ عنوان ابتدا ہی میں ہوتا ہے اور اس سے معشوق کی فوری بیوفائی کا اظہار مقصود ہے جیسی بندش سست ہے ویسا ہی مضمون و تشبیہ نئی اور چست ہے ۔

مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا ... کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

یعنی میں باغ میں گیا اور پھولی ہوئی شفق سے میں سمجھا کہ یہ زینت گلشن ہے مگر اب سمجھا کہ وہ شفق نہ تھی بلکہ تیری جدائی میں باغ پر آگ برس رہی تھی ۔

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا ... قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیداں پر

بر والے پرواز شوق یار کے شہیدان وفا کی خاک میں کچھ باقی نہیں رہا ہے قیامت جسکا کام مردوں کا زندہ کرنا ہے ۔ اور شہیدان وفا کو تو کیا اور کیونکر زندہ کریگی کیونکہ وہاں شوق ناز معشوق کے سوائے کچھ باقی ہی نہیں ہے البتہ اسی پرواز شوق کو برانگیختہ کر دیگی یا خاک کے معنے ۔ قبر کے لیجئے ۔ جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شہیدان وفا میں شوق ناز یعنے عشق معشوق نے یہانتک اثر کیا تھا اور وہ اسقدر اس سے متاثر ہوئے تھے کہ سراپا عشق ہو چلے تھے تو اب قیامت جو اُنکے جلانے کے لیے آئی ہے یہ سوائے اسکے کہ اُس عشق کو اور برانگیختہ کردے اور ہوائے تند مگر اس خاک کو جو امتداد زمانہ کی وجہ سے سراپا شوق بنگئی ہے تیزی کے ساتھ اُڑائے اور کیا کریگی ۔ باقی رہا ہوگا ایک احتمالی جملہ ہے جس سے یہ معنے پیدا ہوگئے ہیں کہ وہ پہلے ہی ایسے تھے تو اب اس امتداد زمانہ سے تو انکی ضرور یہ کیفیت ہوگئی ہوگی ۔ لفظ پرواز نے شعر کو معمہ بنا دیا ہے ۔

نہ لڑنا صح سے غالب کیا ہوا گر اُسنے شدت کی ... ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

غالب ناصح کی شدت پر تو اُس سے کیوں لڑتا ہے اُس سے لڑنے سے کیا فائدہ ۔ ہمارا بھی تو گریباں پر زور چلتا ہے اسکو پھاڑ ڈالو ۔ یہ مطلب بھی اس سے نکلتا ہے کہ ناصح کی نصیحت سنکر

ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالیں ۔

ہے بسکہ ہر اک اُنکے اشارے میں نشان اور　　کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور

یعنی چونکہ اُنکے ہر اک اشارے میں نئی نئی باتیں نکلتی ہیں تو وہ اگر محبت بھی کرتے ہیں تو اور گمان گذرتا ہے یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب ازراہ فریب ہے اور ہمیں بناتے ہیں ۔ حاصل یہ ہے کہ اُنکے ظلم و فریب اسقدر حد سے گذر گئے ہیں کہ وفا پر بھی جفا کا خیال ہوتا ہے ایک شعر بیخود دہلوی مدظلہ کا ہے جسمیں نہایت اچھی طرح سے زمانے کے پیرایہ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے

ع وہیں بیٹھے رہو بس و رہی سے بات کرتے ہیں　　جفا کیا وفا سے بھی تمہاری ہم تو ڈرتے ہیں

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات　　دے اور دل اُنکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

میری زبان سے معشوق ۔ یا ضعف کی وجہ سے میرے دل کا مطلب ادا نہیں ہو سکتا اور وہ ایسا بے پروا ہے کہ میرے حال کو سمجھ نہیں سکتا ۔ تو اے خدایا اُس سنگدل کو اور دل دیدے یا مجھے زبان اور دیدے کہ یا وہ میری حالت کا اندازہ کرے ۔ یا میں اپنا حال ظاہر کر سکوں ۔ ایک اور شعر ہے جسمیں محض ضعف کا اظہار مقصود ہے ع

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے　　نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند　　ہے تیر مقرر مگر اُسکی ہے کمان اور

نگہ ناز ایک تیر ضرور ہے ۔ مگر یہ ابرو کی کمان سے نہیں نکلا ہے بلکہ اسکی کمان کوئی اور ہے یعنی یہ حسن کی کمان کا تیر ہے ۔ ایک شعر اسی مضمون کا یہ ہے ع

اُس نے جب دیکھا مجھے فوراً صدا دی عشق نے　　حسن کی ترکش کا دیکھا دل یہ پہلا تیر ہے

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے　　لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جان اور

تمہارے زمانہ میں جان و دل سے ہر شخص تنگ ہے اور فروخت کرنا چاہتا ہے تو تم اگر ہمارے دل و جان لے بھی لو گے تو ہمکو کچھ پروا نہیں ہے ۔ جب بازار میں جائینگے اور جان و دل لے آئیں گے ۔

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی مین   ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگ گران اور

اگرچہ ہم بت شکنی مین کامل ہوگئے اور بتون کو ہم نے توڑ دیا۔ مگر اگر ہمارے اندر (ہم) باقی ہے تو یہ بھی ایک بت ہے۔ اور منزل عرفان کی راہ مین یہ بھی ایک سنگ گران ہے۔ یعنی این بت کہ تو پندار شکستی باقی است۔

ہے خون جگر جوش مین دل کھول کے روتا   ہوتے جو کئی دیدۂ خونبابہ فشان اور

میرا خون جگر سوز غم سے جوش مین ہے۔ کاش کئی آنکھین ہوتین تو دل کھول کر رو سکتا خون بہت جوش مین آرہا ہے اور آنکھین خون بہانے کے لیے صرف دو ہین کاش بہت سی آنکھین ہوتین اسی مضمون کا شعر نئے الفاظ کے ساتھ پہلے لکھ چکے ہین ؎

نہ کہہ کہ گریہ بہ انداز حسرت دل ہے   میری نظر مین ہے سب جمع و خرچ دریا کا

مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے   جلاد سے لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور

چاہے میرا سر اڑ جائے مجھے اسکی پرواہ نہین ہے۔ مین تو اُس آواز پہ مرتا ہون کہ جس سے وہ جلاد کو وار کرنے کی تاکید کر رہے ہین۔

لوگون کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا   ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور

میرے سینہ سے جو ہر روز اک جدائی کا نیا داغ ظاہر ہوتا ہے لوگ اُسکو خورشید جہانتاب سمجھکر دھوکا کھا جاتے ہین۔ ناسخ کا مطلع اسی مضمون کا ہے جو مین پہلے بھی لکھ چکا ہون ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا   طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین   کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

اگر تمھین دل نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا۔ اگر نہ مرتا تو کوئی دن آہ و فغان اور کرتا اس شعر کے دونون مصرعون مین شرط و خبر ہے۔ اور بہت خوب شعر ہے۔۔ اس شعر مین ایجاز ہے ایجاز مختصر کرنے کو کہتے ہین۔ یعنی کوئی بات ایسے مختصر طریقہ سے ادا کرین جس سے تمام واقعات سمجھ مین آجائین۔ اسی شعر کو دیکھئے گویا معشوق کے اس سوال کے جواب مین کہا گیا ہے

کہ تو کوئی دم چین کیوں نہیں لیتا اور تو آہ و فغاں کیوں نہیں کرتا۔ ایک جگہ اس مضمون کو برعکس یوں کہا ہے۔

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب ۔۔۔ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۔۔۔ رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

جیسے نالے رک جاتے ہیں اور اسکے بعد جب انکو راستہ ملتا ہے تو بہت زور سے چلتے ہیں اسیطرح میری طبیعت جب رکتی ہے تو اور زیادہ رواں ہوتی ہے۔ یعنی کچھ روز میں شاعری نہیں کرتا ہوں پھر جو کچھ لکھتا ہوں تو طبیعت زیادہ روانی پر آجاتی ہے

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے ۔۔۔ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اگرچہ دنیا میں اور بھی شاعر بہت اچھے اچھے ہیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ غالب کا انداز بیان سب سے نرالا ہے۔ مولانا حالی نے مرزا غالب مرحوم کے مرثیہ میں لکھا ہے ؎

طالب و عرفی و نظیری و کلیم ۔۔۔ لوگ جو چاہیں انکو ٹھہرائیں

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ۔۔۔ ہے ادب شرط منھ نہ کھلوائیں

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت ۔۔۔ خاک کو آسماں سے کیا نسبت

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر ۔۔۔ تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

صفائے آئینہ حیرت آئینہ ہے اور یہ زنگ کا سامان ہے یعنی آئینہ کی صفائی ہی سے زنگ پیدا ہوتا ہے جب پانی ایک جگہ رہتا ہے تو اسپر کائی جم جایا کرتی ہے۔ آئینہ کی صفائی کو پانی اور زنگ کو کائی سے تشبیہ دی ہے مرزا عبدالقادر بیدل مرحوم نے بھی قریب قریب ایسا ہی مضمون اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

در طینت فسردہ صفا ہا کدورت است ۔۔۔ آئینہ میکند ہمہ زنگار آب را

یعنی افسردہ طبیعتوں میں صفائی۔ سامان کدورت بنجاتی ہے۔ جیسے کہ آئینہ جو ایک افسردہ طبیعت ہے اپنے تمام پانی کو زنگار بنا دیتا ہے اور اسپر کائی پھیر دیتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ غالب مرحوم نے بجنسہ اس خیال کو ادا کیا ہو۔ اس صورت میں پہلا مصرع بطور دعوے اور دوسرا مصرع ثبوت میں ہوگا۔ اور یہ معنے ہونگے۔ آئینہ جیسے

حیرت نے افسردہ دل بنادیا ہے اُسکی صفائی اُسکے لیے سامان زنگ ہے اور اسی لیے اُسکے اب رالکدیر زنگ جم جاتا ہے مجھے یہان یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنا کوئی عیب نہین ہے۔ بلکہ اگر شاعر کسی دوسری زبان کے خیال کو اپنی زبان مین اچھی طرح سے ادا کر سکے تو وہ کمال شاعری ہے۔ مولانا حالی مقدمۂ شعر و شاعری مطبوعہ سنہ ۱۹۲۳ء صفحہ ایک سو چبیس مین اسکی نسبت لکھتے ہین۔

ہم دیکھتے ہین ہمارے شعرا نے جو کہین کہین فارسی اشعار کا اردو مین ترجمہ کر دیا ہے ان پر لوگون نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کوئی اعتراض کا محل نہین ہے۔ ایک زبان کے شعر کا دوسری زبان کے شعر مین ترجمہ کرنا کوئی آسان بات نہین ہے۔۔۔ جو شخص دوسری زبان کے شعر کو اپنی زبان مین ترجمہ کرتا ہے گو اُس سے اُسکی قوت متخیلہ کا کمال ثابت نہین ہوتا مگر وہ ایک دوسری لیاقت کا ثبوت دیتا ہے۔۔۔

مولانا شبلی شعر العجم جلد ۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸ مین ترجمہ کے بارہ مین اپنے خیالات کا یون اظہار فرماتے ہین۔ کہ اول اول ایرانی شعرا عربی شاعری سامنے رکھکر شعر کہتے تھے۔ مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے۔ آج بہت سے فارسی قطعے قصیدہ فرد موجود ہین جنکو عام لوگ ایران کا سرمایۂ ناز سمجھتے ہین لیکن وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے الخ۔ مگر ہمارے لیے اسبارہ مین شعر العجم اور مقدمۂ حالی ہی رہبر نہین ہے۔ عربی فارسی انگریزی اردو سبھی زبانون مین دوسری زبانون سے ترجمے کیے گئے ہین۔ دوسری زبانون پر چونکہ اسوقت مین کچھ نہین لکھتا اسواسطے انکو چھوڑکر محض اردو کے شعرا کی حالت دکھاتا ہون کہ انہین بڑے سے بڑے شعرا نے فارسی سے ترجمے کئے ہین۔ مگر غالب اسبارہ مین قابل تحسین ہین جنھون نے اگر ترجمے بھی کیے تو لیسے خیالات کے جنپر اردو کے شعرا کا خیال بھی نہین پہونچتا اور انھون ترجمے کے لیے ایسے شاعر ڈھونڈے جنکے نام پر شاعری کو مدتون فخر رہے گا۔ چنانچہ ہم دکھاتے ہین کہ دیگر شعرا نے ترجمے بھی کیے تو ایسے کہ جن مضامین سے اردو کی شاعری مین کوئی معقول اضافہ نہین ہوتا بخلاف مرزا کے کہ جو مضمون ہے ایسا ہے کہ اُسکی نظیر نہین ملتی۔ انھون نے کچھ دوسرے ہی باغون سے پھول چنکر ترجمے کے گلدستہ تیار نہین کیے بلکہ اپنے فارسی دیوان مین بھی جو جذبات یا تخیل لطیف اور اور مزیدار ہے اُسے اردو مین بھی لائے ترجمونکی مثالین ملاحظہ فرمائیے۔

قدسی آلودہ قطرات عرق کردہ جبین را
اختر زفلک سے نگرد روئے زمین را

سودا آلودہ قطرات عرق کرکے جبین کو
اختر ترے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمین کو

لااعلم بہار بے سبزہ جام و یارے گزرد
نسیم ہمچو خدنگ از کنارے گزرد

سودا بہار بے سبزہ و جام و یار گزرے ہے
نسیم عرشی سینہ کے پار گزرے ہے

نظیری بوئے یار من ازین سست وفا می آید
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

سودا گردش نگہ مست کی یاد آگئی سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا مین

سعدی دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

میرتقی پیار کرنے کا جو خوبان ہم پہ رکھتے ہین گناہ
ان سے یہ پوچھے کوئی تم اتنے کیون پیارے ہوئے

لااعلم در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میردرد نہ کہین عیش تمہارا بھی منغص ہووے
دوستو درد کو محفل مین نہ تم یاد کرو

ناصر علی دست خواہم زد بدامان سکندر روز حشر
شوخ لیلے زادہ ام را رشک مجنون کردہ است

لااعلم میری لیلے کو کر دیا مجنون
اے سکندر مین تجھکو کیا کہو سون

خاقانی ہمسایہ شنید نالہ ام گفت
خاقانی را دگر شب آمد

میرحسن پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

بیدل مسی آلودہ بر لب رنگ پان است
تماشہ کن کہ آتش دخان است

ناسخ مسی آلودہ لب پہ رنگ پان ہے
تماشہ ہے کہ آتش مین دھوان ہے

ناصر علی گویند کہ شب بر سر بیمار گران است
گر سر بہ گران است بچشم تو ازان است

ناسخ ناتوانی سے گران شب ہے سر چشم یار کو
جسطرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

حزین بعصائے خرد این راہ نہ شاید طے کرد
گردان شیشہ بہ دست من سرگردان دہ

ذوق شوق مستی مین ہی گلگشت چمن کا ہمکو
چاہیئے جائے عصا گردن مینا ہمکو

لااعلم آسمانہا در شکست من کمر بستہ اند
چون نگہ دارم من از نہ آسیا یک دانہ را

[illegible] آسمان گردشین ہین میرے ستانیکے لیے
چکیان تو چل رہی ہین ایک دانہ کیلیے

نظیری نہ شگوفہ نہ برگے نہ گلے نہ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت ما را

مرزا رجب علی بیگ سرور نہ پھل پایا لگا لیکا بجز افسوس حسرت کے
مین نخل بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقان ہون

حافظ گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود
حقہ مہر بدان مہر و نشانست کہ بود

آتش گوہر عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے
داغ دل زخم جگر مہر و نشان ہے کہ جو تھا

نظیری: مجلس چو در شکست تماشا بہ ما رسید — در بزم خون نماند کسے جا بہ ما رسید
آتش: آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے — مین جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل مین رہ گیا
واہب میلہ آتشے فسردہ از کاروان دا ماندہ ام — ہمرہان فتنہ و خاکستر نشینم کردہ اند
نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہون — لگا کے آگ مجھے کاروان روانہ ہوا

غرض یہ کہ اردو شاعرون نے بہت سے ترجمے فارسی سے کیے ہین مگر ساتھ ہی یہ بھی ضرور ہے کہ یہی ترجمہ کبھی سرقہ کی حد پر پہونچ جاتا ہے۔ اُس حالت مین کہ شاعر اصل شعر مین کچھ رد و بدل کرے اور پھر بھی وہ اصل خیال سے بڑھ نہ جائے وہ ترجمہ نہین ہے۔ ہم محض بہ خیال طوالت تمام بحث کو نہین لکھتے ہین۔

انھین مین چند اقسام اور ہین جنھین التباس۔ اقتباس۔ استفادہ وغیرہ سے موسوم کر سکتے ہین۔ انکو ہم نے بالتفصیل سرقہ شعر مین ذکر کیا ہے۔

اب ہم یہ پھر کہنا چاہتے ہین کہ اسقدر ترجمون مین شاید ایک دو خیال ایسے ہین جو ترجمہ کرنے کے لایق تھے ورنہ وہی معمولی خیال ہین ان سے ادب اُردو مین کوئی اضافہ نہین ہوتا برعکس اسکے غالب کے بہت سے شعر جو ہم جا بجا لکھ چکے اور لکھین گے ان کو غور سے دیکھیے کہ وہ کس قدر قابل قدر ہین۔ اور وہ خیال کسی دوسری جگہ ملتے ہین یا نہین۔

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی — ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

سامان عیش سے میری وحشت کا علاج نہین ہو سکا۔ بلکہ جام زمرد مجھے داغ پلنگ بن گیا جس سے میری وحشت مین اور اضافہ ہوا۔ یہ تشبیہ اُردو میں غالبًا بالکل نئی ہے مگر فارسی مین مرزا عبدالقادر بیدل کے یہان پائی جاتی ہے فرماتے ہین ؎

منزل عیش تو وحشت کدۂ امکان نیست — چمن از سایۂ گل پشت پلنگ است اینجا

؎ در وحشت آباد مہ عشرت نتوان زیست — ہر چند چراغان کنی پشت پلنگ است

یعنے وحشت کدۂ امکان کو منزل عیش نہ سمجھنا چاہیے چمن کو سایۂ گل سے پشت پلنگ سمجھ اور اس سے دُور بھاگ۔

دوسری جگہ یہ مضمون ہے کہ بزم کا چراغان پشت پلنگ ہے۔ اس سے عشرت حاصل نہین ہو سکتی بلکہ اور بھی یہ باعث وحشت ہے۔

مولانا علی حیدر صاحب نظم نے معلوم نہیں کس بنا پر غالب کے شعر کے مضمون کو مبتذل کہہ دیا ہے ۔

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی — گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

عریانی نشان و موید جنون ہے ۔ لہذا پھٹے ہوئے گریبان کا میری گردن پر حق ہے کہ اس نے میرے جنون کی امداد کی ہے ۔ نظم صاحب نے گریبان کو منادیٰ قرار دیا ہے ۔ مگر میں (گریبان چاک) کو ترکیب مقلوب سمجھتا ہوں ۔ یعنی چاک گریبان جیسے شبنم کہ در اصل نم شب ہے وغیرہ وغیرہ بالکل اسی مضمون کا ایک شعر ہے ؎

جنوں کا میرے ساتھی زندگی بھر تھا تو اک یہ تھا — مری گردن پہ احساں رہ گیا میرے گریباں کا

برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی — ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

نیرنگ شعبدہ ۔ بال ۔ بازو یک تپیدن ایک مرتبہ تڑپنا ۔ کاغذ آتش زدہ جو کاغذ جل گیا ہو میرا نیرنگ بیتابی کاغذ آتش زدہ کی مانند ۔ ایک بال تپیدن پر ہزاروں دل باندھتا ہے یعنے جسطرح جلتے ہوئے کاغذ میں سیکڑوں دل پیدا ہو جاتے ہیں ۔
(دل سے مرادہ وہ نقاط ہیں ۔ جو کاغذ کے جلنے میں درمیان میں پیدا ہو جاتے ہیں اسیطرح میرے دل کے جلنے میں سیکڑوں دل جو دل کے ٹکڑوں سے مراد ہے اُس کے ساتھ چلتے ہیں ۔ یا یہ مطلب ہے بالقول مولانا نظم یہ مراد ہے کہ نیرنگ بیتابی مثل کاغذ آتش زدہ ہے کہ دل نے ایک بال تپیدن پر ہزار ہزار آئینہ باندھے ہیں ۔ اس شعر میں آئینہ متحرک کی تڑپ کو اُس شعلہ سے تشبیہ دی ہے جو کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو بہر حال شعر کے مضمون میں گنجلک پیدا ہو گئی ہے اور صاف کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا نواب صدیق حسن خاں سے تنہا نہ ہمیں جان و دلم در تب و تاب است ؛ چوں کاغذ آتش زدہ یک شہر خراب است یا یہ سمجھ لیجئے کہ میرا نیرنگ بیتابی ایک کاغذ آتش زدہ ہے جسکے ایک تڑپنے پر ہزار آئینہ دل بندھے ہوئے ہیں یعنی متوجہ ہیں ۔۔۔

فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے — متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم آسمان سے اُس عیش کی جو اس نے ہم سے چھین لی ہیں کیسی کیسی تمنائیں کرتے ہیں۔ عجب خفیف العقل ہیں کہ بہ بہرزاں جو مال ہم سے چھین لیا گیا ہے اسکو اس پر قرض سمجھے ہوئے ہیں حاصل یہ ہے کہ عیش وارفتہ کی اُمید فضول ہے نظیری اُس عیش رفتہ کی واپسی کی یون تمنا کرتا ہے ؎

نقدے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمر مرا
جاوید مستغنی شوم از صد دہد گر نیم را

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

ہم ہین اور وہ بے سبب رنجیدہ ہونیوالا۔ آشنا دشمن ہے یعنی ہمارا اُس بے سبب رنج آشنا دشمن سے پالا پڑا ہے۔ جو اپنے روزن دیوار مین شعاع آفتاب دیکھکر میری نگاہ سمجھتا ہے اور مجھ پر روزن درست جھانکنے کی تہمت رکھتا ہے۔ بے سبب رنج آشنا۔ کو اگر پورا جملہ سمجھ لیا جائے تو اُس حالت مین صحیح ہے ۔

فنا کو سونپ گر مشتاق ہی اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اگر اپنی حقیقت کے دیکھنے کا مشتاق ہے تو فنا ہو جا۔ کیونکر کوڑے اور تنکے کے نصیبہ کا فروغ گلخن مین جانے کے اوپر موقوف ہے یعنے جب تنکا فنا ہونے کی نیت سے بھاڑ مین جاتا ہے اور جلتا ہے تب اُسمین فروغ پیدا ہوتا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر انوار معرفت حاصل کر۔ حصول انوار معرفت بغیر فنا غیر ممکن ہے۔ یعنی تو جبوقت اپنی حقیقت کو کہ درحصل تو کیا چیز ہے معلوم کر سکتا ہے کہ فنا ہو جاے۔۔ اسی مضمون کو فارسی مین یون ادا کیا ہے ؎

جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبون
شد غلط جادۂ گلخن بہ گلستان رفتم

مین ایک تنکا ہون جو اپنے طالع کی فروغ کی اُمید پر گلخن مین جانا چاہتا ہون۔ مگر راستہ بھولکر گلشن مین چلا گیا۔ اور وہان جانے کا نتیجہ اُسکے حق مین اچھا نہ ہوا۔

اسد بسمل ہی کس انداز کا قاتل سے کہتا ہی
تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

خدا جانے اسد کیسا بسمل ہے کہ قاتل سے کہتا ہے کہ تو خون ناحق کا خوف نکر۔ دونون عالم کا خون میری گردن پر سہی تو مشق ناز کیے جا۔ اور مجھے اسی انداز سے قتل کرتا رہ

یہ شعر مقبول ہے - اسی انداز کا وہ شعر ہے جو پہلے لکھا جا چکا سے مرتا ہون اس آواز پہ اس سے کمال عشق کا اظہار ہوتا ہے - خسرو علیہ الرحمتہ کا ایک شعر ہے جسمین وہ اپنے کمال عشق کا یون اظہار کرتے ہین سے

برو ز حشر اگر پرسند خسرو را چرا کشتی   چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہمان گویم

ستم کش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین   تکلف بر طرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

مین تیرے ظلم بوجہ نہین سہتا ہون بلکہ یون کہ معشوق تیرے اوپر عاشق ہین - آخر کار کوئی نہ کوئی رقیب مجھے ایسا مل جائیگا - جس سے مین عشق کر سکون گا - رقیب معشوق کو اسواسطے کہا کہ معشوق پر حسینان جہان عاشق ہین تو وہ متکلم کے رقیب ٹھہرے اس لیے ظلم سہنا عین مصلحت ہوا -

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور   تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور

اس غزل کے تمام اشعار زین العابدین عارف مرحوم کے مرثیہ مین کہے گئے ہین - جو مرزا کے عزیز - اور عزیز ترین ایک خوشگو خوش فکر مایۂ ناز شاگرد تھے - اور مرزا کو ان کے ساتھ کمال محبت تھی دست گلچین ازل اس گل نوشگفتہ پر عین عالم شباب مین دراز ہوا جسکے غم مین غالب کو مدتون اپنی آنکھون سے جوئے خون بہانا پڑا - اس غزل کے بعض دردانگیز اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ سب جلے ہوئے دل سے نکلے ہین اور جو کچھ کہا گیا ہے تصنع کو اسمین ذرا دخل نہین ہے - ہر شعر ایک سر تیز نشتر ہے جو دل کو مجروح کر دیتا ہے - چنانچہ اس شعر مین گویا عارف مرحوم کے تصور کو مخاطب کر کے کہتے ہین - اور شکایت کرتے ہین - کہ تمکو یہ چاہئے تھا - کہ اگر تمکو مرنا ہی تھا تو ہمارے ساتھ مرتے مگر تمنے جلدی کی میرے مرنے کا انتظار نکیا - لہذا اب تم کوئی دن اور تنہا رہو کیون تنہا گئے تھے نہ تنہا جاتے نہ تنہا رہتے -

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا   ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

مین تیری قبر کی لوح مزار پر ناصیہ فرسائی اس لئے کرتا ہون کہ اگر یہ پتھر نہ گھسے گا تو میرا سر تو گھس جائے گا -

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن　　　مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور

وفور غم کی بدحواسی سنے عارف مرحوم کا نزع کا عالم پیش نظر کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ کیلیے مرزا سے وداع ہوا چاہتے ہین اور غالب جواب مین کہتے ہین کہ کل کی بات ہے کہ تم مہمان سرائے عالم مین آسے تھے اور آج جانے کی اجازت چاہتے ہو یہ ہم بھی جانتے ہین کہ جانا ضرور ہے ہمیشہ کوئی یہان نہین رہیگا مگر کوئی دن تو اور ٹھہرو۔

جاتے ہوے کہتے ہو قیامت کو ملینگے　　　کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تم جاتے ہوئے مجھ سے کہتے ہو کہ اب قیامت مین ملین گے۔ کیا خوب کیا قیامت کا کوئی اور دن ہے کیا جبدن مجھ سے تم قیامت تک کے لیے جدا ہو وہ دن قیامت کا نہین ہے بے مثل شعر کہا ہے۔

ہان اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف　　　کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

یہان مصنف آسمان سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عارف ابھی جوان تھا اگر وہ کوئی دن اور نہ مرتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا۔

تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے　　　پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم میرے گھر کے لیے چودھوین کے چاند تھے۔ اور چودھوین کا چاند کچھ دن تک یکسان رہتا ہے پھر بتدریج گھٹ کر ہلال ہوتا ہے تب کہین چھپتا ہے۔ مگر تم یکایک چھپ گئے اور میرے گھر کو سیہ خانہ غم بنا گئے۔ ماہ شب چاردہم جوانی کی رعایت سے کہا گیا ہے یہ شعر بھی خوب ہے۔

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے　　　کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

تم ایسے لین دین کے کہان کے کھرے تھے کہ ادھر ملک الموت نے تقاضہ کیا اور ادھر تم نے اپنی جان اسکے حوالے کر دی کچھ دنون اس کو تقاضہ کرنے دیتے۔

مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیرّ سے لڑائی　　بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

مین نے مانا کہ تمکو مجھ سے نفرت تھی نیرّ سے لڑائی تھی۔ مگر اس بنا پر تمکو جانا نہ چاہیے تھا کم از کم بچوں کا تو کوئی دن اور تماشا دیکھا ہوتا۔ نیرّ مرزا غالب مرحوم کے شاگرد رشید تھے ممکن ہے کہ عارف اور نیرّ مین کچھ باہم چشمک ہو۔ ورنہ ظاہر معنے یہی ہین کہ اگر ہم دونون کے ساتھ رہنے سے تمھین تنفر تھا تو بچون کا تو تماشہ دیکھا ہوتا۔

گذری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش　　کرنا تھا جواں مرگ گذارا کوئی دن اور

اے جوانمرگ یہ صحیح ہی کہ ہم لوگوں کی صحبت سے تم خوش نہ تھے۔ مگر بہرحال اتنی مدت جیسے تیسے خوش و ناخوش گذر ہی گئی اسی صورت سے کچھ دن اور گذارا کرتا تھا کہ تیرے سامنے ہمارا کام تمام ہو جاتا۔ اور پہلے ہم مر جاتے ـــــ

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہو غالب　　قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ایسا سخت صدمہ اُٹھا کر بھی تم زندہ ہو حالانکہ زندہ نہ رہنا چاہیے تھا مگر یہ تمھاری نادانی ہے۔ مجھے اس جینے سے لذت حیات سے بہرہ ور ہونا مقصود نہین ہے بلکہ یہ زندگی صرف اس لیے ہے کہ اتنے دن موت کی تمنا اور کرون۔

ردیف زے (ز)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر　　ہین داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

تو نے مرنے پر مجھے تن آسانی کا الزام دیا ہے اور غم عشق سے فارغ سمجھ لیا۔ مگر یہ نادانی ہے مجھے غم عشق سے مرنے کے بعد بھی فراغت نصیب نہین ہوئی ہے۔ بلکہ داغ عشق ابتک میرے جیب کفن پر اس صورت سے چمکتا ہے جیسے چاک گریبان صبح مین مہر تابان چمکتا ہے جیب کفن کو ہی داغ عشق کہہ سکتے ہین۔ کیونکہ اسکو گریبان دریدہ سے استعارہ کرتے ہین جو نشان جنون عشق ہے اور اسی داغ کو آفتاب کہا جا سکتا ہے مولانا نظم صبح کو شب عمر کے گذر جانیکا استعارہ ٹھہراتے ہین۔ میرا ایک شعر ہے ؎

زندگی شد اجل از غم ہجران دارم   عوض چاک کفن چاک گریبان دارم

ہے نازِ مفلسان بزر از دست رفتہ پر   ہون گلفروش شوخیِ داغِ کہن ہنوز

بس میرے دل مین داغ عشق تھا۔ اور اب دل کے مٹ جانے سے وہ داغ بھی مٹ گیا۔ جو سکۂ زر سے مشابہ تھا۔ اس صورت مین گویا مین وہ مفلس ہون جس کی دولت ضائع ہو چکی ہے تو اس حالت مین مین شوخی داغ کہن کو یاد کرکے ناز کیا کرتا ہون جسطرح سے کہ مفلس اپنی گذشتہ زائل شدہ دولت پر ناز کیا کرتے ہین۔ اسی قسم کا ایک مضمون ہے جسکو فارسی مین یون ادا کیا ہے ؎

چہ غم ار بحد گرفتی ز من احتراز کردن   نتوان گرفتن از من بہ گذشتہ ناز کردن

میخانۂ جگر مین یہان خاک بھی نہین   خمیازہ کھینچے ہے بُتِ بیدادفن ہنوز

میرے میخانۂ جگر مین شراب خون ایک بوند بھی باقی نہین اور اُس بت خونخوار کو ابتک انگڑائیان آرہی ہین۔ اور بدستور میرے خون کا پیاسا ہے۔

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز   دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

میرے مشکل مطالب میری عاجزانہ دعاؤن سے پورے نہین کرتا تو اے خدا یہی دعا قبول کرے کہ خضر کی عمر دراز ہو۔ حصول مدعا کی مایوسی کی انتہا کو تحصیل حاصل کی آرزو کرنے مین دکھایا گیا ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتے ہین ؎

گفتن دعائے زلف تو تحصیل حاصل ست   با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

تیری زلف کو درازی کی دعا دینا گویا تحصیل حاصل ہے کیونکہ خضر کو کوئی درازی عمر کی دعا نہین دیتا اُسکی عمر خود دراز ہے۔

نہو بہرزہ بیابان نورد وہم وجود   ہنوز تیرے تصور مین ہے نشیب و فراز

صوفیا وغیرہ پر طنز ہے مطلب یہ ہے کہ تو اپنے وہم مین وحدت وجود یعنی توحید و عرفان کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے۔ اور اس مین تو نے مراتب مقرر کیے ہین کہ پہلے فنافی الشیخ ہو۔ پھر فنافی الرسول اور پھر فنافی اللہ و دیگر مقامات جبروت

ملکوت ناسوت وغیرہ وغیرہ کو طے کرے تو ان نشیب وفراز اور مقامات کا خیال اگر تیرے دل میں ہے اور تو ان خیالات میں محو ہے تو اس راستہ کا طے کرنا ایک فضول اور بیہودہ کام ہے اس صورت سے تو ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہونچ سکتا سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

یا دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ تو نے ماسوی اللہ کا کچھ وجود سمجھ رکھا ہے۔ اسی وہم سے جنگل کو تیرا خیال طے کر رہا ہے اور باوجود اسکے کہ سیکڑوں انقلاب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا مگر پھر بھی تیری نظر میں نشیب وفراز زمانہ کی وقعت ہے حالانکہ وجود ماسوی اللہ اور نشیب وفراز عالم کچھ چیز نہیں ہیں اور یہ محض تیرا وہم ہی وہم ہے ہنوز کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے تو نے بے وجودی وجود اور بے ثباتی نشیب وفراز کا معائنہ کیا ہے مگر پھر بھی ابتک تیرے وہی بیہودہ خیال اور وہم قائم ہیں۔ نشیب وفراز کے معنے آسمان وزمین کے بھی لیے جاسکتے ہیں اور یہ نشیب وفراز کا استعارہ آسمان وزمین سے کیا جاتا ہے جیسے کہ آتش مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

بیتابین سے خاک کے یہ گڑھے ابھر چکین کہین دھبہ مٹے زمین کے نشیب وفراز کا

نظم صاحب نے اس شعر کی شرح اسطرح کی کہ وجود سے وجود ماسوے اللہ مراد ہے اور نشیب وفراز کا یہی سبب ہے کہ تو وجود کے لئے مراتب سمجھے ہوے ہے جسکا مرتبہ اعلیٰ وجوب ہے اور مرتبہ ادنےٰ امکان ہے اور امکان میں بھی قیام بذاتہ وقیام بغیرہ جوہر وعرض کے لیے وجود مین پستی و بلندی رکھتا ہے یعنی جادۂ مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کو موجود بوجود واحد سمجھ اور وجود کے لیے اقسام نہ نکال کہ یہ راستہ بہتر کا ہے۔
حسرت صاحب فرماتے ہین کہ ہرزہ یعنی بیکار۔ تیرے تصور میں نشیب وفراز ہین یعنی تیرا تصور ناتمام اور قاصر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وجود اشیائے عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہو جائے۔

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں کہ دیجیے آئینۂ انتظار کو پرواز

ہم نے مانا کہ وصال یار اپنے جلوے ضرور دکھائیگا مگر ہم مین انتظار کی طاقت کہاں ہے جلوہ تماشا جلوہ کا تماشا دکھانیوالا پرداز صیقل۔

جلوہ تماشہ کا آئینہ صاف انتظار مین صورت دکھانا ایک نئی بات ہے ۵

جتنگ وفا ہو وعدہ بیان زندگی کہان ‏— مجھ سے زیادہ عہد ترا استوار ہے
اگرگریہ مسلم سہی لیکن اے دل ‏— کلّ یہ منت کش فریاد ہوا یا نہوا

یک قلم کاغذ زدہ ہے صفحۂ دشت ‏— نقش پا مین ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

یکقلم - بمعنی بسر - چونکہ میرے پاؤن مین ہنوز تپ گرمیٔ رفتار باقی ہے - اور مین صحرا نوردی کرتا ہون تو صحرا اس اثر سے کاغذ آتش زدہ بن گیا ہے -
یکقلم کاغذ - صفحہ - وغیرہ وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب جمع کیٔے گئے ہین - ہم رعایت لفظی کے وہانتک قائل ہین جہانتک سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ مصنف نے بالارادہ کوئی لفظ کسی لفظ کی رعایت سے رکھا ہے اور بے تکلفی سے معنے پیدا ہون اس سے زیادہ آورد ہے اور قابل تحسین نہین ہے -

کیونکر اُس بُت سے رکھون جان عزیز ‏— کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز

مین اُس بت سے جان کیونکر عزیز رکھون وہ میرا ایمان ہے - اور ایمان پر جان قربان کر دینی چاہیٔے -

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ‏— ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تیرے تیر کا پیکان جو دل مین تھا وہ دل سے نکل گیا - مگر یہ نہین ہے کہ مین اُس کے خیال کو بھول گیا ہون اُس کا خیال تو بھی بدستور ہے - پہ بجاے پر - اور پر بجاے پہ مگر اب متروک الاستعمال ہین - پیکان مین اس محل پر اعلان نون اچھا نہین معلوم ہوتا اور یہ غیر فصیح ہے -

تاب لاتے ہی بنے گی غالب ‏— واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

غالب صبر کرنا ہی پڑے گا - کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور اس قابل ہے کہ جان دیدین مگر جان پیاری ہے اسواسطے مجبوراً اس سخت واقعہ اور صدمہ کی برداشت

کرینگے۔ اس شعر مین اور کا واؤ گر گیا ہے اور اس صورت مین یہ فع کے وزن پر رہ گیا ہے مگر اور بروزن فع اساتذہ کے کلام مین اکثر ہے لفظ او بروزن فاع اور فع کے مواقع استعمال جُدا جُدا ہین جنمین اگر خلط ملط کیا جائے تو مفہوم غلط ہو جائے گا اور اسکو یقیناً غیر فصیح سمجھا جائیگا۔ چنانچہ اور بمعنی دیگر اور بمعنی واؤ عاطفہ وغیرہ وغیرہ کا محل استعمال جُدا ہے۔ بلکہ واؤ عاطفہ کے بجاے اور کو بعض نے اسقدر مخفف کیا ہے کہ واؤ اور رے دونون گر گئے اور وہ بھی صحیح ہے مگر روزمرہ مین زیادہ تر بروزن فع مستعمل ہے اسکی صحت مین کوئی شبہہ نہین اور یہان اس قاعدہ کو کہ وسط سے کبھی کوئی حرف نہین گرتا۔ مقبول نہین سمجھ سکتے۔

نے گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز میں ہون اپنی شکست کی آواز

گل نغمہ مراد ہے گلبانگ سے۔ نہ مین گلبانگ ہون نہ پردۂ ساز ہون بلکہ اپنی شکست کی آواز ہون۔ جو سراپا درد ہے مجھے خوشی اور طرب سے کوئی واسطہ نہین ہے فارسی مین خود مرزا صاحب اس کو یون فرماتے ہین ؎

دیگر ز ساز بے خودی ما صدا مجوے آوازے از گسستن تار خودیم ما

تو اور آرایش خم کاکل مین اور اندیشہ ہاے دور دراز

تجھے اپنے خم کاکل کی آرایش کی فکر ہے۔ اور مجھے دور دراز کے اندیشون نے کہ دیکھئے یہ آرایش میرے دل پر کیا کیا ستم کرے گی۔ یا یہ آرایش کرکے تو کہان جا گا۔ یا یہ آرایش میرے طرح طرح کے اور سیکڑون رقیب پیدا کر دے گی۔ پریشان کر رکھا ہے۔ اندیشہاے دور و دراز نے شعر مین جان ڈال دی ہے اور بہت سے معنی پیدا کر دیے ہین۔ آرایش خم کاکل پر اندیشہاے دور و دراز پیدا ہونا۔ ایک لطیف مضمون ہے اگرچہ محاورہ دور اندیشی ہے دور و دراز اندیشی نہین ہے مگر رعایت لفظی اور ردیف کی مجبوری نے مصنف کو خلاف محاورہ یا تصرف محاورہ پر مجبور کیا۔ مگر قادر الکلامی اور برجستگی کی معنی نے پردہ رکھ لیا اور کوئی حرف نہین آنے دیا۔

لاف تمکین فریب سادہ دلی ہم ہین اور راز ہاے سینہ گداز

اے سادہ دلی تو ہم کو فریب دیتی ہے کہ ہماری لاف تمکین و وقار قائم رہے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا ہماری تمکین و وقار قائم رہے کیونکہ ہمارے سینہ میں جو اسرار ہیں وہ ایسے نہیں کہ چھپائے سے چھپ جائیں کیونکہ وہ سینہ گداز ہیں۔ اگر میرا سینہ انکو چھپانا بھی چاہے تو وہ نہیں چھپ سکتے۔ حاصل یہ ہے کہ سوز عشق چھپائے سے چھپ نہیں سکتا۔

آب گینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

عشق اور مشک چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں — سر بازار ہی بِکتا ہے وہ ضرور اان کا

یا لاف تمکین فریب کو سادہ دلی کی صفت مانئے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ اے سادہ دلی یہ تیری امداد کا وقت ہے جس صفت سے موصوف ہے اوسے کام میں لا اور ہمارے راز ظاہر کر دے۔

اگر لاف تمکین کو منادیٰ کہئے تو یہ مفہوم ہے کہ اے لاف تمکین تونے میری سادہ دلی کا فریب کھایا ہے۔ اور تو مطمئن ہے کہ ہمارا حال کسی پر کھل نہیں سکتا حالانکہ ہمارے سینہ کے اندر جو راز ہیں وہ ہرگز چھپ نہیں سکتے اور وہ سینہ گداز ہیں۔

یہ مفہوم بھی بعید از قیاس نہیں ہے اگر کہا جائے کہ ہم کبھی تمکین کی شیخیاں مارتے ہیں اور کبھی اپنی سادہ لوحی کا لوگوں کو فریب دیتے ہیں حالانکہ یہ سب اُن رازہائے سینہ گداز کا اثر ہے جو ہمارے سینہ میں وہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی لوگ ہمارے تمکین کی لاف اور سادہ دلی کے فریب کی وجوہات سے خوب واقف ہونگے۔

اگر تمکین۔ لاف۔ اور فریب کو مضاف نہ کہا جائے تو یہ مفہوم ہے کہ ہماری تمکین کا دعویٰ لاف اور ہماری سادہ دلی کا ادعا فریب سمجھا گیا ہے اور اس کا سبب رازہا۔ سینہ گداز ہیں۔

ہوں گرفتارِ اُلفتِ صیاد — ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

مجھے الفت صیاد نے قبضہ کر رکھا ہے ورنہ طاقت پرواز ہنوز مجھ میں باقی ہے اور رہا ہوں تو اڑ سکتا ہوں۔ بہت ہی اچھا شعر ہے۔

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے — ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

ابتک تو مین اُس کے ناز اُٹھانے کی حسرتین کرتا ہون کاش وہ دن بھی آئے کہ
بجائے اس حسرت ناز کے اُس کے ناز اُٹھاؤن۔

نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون جس سے مژگان ہوئی نہو گلباز

میرے دل مین کوئی ایسا قطرۂ خون نہین تھا جو بہ کر میری پلکون پر نہ آیا ہو اور
پلکون نے خوشی سے اُس کو نہ اُچھالا ہو۔ گلبازی سے خوشی کے معنی پیدا ہوتے ہین۔

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز اے ترا ظلم سربسر انداز

اے حرف ندا۔ منادی محذوف ہے۔ یعنی اے نازنین تیرا غمزہ سراسر انگیز ہے۔
اور تیرا ظلم سربسر انداز ہے۔

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزش سجدۂ جبین نیاز

تو آگیا۔ اب مجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہو۔ یا میری جبین کے
بہت سے سجدے تجھے مبارک ہون۔

مجکو پوچھا تو کچھ غضب نہوا مین غریب اور تو غریب نواز

تو مجھ سے ناراض تھا۔ یا خیال کرتا تھا کہ اگر مین اس کی بات پوچھون گا تو میری
شان ہوگی یا دوسرے عشاق مجھ سے ناراض ہوجائین گے۔ گر دیکھ یہ تیرے خیال فضول
تھے۔ اگر تو نے مجکو پوچھا تو یہ کچھ غضب نہوا۔ تجکو پوچھنا۔ اور مجھپر مہربانی کرنا ضرور تھا کیونکہ
مین غریب ہون اور تو غریب نواز ہے۔ غریب نوازی کی شان یہ ہے کہ غریب کو پوچھے
اور اسپر مہربانی کرے۔ اس شعر مین گویا معشوق کی فہمایش مقصود ہے۔ اظہار شکر مراد
نہین ہے۔

اسد اللہ خان تمام ہوا اے دریغا وہ رند شاہد باز

اسد اللہ خان مر گیا ہائے افسوس۔ وہ رند شاہد باز۔ دوسرا مصرعہ بطور نوحہ اور ندبہ

کے جس سے مراد مردہ پر رونا اور بیان کرنا ہے واقع ہوا ہے۔

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے — دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

ذوقِ اسیری کو مبارکباد دیتا ہے کہ لے اب تیری آرزو پوری ہو جائے گی مرغ گرفتار کے پاس ایک دام خالی نظر آتا ہے۔ چل اور اس میں گرفتار ہو جا۔ قاعدہ ہے کہ جانوروں کے شکار کرنے کے لئے جال کے پاس طائران گرفتار کے پنجرے رکھ دیتے ہیں کہ آزاد جانور گرفتار ہوں اور دھوکہ کھائیں۔

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا — جوئے خوں ہم نے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس

میرا جگر میرے خون کا پیاسا ہے اور مجھے آزار دینے میں اس کو خوشی ہوتی رہی ہے اس کی خاطر سے ہم نے ہر ایک خار صحرا کے پاس۔ صحرا گردی جنون کی حالت میں تلووں میں کانٹے چبھنے کی وجہ سے تلووں سے اور اس کی تکلیف محسوس ہونے سے آنکھوں سے جوئے خون بہائی مگر پھر بھی جگر کو تسکین نہ ہوئی۔ اور اسی طرح ہماری ایذا دہی پر تلا ہوا ہے۔ تسلی نہ ہوا اگرچہ محاورہ نہیں ہے مگر جیسے خبر نہ ہوا۔ یعنی مجھے خبر نہ ہوئی ہے اسی قبیل سے تسلی نہ ہوا کو بھی سمجھ لیجئے تو غلط کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور اسے غالب کا تصرف ماننا پڑتا ہے۔

یہاں یہ لکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ محاورہ میں عوام اور خواص تصرف نہیں کر سکتے مگر مقتدر اہل قلم اور مستند شعرا اگر کوئی خاص محاورہ قرار دیں تو عوام اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتے۔

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے — خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

تم نزع کی حالت میں میرے پاس آئے میری حسرت دیدار نے اگرچہ میری آنکھیں کھولیں مگر کھولتے ہی کھولتے میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس آنے سے نہ آنا اچھا تھا۔ غالب کا ایک شعر اس قسم کا پہلے لکھا جا چکا ہے ؎

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ — یار لائے مرے بالیں پہ اسے پر کس وقت

گر شیخ ابراہیم ذوق نے اس مضمون کو نہایت اچھے انداز سے بیان کیا ہے جس کا جواب نہیں ہوسکا

دیکھا دم نزع دلارام کو عید ہوئی ذوق گر شام کو

مند نا بند ہونے کے محل پر اب متروک الاستعمال ہے۔ اور عوام کی زبان سمجھا جاتا ہے اگرچہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مگر در مع الدہر کیف دار کا کیا علاج۔

بین بھی گھٹ گھٹ کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

میرا غمخوار جو مجھے نصیحت اور ملامت کرکے عشق سے روکتا ہے ان کو سنکر میرا دل دمبدم زخمی ہوتا ہے کاش اس زبان کے بدلے جس سے وہ مجھے نصیحت کرتا ہے میرے غمخوار کے پاس ایک تیز چھری ہوتی جس سے وہ میرا گلا کاٹ دیتا اور دم بھر میں میرا کام تمام ہو جاتا یہاں یہ نکتہ قابل دید ہے۔ کہ غمخوار کو دم غمخوار ہونے کے جان دینا پسند کیا ہے۔ اگر نصیحت و ملامت جو معشوق کے عشق سے باز رہنے کا باعث ہے وہ ستنا پسند نہیں ہے اور یہ شان کمال عشق سے ہے۔

دہن شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل نہ کھڑے ہوجیے خوبان دل آزاد کے پاس

اے دل شیر کے منہ میں جا بیٹھنا دل آزار معشوقوں کے پاس کھڑے ہونے سے اچھا ہے بیٹھنے اور کھڑے ہونے میں تقابل لطف انگیز ہے۔ دہن شیر میں بیٹھنا کچھ بھلا نہیں ہے یہ ایک غیر مانوس مضمون ہے۔

دیکھکر تجکو چمن بسکہ نمو کرتا ہے خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

چمن کا جوش نمو تجھے دیکھ کر ترقی کرتا ہے اور پھول اپنے آپ گوشۂ دستار کے پاس پہونچ جاتا ہے کہ وہاں پہونچکر تجھے زینت دے اور خود شرف حاصل کرے۔

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے بیٹھنا اسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

غالب وحشی سر پھوڑ کر مر گیا ہائے ہائے اسکا وہ تیری دیوار کے پاس سر پھوڑنے

کی نیت سے آکر بیٹھنا یاد آتا ہے یا وہ جب مجھے دیکھنے کے لیے بیتاب ہوتا تھا تو غریب دیوار کے پاس آکر بیٹھا کرتا تھا۔ دوسرا مصرع ایسا واقع ہوا ہے کہ جسے اگر دوسرے الفاظ کے ساتھ ادا کیا جاتا تو ہرگز یہ لطف نہ آتا اور شعر کا رتبہ کم ہو جاتا جیسے۔

ابھی بیٹھا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس یا

بیٹھا کرتا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس (یا) بیٹھا رہتا تھا جو اکثر تری دیوار کے پاس

اس صورت کو انشا کہتے ہیں اور اکثر انشائیہ جملہ بمقابلہ خبریہ کے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں دوسرے مصرعوں میں خبر کی صورت ہے جو ایسا اثر نہیں رکھتے۔ غالب کے یہاں یہ انداز بیان زیادہ ہے جیسے ایک جگہ پہلے کہا ہے ؎

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ایک جگہ قریب قریب ایسا ہی مضمون اسی صورت سے لکھ چکے ہیں۔

سر کھجوڑتا وہ غالب شوریدہ حال کا یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ردیف (ش)

تیرے گر حسن جہر طراوت سبزۂ خط سے لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

خس جوہر کو آئینہ جوہر سے استعارہ کرکے کہتا ہے کہ میرے معشوق کے روئے روشن کی چمک دمک آئینہ دیکھتے وقت آئینہ میں آگ لگا دے اگر جوہر آئینہ کو سبزۂ خط طراوت نہ پہونچے شعلۂ حسن عالم سوز کا اثر محض طراوت سبزۂ خط کی وجہ سے آئینہ پر نہیں پڑتا شیخ علی حزین کے یہاں ایسا ہی مضمون اس صورت سے ادا کیا گیا ہے ؎

کتان طاقتم را پردہ داری میکند حسنش رخش در شام خط ماہ سحاب آلودہ را ماند

یعنی میرا کتان طاقت ابتک پارہ پارہ ہو جاتا اگر سبزۂ خط عارض پر ایسا ہے جیسے چاند پر سحاب اور چونکہ وہ اس میں چھپا ہوا ہے اس واسطے اسکا اثر نہیں پڑا ہے بہت خوب کہا ہے۔

اس صورت کو بھی سرقہ نہیں کہتے بلکہ یہ ایک اقتباس ہے جسمیں صرف طرز بیان کو لے لیا ہے اور ایسے شعر بہت سے شعرا کے یہاں پائے جاتے ہیں طرز بیان کے

سولے مضمون بالکل نیا ہے مگر ہان یہ ضرور ہے کہ بغیر دوسرے خیال دیکھے ہوے یہ خیالات پیدا نہین ہوتے۔

چنانچہ یہ چند اشعار دیکھئے اور قیاس کر لیجئے کہ متاخرین نے متقدمین کے خیالات کو لیے بغیر یہ شعر نہین کہے جنکی گواہی اشعار خود باواز بلند دے رہے ہین۔

نظیری	مرا بہ سادہ دلی ہائے من توان بخشید	خطا نمودہ ام و چشم عافیت دارم
حزنی	مرا بر سادہ لوحیہاے حزنی خندہ می آید	کہ دارد چشم لطف از دلبری نامہربانی ہم
قائم	ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر	روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا
داغ	عشق مین اک بلند قامت سے	ہم گلے مل گئے قیامت سے
امیر	سایہ مین اک بلند قامت کے	فتنے سب سو گئے قیامت کے
غالب	انکے دیکھے سے جو آجاتی ہی منہ پر رونق	وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے
آسی	دیکھتے ہی مجھے کیون آگئی منہ پر رونق	کیا مرا رنگ پریدہ تری تصویر مین تھا
سعدی	رسم است کہ مالکان تحریر	آزاد کنند بندۂ پیر
آزاد	نازم بہ صاحبے کہ سراپا مروت است	آزاد کرد پیر غلام خریدہ را
سعدی	اگر یک سر موئے برتر پرم	فروغ تجلی بسوزد پرم
حیرتی	ہمچو پروانہ بہ شمعے سروکار است مرا	کہ اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

مندرجہ بالا اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ایک ایک خیال اور ایک انداز بیان پر شعر کی بنا رکھی گئی ہے اور باقی مضامین بالکل جدا ہین۔

نظیری۔ حزنی۔ قائم کے یہان سادہ دلی۔ داغ و امیر کے یہان قافیے۔ میر سے اور غالب کے یہان معشوق کے دیکھنے سے عاشق کی خوشحالی۔ سعدیؒ اور آزاد کے یہان آزادی۔ سعدیؒ اور حیرتی کے یہان فروغ تجلی کے خیالات ایک ہین۔ باقی مضمون بالکل علیحدہ ہین۔ یوسے۔ سے کے بجاے صحیح تو ضرور ہے مگر متروک الاستعمال ہے۔ اب دہلی مین یوسے بولتے ہین نہ لکھنؤ مین۔

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق — نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

حسن کے جلوے اور فروغ پر عاشق کی مشکل کے حل ہونے کا انحصار ہے گو شمع

ایک عاشق ہے جس کے پاؤں میں بتی سے کانٹا چبھا ہوا ہے اگر شعلۂ شمع کا جلوہ نہو تو وہ کانٹا نکل نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ شعلہ ہی بتی کو جلاتا ہے۔ حل مذکر لکھا جاتا ہے مصنف نے تانیث باندھا ہے۔ اور یہ غالباً مشکل کی وجہ سے یا دھوکا ہو گیا ہے کیونکہ ترکیب کے بغیر یوں لکھا جاتا (نثر) فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے اور بصورت ترکیب یوں (فروغ حسن سے حل مشکل عاشق ہوتا ہے) مگر غالب کا ایسی معمولی بات میں دھوکا کھانا ایک تعجب انگیز امر ہے اس لیے یہ قیاس غلط ہوگا کہ شاید مصرع اس صورت سے ہو

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل ہر مشکل عاشق

ورنہ شعر میں ایک غلطی مانی جائے گی۔

ردیف شین

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع   چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوشِ وداع

وقت شام آفتاب جو آسمان سے رخصت ہوتا ہے اور اسپر ہلال نمودار ہوتا ہے تو وہی تار شعاع شمس اُس کے واسطے جادۂ راہ ہیں اور ماہ نو وہ آغوش کشادہ ہے جو آسمان نے سورج کے رخصت کرنے کے لئے کھولی ہے حاصل یہ کہ شام کے وقت آسمان آفتاب کو رخصت کردیتا ہے مولانا نظم اس شعر کی شرح میں شعاع کے معنی اُن سفید خطوں کے لیتے ہیں جو قبل طلوع آفتاب اور بعد غروب آفتاب افق میں نمایاں ہوتے ہیں جنکو قرنی الشمس بھی کہتے ہیں۔ اور خط ابیض بھی مگر یہ معنی خلاف قیاس ہیں۔ شعاع کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع   ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

رخ نگار کو گل تصور کیا اور شمع کے سوز جاودانی کو حیات جاودانی مانا اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ میرے معشوق کے گل رخسار کے رشک سے ہمیشہ شمع جلتی ہے تو گویا آتش گل زندگانی شمع کے لیے آب بقا ہے یعنی اگر آتش رخسار معشوق اس قدر روشن ہوتی تو شمع کو یہ سوز جاودانی نصیب نہوتا۔ یہ مضمون محض آتش کو آب بنانے کے لیے لکھا گیا ہے نہایت نازک اور اچھا مضمون ہے۔ اگرچہ یہ محض ادعائے شاعرانہ ہے مگر آورد سے خالی

نہین ہی۔ یہان یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ آمد سے زیادہ اچھا آورد کا مضمون ہو سکتا ہی بشرطیکہ سلاست کے ساتھ باندھا جائے اور نشست الفاظ درست ہو۔

زبان اہل زبان مین ہی مرگ خاموشی یہ بات بزم مین روشن ہوئی زبانی شمع

اہل زبان کا خاموش ہو جانا بمنزلہ مر جانے کے ہے اور یہ بات شمع کی زبانی معلوم ہوئی ہے جیسے کہ جب وہ خاموش ہو جاتی ہے یعنی بجھ جاتی ہے تو اس کو شمع کشتہ اور شمع مردہ کہتے ہین۔

کرے ہی صرف بہ ایمائے شعلہ قصہ تمام بطرز اہل فنا ہی فسانہ خوانی شمع

شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اس طرح ہی جیسے کہ عارف اپنا حال اشارون مین ظاہر کرتے ہین شمع کے شعلہ کی جنبش کو اشارہ مانا گیا اور جل بجھنے کو قصہ کا تمام کرنا فرض کیا گیا۔ دوسرا پہلو جو مولانا نظم کے یہان ہی وہ یہ ہی کہ شمع صرف اشارے سے سارا قصہ تمام کرتی ہے یعنی شعلہ سے لو لگا کر سر سے پاؤن تک فنا ہو جاتی ہے جس طرح صوفیان اہل فنا شعلہ عشق سے لو لگا کر فنا فی الذات ہو جاتے ہین اور اپنی ہستی سے گذر جاتے ہین مگر غور کیجئے تو دوسرے معنی پہنانے سے لفظ فسانہ خوانی بیکار ٹھہرتا ہی کیونکہ اہل فنا کے جل بجھنے کو فسانہ خوانی نہین کہہ سکتے اگرچہ جل بجھنے سے قصہ تمام ضرور ہو جاتا ہے۔

شمع کا قصہ صرف اس قدر سمجھ لیجئے کہ مجھے جلایا اور مین بے تکلف جل گئی۔

غم اُس کو حسرت پروانہ کا ہی اے شعلہ ترے لرزنے سے ظاہر ہی ناتوانی شمع

اے شعلہ تیرے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمع کو پروانے کے جل جانے کا غم ہی اور وہ ناتوان و کمزور ہو گئی ہے۔

اتفاق سے حکیم مومن خان صاحب کی غزل بھی اسی ردیف مین ہی جس کے کئی ایک شعر غالب سے ملتے جلتے ہین آپ بھی غالباً دو اُستادون کے موازنہ سے لطف اٹھائین گے اور معلوم کرینگے کہ دو استاد جب ایک ہی بحث ایک ہی مضمون پر قلم اٹھاتے ہین تو

لیکن تو امو سرقہ وغیرہ کے الزام سے خود کو بچا لیتے ہیں یہ بھی نہیں تو کم از کم یہ ضرور ہو گا حکیم مومن خان ایک مشاق شاعر تھے سمجھ لیجئے کہ غالب اور مومن مرحوم ایک مجلس مشاعرہ میں غزل پڑھ کر اپنی اُستادی کا سکہ جما رہے ہیں۔

غالب — رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیٔ شمع ۔۔۔ ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیٔ شمع
مومن — داغِ جدائی دُر دندان روئے و زلف ۔۔۔ ہے رشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخانِ شمع
غالب — غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ ۔۔۔ ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیٔ شمع
مومن — آتا ہے بیکسوں پہ تو جلا دو کو بھی رحم ۔۔۔ روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع
غالب — جلی ہو دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو ۔۔۔ نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیٔ شمع
مومن — اسکو بھی کوئی پردہ نشین ہی جلا ہے ۔۔۔ فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع
غالب — کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام ۔۔۔ بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیٔ شمع
مومن — روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا ۔۔۔ اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع

غالباً تو ان کردہ شعروں میں خیال ایک ہے اور اس کو متفرق طریقہ سے ادا کیا ہے۔

ترے خیال سے رُوح اہتزاز کرتی ہے ۔۔۔ بجلوہ ریزیٔ باد و بہ پرفشانیٔ شمع

تیرے خیال سے روح کو جنبش ہوتی ہے جس قسم سے شمع کے لرزنے اور ہوا کے چلنے کی یا تیرے خیال سے روح کو ہوا کی طرح جنبش ہوتی ہے اور شمع کی طرح سے پر فشانی کرتی ہے جلوہ کی (ب) کو تشبیہ کے لیے ٹھہرانے میں اتنا لطف نہیں ہے جتنا کہ قسمیہ ٹھہرانے میں عبارت میں بلاغت اور فصاحت کی جھلک نظر آتی ہے اور جس میں کہ وہی تشبیہ کے معنی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

اہتزاز ہوا کے چلنے کو کہتے ہیں اور چونکہ بعض حکمانے روح کو بھی ہوا قرار دیا ہے اسواسطے وہ لفظ جو ہوا کے لیے خاص ہے روح کے لیے بھی ایک لطف پیدا کر دیتا ہے واضح ہو کہ (ب) کو اگر تشبیہ ٹھہرائیں گے تو یہ معنی پیدا ہوں گے۔ تیرے خیال سے روح پھڑکنے لگتی جس وقت ہوا چلتی ہے یا شمع پر فشانی کرتی ہے گویا اُس کے سبب سے میری روح کو بھی ایک امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جس طرح یہ جل کر اپنے معشوق سے ملتی ہیں۔ میں اسی طرح اپنے مبدءِ حقیقی سے ملجاؤں۔

ملہ بہکتی میں ہائے ہوز بسکون صحیح نہیں ہے بلکہ بکسرہ و سکون کاف۔

نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ   شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع

داغ غم عشق کی خوشی اور بہار کی کیفیت کو نہ پوچھ اگرچہ یہ داغ مثل گل شمع کے ہے جو اس کی بہار کو خزان بنا دیتا ہے مگر وہ گل خزانی شمع ایسا ہوتا ہے کہ بہار بھی اسیر شیفتہ اور نثار ہے کیونکہ اس گل خزانی کی بہار اور اس کا انجام فنا ہے اور وہ عین بقا ہے اور گل گلشن کی بہار کا انجام خزان ہے اور وہ فنا ہے یہی صورت گل داغ عشق کی ہے۔

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھکو   نہ کیون ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

شمع بالین یار پر مجھکو دیکھکر جلتی ہے اور چاہتی ہے کہ سوا اسے میرے اور کوئی وہان نہ رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری رقیب ہے تو پھر اس کی بدگمانی کا میرے دل پر داغ کیون نہو۔

ردیف ف

بیم رقیب سے نہین کرتے وداع ہوش   مجبوریان تلک ہوئے اے اختیار حیف

معشوق کی بزم مین اس کے جلوے یا اس کی بے اعتنائیون کو دیکھ کر بیہوش بھی نہین ہوسکتے کیونکہ رقیب ہمارا راز عشق فاش کریگا۔ یا وہ معشوق سے بے تکلف ہو جائیگا یا وہ ہمارا برا حال دیکھکر خوش ہوگا سلئے اے اختیار افسوس ہے کہ ہم اس قدر مجبور ہوگئے ہین کہ اپنے ہوش و بیہوشی کا بھی ہمکو اختیار نہین رہا یا اس صورت مین یون فرض کر لیجئے کہ اختیار کو مخاطب کرکے مصنف کہتا ہے کہ اے اختیار افسوس ہے کہ تو ہماری یہ حالت دیکھتا ہے اور کچھ امداد نہین کرتا اقبال کا ایک شعر یاد آیا ہے مرے خیال مین وہ زندگی نہیں ہوجاتی ؎ جو ہوشیاری و مستی مین امتیاز دیے

جلتا ہے دل کہ کیون نہ ہم اکبار جل گئے   اے ناتمامئی نفس شعلہ بار حیف

اے آہ شعلہ بار تو ہم کو بتدریج جلا رہی ہے لیکن ہم اس بات سے جل رہے ہین کہ ہم الکدم کیون نہ جل گئے یا یہ کہ دمبدم ہماری عمر کا حصہ گھٹتا جاتا ہے اور ہم آہستہ آہستہ گویا جل

رہے ہیں مگر ہم کو اس کا کمال رنج ہے کہ ایک دم نہیں جل جاتے۔ طب کا مسئلہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ جو ہوا جسم میں جاتی ہے وہ ترویح قلب کرتی ہے جس سے حرارت غریزی کو اشتعال دیتی ہے اور وہی حرارت باعث بقا و فنا ہے تو گویا وہ ایک آگ ہے جو ہمیں جلا رہی ہے۔ نتیجہ یہ کہ روح کی بیتابیاں آخر مرے کام آئیں ہر نفس کہتا ہوں جلتی ہوئی شمشیر ہوں

ردیف ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

میرے زخموں پر بے پروا لڑکے کہاں نمک چھڑکتے پھرتے۔ اگر انہیں پتھروں میں جو وہ دیوانہ سمجھ کر مجھکو مارتے ہیں نمک بھی پیدا ہوا کرتا تو بڑا مزا ہوتا۔ تاکہ جب وہ پتھر مارتے تو زخم بھی ہوتا اور نمک بھی چھڑکا جاتا تو مجھ ایذا دوست کو دونی لذت حاصل ہوتی۔

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کسقدر پیدا نمک

میرے زخمِ دل کا سامانِ ناز راہِ یار کی گرد ہے ورنہ نمک تو دنیا میں بہت پیدا ہوتا ہے اسکا میرے زخموں پر چھڑکا جانا کچھ دشوار نہیں ہے۔ وہ میسر ہو سکتا ہے کاش وہ خاک چھڑکی جاسے۔ نازک بات اس میں یہ ہے کہ نمک اگرچہ ابتداءً تکلیف رساں ہے مگر آخر میں وہ زخم کو بھر دیتا ہے اور مٹی زخم کو بڑھاتی ہے بھرتی نہیں۔

یا یہ کہ میرے زخموں پر چھڑکنے کے لئے نمک کی پیدائش ناکافی ہے (کس قدر) تحقیر کے لئے تیسری یہ صورت بھی نکلتی ہے کہ میرے زخموں پر نمک تو بھرا ہوا ہے مگر میرے زخموں کے لئے نمک کا چھڑکا جانا باعث ناز نہیں ہے۔ باعث فخر تو صرف گردِ راہِ یار ہے جو انہیں بھری ہوئی ہے جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی ہے۔ نمک تو ایک معمولی اور ارزان چیز ہے۔

مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔ تجھکو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو اور مجھے نالۂ بلبل کا درد یعنی تجھے حسن نے گل کی طرح خندۂ نمکین عطا کیا ہے اور اس خندۂ نمکین نے مجھے

نالۂ پر درد بلبل دیا ہی اسلئے دونوں قابل مبارکباد ہیں۔ وہ نمک تیرے لئے باعث فخر ہے اور یہ درد میرے سینے مایۂ ناز ہے۔ ہوجیو جو اس شعر میں مستعمل ہے وہ اگرچہ اب متروک ہے مگر مولانا نظم نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہوجیو نہایت مکروہ لفظ ہے مجھے اس میں کوئی کراہت نہیں معلوم ہوتی اور صیغہ امر کا اس صورت میں غالب کے زمانے تک عام استعمال ہوتا تھا۔ آئیو جائیو کھائیو۔ دیکھیو یہ سب الفاظ صحیح تھے سند کے لیے غالب ہی کا ایک شعر ہے ؎

دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

لیجئے اور شعر غالب ہی کا یاد آیا ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اسی طرح غالب کے معاصرین میں آزردہ۔ ذوق۔ مومن شیفتہ سب کے یہاں یہ الفاظ مستعمل ہیں۔

شور جولاں تھا کنارہ بحر پر کسکا کہ آج گرد ساحل ہی زخم موجۂ دریا نمک

آج کس شہسوار ناز نے کنارہ دریا پر اپنے توسن کو تیزی کے ساتھ دوڑایا ہے کہ جس کے شور جولاں کے رشک سے دریا کے دل زخموں میں (جو موجیں ہیں) گرد ساحل کا رشک سے نمک چھڑکا گیا اور اس شور جولاں کے سامنے دریا کو اپنا زور و شور ہیچ معلوم ہوا۔ مصرع ثانی میں صرف ایک لفظ (ہے) اردو ہے۔ اور باقی فارسی اردو میں اتنی قدر فارسیت اچھی نہیں (زخم موجۂ دریا) سوائے فارسی زبان کے اردو میں آدھے تیتر آدھے بٹیر کا رنگ دکھاتا ہے۔ اگرچہ غالب کو بوجہ فارسیت غالب ہونے کے معذور رکھ سکتے ہیں مگر اب ایسا نہ لکھنا چاہیئے۔

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

میرا معشوق میرے زخموں کی قدر کرتا ہے جہاں کہیں نمک دیکھتا ہے وہ مجھکو یاد کرتا ہے کہ اچھا ہوتا یہ اس کے زخموں پر چھڑ جاتا یا یاد کرتا ہے بلانے کے معنی میں ہے کہ نمک کے دیکھتے ہی وہ مجھے بلاتا ہے اور میرے زخموں پر چھڑکتا ہے یہ مبالغہ ہے۔ آجکل دیکھے ہے متروک اور دیکھتے ہیں یا دیکھتا ہے مستعمل ہے۔

چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے ۔ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

عاشق کے جسم کو زخمی کر کے چلا جانا ۔ ایک افسوسناک بات ہو کہ دل جس کی وجہ سے جسم پر زخم لگے ہیں ابھی زخموں کی دولت سے محروم ہے اور اعضائے زخم رسیدہ نمک کے خواہشمند ہیں ابھی کام بالکل ادھورا ہے اس صورت میں تیرا چلا جانا اچھا نہیں ۔ یہ حیلہ ہے جس سے دم بھر معشوق کو اور ٹھہرانا چاہتا ہے ۔ مانگے ہے بجائے مانگتا ہے اب غیر فصیح ہے ۔

غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیر درد ۔ زخم مثل خندۂ قاتل ہے سر تا پا نمک

میں درد زخم زیادہ کرنے کے لئے غیر کا احسان اپنے سر لونگا کہ اس سے نمک چھڑکنے کی التجا کروں جیسے خندۂ قاتل نمکین ہے اسی طرح میرا زخم بھی خندان ہو اور وہ سر تا پا نمک بنا ہوا ہے منت کھینچنا محاورہ فارسی کا ترجمہ ہے (منت کشیدن) مگر اردو میں اگر لکھتے ہیں تو منت کشی ہی لکھتے ہیں یا منت اٹھانا وغیرہ ۔ منت کھینچنا اب نہیں لکھتے غلط نہیں ہے مگر جب مترادف الفاظ ہمارے یہاں موجود ہیں تو کیا ضرورت ہو کہ محاورہ فارسی کا ترجمہ کیا جائے ۔

یاد ہیں وہ دن مجھے غالبؔ کہ وجد شوق میں ۔ زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

غالب مجھے وہ دن یاد ہیں کہ وجد شوق ایذا طلبی کی حالت میں اگر میرے زخم سے نمک گر جاتا تھا تو میں اس کو پلکوں سے چنتا تھا نمک کا پلکوں سے چننا ایک تو یہ مسئلہ ہے کہتے ہیں کہ نمک کا اتنا ادب کرنا چاہئے کہ زمین پر گر جائے تو اسے پلکوں سے چنے ۔

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

سر ہونا ایک محاورہ ہے جس کے معنی حال کے معلوم کرنے میں اسرار اور مبالغہ کے ہیں دوسرے مہم سر ہونا کسی بات کا انجام کو پہنچنا یہاں دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں اول یہ کہ یہ ضرور ہے کہ ہماری آہ میں اثر ہوگا مگر بہت دیر میں ہوگا اور دیر میں

تیری زلف پیچیدہ کے اسرار سے ہم باخبر ہونگے اس وقت تک ہم کو اپنی زندگی کی بھی امید نہیں ہے دوسرے یہ کہ جبتک ہماری آہ اثر کریگی اور تیری زلف کی مہم کو فتح کرینگے اتنے مین ہمارا کام تمام ہو جائے گا۔ حاصل یہ کہ تیری زلف دراز ایسی ہے کہ میری عمر اسکے حال معلوم کرنے یا اسپر قبضہ کرنے مین تمام ہو جائے گی۔

اگرچہ بادی النظر مین یہ گمان ہوتا ہے کہ محض قافیہ اور محاورہ کی غرض اور مناسبت لفظی کے لیے زلف کا مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے مگر ایک نازک بات یہ ہے کہ دلبر تو قبضہ ہونا اور اس کے اسرار معلوم کرنا تو بہت ہی دشوار اور ناممکن ہے ہماری عمر ایک بدولی اور لایعنی ہی کام مین ختم ہو جائے گی اسی طرح تمام اعضا کو کہہ سکتے ہین کہ تمام پر قبضہ پانا تو بہت ہی محال ہے۔

واضح ہو کہ اکثر نسخون مین ردیف مین بجائے ہوتے تک کے ہوتے تک دیکھنے مین آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہوتے تک بھی مصدری معنی پیدا کرتا ہے حکیم مومن خان کے یہان بھی اسی ردیف مین ایک غزل پائی جاتی ہے انھون نے بھی بجائے نون کے ردیف مین ”ت“ رکھی ہے۔

مولانا نظم اور حسرت صاحب کے یہان ہوتے تک ہے مین بھی اسی کو اچھا سمجھتا ہون خدا جانے غالب نے کیا لکھا تھا یا یہ کہ تیری زلف جب تک رسا ہوگی ہمارا کام تمام ہو جائے گا۔

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صدکام نہنگ — دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

دریا کی ہر موج کے جال مین صدکام نہنگ کے حلقہ ہین معلوم نہین قطرہ جب تک کہ موتی ہو اسپر کیا کیا آفتین آتی ہین۔ کام نہنگ کو حلقۂ دام سے استعارہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ کمال کے حاصل کرنے مین اہل کمال پر ہزارون آفتین آتی ہین بہت خوب شعر کہا ہے۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب — دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

عاشقی کے معاملات مین صبر کرنے کی ضرورت ہے اور تمنا جلد باز ہے تو مجھے اس کشمکش اور متضاد حالت سے یہ فکر پیدا ہوئی ہے کہ جب تک جگر کا خون ہو اور مقصد اختتام کو پہونچے مین اپنے دل کا کیا حال کرون اور کیونکر ضبط کرون۔

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن — خاک ہوجائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

یعنی یہ بھی مانا کہ آپ ہمارا حال دل سنکر غفلت نہ کرینگے اور جلد سے جلد خبر لینگے مگر ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ صبر کریں اور زندہ رہیں ہم کو سوزِ دل اُس وقت تک خاک کر دیگا۔

اسی طرح کا بالکل ایک شعر میر درد کا ہے ؎

کی تو بھی تاثیر آہ آتشین نے اسپر بھی — جب تلک پہونچے وہی پہونچے راکھ کا یان ڈھیر تھا

پرتوِ خور سے ہی شبنم کو فنا کی تعلیم — میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

بعض حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی کی حرارت اس کو جذب کر دیتی ہے اسی صورت کا مصنف اظہار کرتا ہے کہ دھوپ شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی ہے یعنی اس کو فنا کرتی ہے مجھے بھی اگر آپ عنایت کی نظر کرتے تو ابتک میں بھی فنا ہوجاتا یا جب آپ نظر کریں گے فنا ہوجاؤنگا بالکل یہی مضمون شیخ علی حزین کے یہاں پایا جاتا ہے ؎

گرانجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من — اگر بیوی با من رو گرمی آفتابش را

مثلاً صائب فرماتے ہیں۔

بہ اندک روے گرمی پشت بر گل میکند شبنم — چرا لوے آشنائی این قدر کس بیوفا باشد

صائب کے یہاں اسی مضمون کو نا صحانہ پیرایے میں ادا کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ پھول شبنم کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے مگر جہاں فوراً آفتاب کا سایہ پڑتا ہے شبنم غائب ہوجاتی ہے اور یہ اس کی پھول کے ساتھ ایک سخت بیوفائی ہے۔

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل — گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

دنیا کے رہنے کی فرصت صرف اسیقدر ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ سکے محفل کی گرمی اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ شعلہ رقص کرتا ہے گویا وہ رقص شرر اس کی ہستی اور عمر کی مدت ہے جس کے بعد وہ ختم ہوکر فنا ہوجاتا ہے ایک جگہ ذوق کہتے ہیں ؎

کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا — چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

دوسرا پہلو یہ ہے کہ روح اک شعلہ ہے جو رقص کر رہا ہے جس وقت یہ ختم ہوا عمر ختم ہوگئی یکنظر

سے مراد بہت ہی کہ نیز وہی طلب کا مسئلہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اے اسد غم ہستی کا سوائے موت کون علاج کر سکتا ہے شمع کو ہر صورت جبراً و قہراً صبح تک جلنا پڑتا ہے اور بجھکر جب وہ فنا ہوتی ہے تو اس کو آرام ہوتا ہے۔ غالب نے ایک جگہ اسی مضمون کو اور بھی کہا ہے ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات — ہنسکر گذار یا اسے روکر گذار دے

ذوق مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

یہ دونوں شعر ایک ہی مشاعرے میں پڑھے گئے تھے غالب مرحوم ذوق سے تو ارد دیکھکر اور ان کے شعر کو اپنے شعر سے چست پاکر اس شعر کو پڑھنا نہ چاہتے تھے مگر مجبوراً پڑھا۔

ردیف گ

گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ — یعنی بغیر یکدل بے مدعا نہ مانگ

اگر تجھکو یعنی دعا کے قبول ہو جانے کی بھی امید ہے تب بھی دعا نہ کر اپنے دل کو بے مدعا رکھ اور ہمیشہ اسی خواہش میں رہ کہ دل میں کوئی مدعا پیدا نہو نہ دل میں کوئی خواہش ہوگی نہ دعا مانگنے کی ضرورت پڑے گی۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھسے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ کر

اے خدا تو میرے گناہوں کا حساب کرتا ہے تو مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے کس کس گناہ کے کرنے کی حسرت باقی رہ گئی ہے اس سے بہتر ہے کہ تو مجھ سے میرے گناہ کا حساب نہ کر۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں اور گویا وہی شعر کی شرح ہے ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسی خیال کو فارسی میں کئی جگہ اعادہ کیا ہے۔ رباعی ؎

اے آنکہ دہی مایہ کم و خواہش بیش — آنروز کہ وقت باز پرس آید پیش
بگذار مراکہ من خیاسے دارم — باحسرت عیش ہاے ناکردہ خویش

ردیف ل

ہے کسقدر ہلاک فریب وفاے گل — بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل

بلبل اس قدر فریب وفاے گل پر مٹی ہوئی ہے اور اس کے رنگ کو پائدار سمجھتی ہے مگر بلبل کے اس خلل دماغ پر پھول ہنس رہے ہین ایک جگہ پہلے فرماچکے ہین ؎

بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہاے گل — کہتے ہین جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف — ٹوٹے پڑے ہین حلقہ دام ہواے گل

نسیم خوشبو فی ہوئی ہوا اور خوشبو اسی کو مصنف کہتا ہے کہ نسیم کو مبارک ہو اور وہ آزادی سے گشت لگاے۔ گل شگفتہ گویا پھول کی محبت کے جال کے حلقے ہین جنکو ہوا نے توڑ دیا ظاہر ہے کہ نسیم ہی پھولون کو شگفتہ کرتی ہے اس مین نسیم کی آزادی کی نسیم ہی کو مبارکباد دی گئی مگر دوسرا پہلو یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ عاشق بطریق طنز معشوق سے کہتا ہے کہ آپ جیسے نسیم دام ہواے گل مین گرفتار تھی مگر وہ اس دام کے حلقون کو توڑ آئی اب آپ کو ایک نیا عاشق ملا۔ آپ کا حسن گل کے حسن سے زیادہ ہے آپ اس کو ضرور اپنے دام محبت مین اسیر کرلین گے۔ یا عام آدمیون کو مبارکباد دی گئی کہ نسیم دام محبت گل سے آزاد ہوگئی ہے اب پھولون کی خوشبو کو منتشر کریگی۔

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے مین مر گیا — اے واے نالۂ لب خونین نواے گل

لوگ پھول کے نالۂ خونین نوا کو رنگ سمجھ کر اسپر فریفتہ ہو رہے ہین۔ ہاے پھول کا گریۂ خونین کس قدر بے اثر ہے بہت خوب شعر کہا ہے۔

خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو — رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپاے گل

وہ حریف سیہ مست بہت اچھا ہے جو سایۂ گل کی طرح گل کے پاؤن پر بیہوش پڑا ہوا

عرض حال کر رہا ہو - ایک جگہ مرزا داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

غش کھا کے داغ یار کے قدمون پہ گر پڑا | بیہوشی نے بہی کام کیا ہوشیار کا

ایجاد کرتی ہو اسے تیرے لئے بہار | میرا رقیب ہو نفس عطر سائے گل

بہار پہولون کو اس لیے کھلاتی ہے کہ تو انکی خوشبو سونگھے - انکی سیر کرے - انکا ہار پہنے یا تیرے بستر پہ بچہائے جائین تو گویا پہول میرے رقیب ہین کیونکہ تجھے انکی خواہش اور محبت ہوگی یا وہ تیرے ہم بستر ہوں گے -

شرمندہ رکھتے ہین مجھے باد بہار سے | مینائے بے شراب و دل بے ہوائے گل

جب زمانۂ بہار مین میرا شیشہ شراب سے اور دل ہوائے سیر گل سے خالی ہوتا ہے تو مجھے بہار سے شرمندگی ہوتی ہے -

سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کی | خون ہو مری نگاہ مین رنگ ادائے گل

چونکہ تیرا حسن غیرت مند ہے اور یہ نہین چاہتا کہ میرا عاشق میرے سوائے کسی دوسری شے کو نظر محبت سے دیکھے اسی بنا پر پہولون کی دلفریب ادائین میری نگاہ مین خون ہین اور مین انکو اچھا نہین سمجھتا بلکہ بُری معلوم ہوتی ہین -

تیرے ہی جلوہ کا ہو یہ دہوکہ کہ آجتک | بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

پہول جو یکے بعد دیگرے کھلتے ہین یہ کسی اور سبب سے نہین ہے بلکہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ایک پہول کو کھلا دیکھکر دوسرا گل ناشگفتہ یہ سمجھتا ہے کہ تو صحن چمن مین جلوہ گر ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دوسرا پہول بھی کھلتا ہے اسیطرح اس دہوکہ مین ہمدم سے یکے بعد دیگرے پہول دوڑے ہوئے چلے آتے ہین فارسی مین کہا ہے تا گل برنگ و بوے کہ ماند کہ در چمن ؛ گل در پس گل آمدہ در جستجوئے گل

غالب مجھے ہو اس سے ہم آغوشی آرزو | جسکا خیال ہو گل جیب قبائے گل

اس مین حرف ندا محذوف ہو یعنی اے غالب مجھے اُس سے ہم آغوشی کی تمنا ہے جسکے

خیال نے گل سے اپنے گریبان کو زینت دے رکھی ہے۔
آغوشی کی (دے) دیتی ہے (ور یہ باتباع فارسی مصنف کے یہاں جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اہل فارس بے تکلف حروف علت کو گرا دیتے ہیں۔ یا اس جگہ یہ سمجھیے کہ دو حروف علت جمع ہونے سے ایک حرف گرا دیا گیا ہے جو صحیح ہے۔ اہل لکھنؤ (دے) کا گرنا صحیح نہیں سمجھتے۔

ردیف میم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

آزادوں کو ایک دم سے زیادہ غم نہیں ہوتا ہے ہم اپنے گھر میں بجلی کی روشنی سے چراغ جلاتے ہیں کہ دم بھر چمک کر وہ ہمارے تمام غموں کا خاتمہ کر جاتی ہے یعنی دم بھر ہم نے اندھیرے کا غم کیا اور بجلی سے چراغ جلا اور ہم تاریکی کا فیصلہ ہو گیا۔

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم

تمہارا خیال ہر وقت محفلیں برہم کیا کرتا ہے یعنی گذشتہ صحبتوں کو جو درہم و برہم ہو چکیں ہماری نظر کے سامنے لایا کرتا ہے۔ اس صورت میں ہم اُن اگلی صحبتوں کے بتخانۂ لقا دیر گنجفے کے ورق گردان ہیں گنجفہ بجز ایک تفریح کا سامان ہو اس سے اسکی ورق گردانی سے یاد محفلہا برہم شدہ نشاط کا پتہ چلتا ہو نہ کہ مجالس ماتم وعزا کا۔ ورق گردانی میں بادی النظر میں یا سے مصدری کا دھوکہ ہوتا ہے مگر دراصل یہ یائے فاعلی ہے۔

باوجودیک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم

باوجود اس کے کہ ہنگامہ بہت ہے اور شور و شوری اس قدر زیادہ ہے مگر پھر بھی کچھ نہیں ہماری ہستی ہماری شورا شوری اُن چراغوں سے مشابہ ہے جو پروانہ کے دل میں جلتے ہیں اور جس سے پروانہ میں یہ اضطراب اور انتشار ہے جبکا دیکھیے تو دراصل کوئی وجود نہیں ہے۔

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

لوگ سمجھتے ہونگے کہ ہم جو ترک دنیا کیے ہوے ہین یہ قناعت کے سبب سے ہو مگر واقعہ یہ نہین ہو کہ ہم جستجو کرتے کرتے تھک گئے ہین تو اس سے ہم بیٹھے ہین لہذا ہم تکیہ گاہ ہمت مردانہ (یعنی قناعت کے لیے جو دراصل بر بنائے ضعف ہو؛ وبال ہی یعنی ہمت مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہو اور ہمارا قناعت پر تکیہ ضعف سے ہے نہ کہ ہمت مردانہ سے جو لوگون کو قناعت کا فریب دیتا ہو اسلئے تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم سے شرم کرتی ہے۔

دائم الحبس اسمین ہین لاکھون تمنائین اسدؔ جانتے ہین اس دل پرخون کو زندانخانہ ہم

میرا دل پرخون ایک ایسا قید خانہ ہے جس مین لاکھون حسرتین ہمیشہ کے لیے مقید کردی گئی ہین یعنی میرے دل کے ارمان کبھی پورے نہین ہوتے۔

بنالہ حاصل دلبستگی فراہم کر متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

اگر تو دلبستہ ہے تو رونا ہی اختیار کر کیونکہ زنجیر جو ایک دلبستہ ہے اسکے گھر مین سوائے نالہ و فریاد کے کچھ نہین ہے۔ گویا حاصل دلبستگی رونا ہے۔ ایک میرا شعر ہے ؎

گل داغ جنون ہین دلمین اب رونا بھی لازم ہے ہمین اس باغ کی کرنی پڑیگی باغبانی بھی

مارا دیار غیر مین مجکو وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

مجکو خدا نے غریب الوطن مارا اور پردیس مین موت دی۔ اس صورت مین گویا اسنے میری بےکسی کی شرم رکھ لی۔ کہ جیسا مین بیکس تھا اس کے لیے غریب الوطنی کی موت بھی ضرور چاہیے تھی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر مین وطن مین بھی مرتا تو بھی بسبب اسکے کہ مین ایک بیکس تھا کوئی مجھے رونے نہ آتا یا میرا کوئی غم نہ کرتا اور یہ امر میرے لیے باعث رنج اور دوسرون کے لیے ہنسنے کا موجب ہوتا لیکن اب جو پردیس مین میری لاش بے دفن و کفن پڑی ہوئی ہے اور کوئی رونے والا نہین ہے تو کم از کم لوگ یہ تو سکتے ہین کہ یہ ایک بیکس تھا غریب الوطن تھا۔ بخلاف وطن کے کہ یہی واقعہ وہان بھی

ہوتا اگر وہاں باعث شماتت ہمسایہ ہو جاتا۔ آتش مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر ۔۔۔ ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

مولانا حالی صاحب فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

رونے والے نہ تھے غربت کی اجل پر نہ سہی ۔۔۔ ہنسنے والا تو وہاں کوئی دل زار نہ تھا

وہ حلقہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا ۔۔۔ رکھ لیجو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

اے خدا اُسکے دام زلف کے حلقہ میرے پھانسنے کی گھات میں لگے ہوئے ہیں اور میں ہنوز خود کو آزاد ظاہر کرتا ہوں اور در اصل آزاد ہوں تو اس صورت میں اگر وہ میرے اسیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری آزادی پر حرف آجائے گا لہٰذا اے خدا مجھے اُنسے بچانا اور میری وارستگی اور آزادی کے دعوے کی شرم رکھ لینا۔

ردیف نون (ن)

لوں دام بخت خفتہ سے اک خواب خوش و لے ۔۔۔ غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

میرا نصیبہ سو رہا ہے۔ اور میں بے خواب ہوں۔ تو اس حالت میں اپنی غم تکلیف کے لیے ایک میٹھی نیند میں اپنے بخت خفتہ سے قرض ضرور لے سکتا ہوں۔ مگر اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مجھے تو کبھی نیند آتی ہی نہیں ہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں ۔۔۔ وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

یہ تمام غزل ایک ہی رنگ میں کہی گئی ہے جس میں گذشتہ زمانہ کو یاد کیا گیا ہے کہتا ہے کہ ولیکن اُوہ ذوق و شوق ہی باقی نہیں رہا جس کی بدولت وصل کی خوشی اور ہجر کا غم ہوتا تھا۔ وہ زمانہ اسکی راتیں۔ اس کے ماہ و سال خواب و خیال ہو گئے۔

فرصت کاروبار شوق کسے ۔۔۔ ذوق نظارۂ جمال کہاں

اب نہ دل میں عشق باقی ہے نہ تمنائے دیدار معشوق کا کہیں پتہ ہے۔

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا　　شورِ سودائے خط و خال کہاں

دل تو اپنی جگہ ہے وہ تو غیر گیا ہی اب وہ دماغ بھی باقی نہیں رہا خیال خط و خال کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

تھا وہ اک شخص کے تصور سے　　اب وہ رعنائی خیال کہاں

صرف ایک شخص کے تصور کا کرشمہ تھا کہ ہم کو خیال وغیرہ اچھا معلوم ہوتا تھا اب وہ تصور ہی باقی نہیں رہا کہ خیال کی رعنائیاں ہم کو فریفتہ کریں۔ یہاں ایک شخص کی جگہ کوئی دوسرا لفظ شوخ وغیرہ کہہ دیا جاتا تو خلاف مقام ہو جاتا اور معلوم ہوتا کہ ابھی ذوق شوق اور حسن کی پرکھ اور چسکا دل میں باقی ہے کہ اس کو شوخ کہا گیا لہذا ایک سادہ لفظ شخص کہا۔

ایسا آسان نہیں لہو رونا　　دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

جیسا کہ آنکھوں سے لہو بہانا پہلے آسان معلوم ہوتا تھا اب کہ تمام طاقت سلب ہو چکی ہے وہ خونفشانیاں آسان نہیں معلوم ہوتیں نہ جگر میں وہ طاقت ہے نہ دل میں وہ توانائی ہے۔

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق　　واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں

قمار خانۂ عشق ہم سے چھوٹ گیا کیونکہ وہاں جائیں تو کس برتے پر جائیں اب نہ اپنے پلے نقد دل ہے نہ زر داغ جنون ہے۔

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں　　میں کہاں اور یہ وبال کہاں

اب افکار دنیوی سے پریشان ہوں اور شب و روز اسی میں سرگرداں رہتا ہوں ایک زمانہ تھا کہ مجھے اس وبال سے کوئی سروکار اور تعلق ہی نہ تھا۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب　　وہ عناصر میں اعتدال کہاں

اب تمام قواے جسمانی ضعیف و نحیف ہو گئے۔ وہ جوانی کا سا اعتدال مزاج مین باقی نہ رہا۔

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین　　ہوتی آئی ہی کہ اچھون کو بُرا کہتے ہین

ہم سے معشوق نے وفا کی تو دشمن اس کو جفا اور معشوق کو ظالم کا خطاب دیتے ہین مگر یہ کوئی نئی بات نہین ہے یہی قاعدہ ہے اچھون کو برا کہا ہی کرتے ہین۔ اس مین معشوق کو اچھا کہکر اپنے ساتھ وفا کرنے پر تحریص دلائی گئی ہے۔

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے　　کہنے جاتے تو ہین پر دیکھیے کیا کہتے ہین

آج ہم اس ارادے سے اُنکے پاس جاتے ہین کہ اپنی پریشانی دل کا اُن سے اظہار کرین مگر دیکھئے یہ تو سب اعادہ ہی ارادہ ہے اس کو دیکھکر ہمارے منہ سے کیا نکلتا ہے یا وہ یہ حال سنکر کیا کہتے ہین کسی کا مشہور مصرع ہے۔

خدا جانے وہ کیا پوچھین زبان سے میری کیا نکلے

نواب مصطفےٰ خان شیفتہ فرماتے ہین کہ ؎

اُس سے مین شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا　　کیا کرون تھا یہی دلمین سو زبان پر آیا

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو　　جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہین

مے و نغمہ کو بُرا نے آدمی کہتے ہین کہ اندوہ ربا اور غم غلط ہے۔ اور آجکل کے زمانہ مین اس مین یہ صفت باقی نہین رہی ہے کہ اندوہ و غم انکی سے کم ہو جاوے سو ان لوگون سے اس بنا پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہین ہے شراب اور نغمہ مین پہلے یہ خاصیت ہوگی جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین اگرچہ آج نہین ہے۔

دلمین آجائے ہے ہوتی ہی جو فرصت غش سے　　اور پھر کونسے نالہ کو رسا کہتے ہین

یہ شعر نہایت ہی اچھا کہا ہے جس مین اپنی محرومی کا نقشہ کھینچا ہے گویا کہ شاعر نے نالۂ رسا کا نام سنا ہے مگر اس کو کبھی دیکھا نہین ہے یعنی اس نے نالہ کو کبھی

اثر تک رسائی نصیب نہین ہوئی ہے اسی بنا پر وہ ایک سوال مقدر کا جواب دیتا ہے کہ نالہ رسا اور کیا ہوتا ہے یہی ہے کہ غش سے فرصت ملی تو نالہ دل مین موجود ہوگیا اس صورت مین گویا وہ یہ جانتا ہی نہین ہے کہ نالۂ نارسا اس کو کہتے ہین جس کی پہونچ اثر تک ہو۔

ہی پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود   قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

ہم قبلہ کو سجدہ نہین کرتے بلکہ قبلہ کو محض قبلہ نما سمجھتے ہین کہ وہ ایک جہت معین ہے ہمارا مسجود وہ ہے جو ادراک کی حد سے باہر ہے اور جہات وغیرہ سے منزہ اور مبرّا ہے۔ ع

بسوئے کعبہ سجدہ ہے مگر مسجود تو ہی ہے

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے   خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

مہر گیا ایک بوٹی ہو جس کا خواص یہ ہے کہ جو اس کو اپنے پاس رکھتا ہے اسپر لوگ مہربان ہو جاتے ہین۔ اسی بنا پر مصنف کہتا ہے کہ تجکو ہمارے زخمی پاؤن پر جبسے کانٹے چبھے ہوئے ہین جب سے رحم آیا ہے تو راہ کے کانٹون کو ہم کانٹا نہین کہتے بلکہ مہر گیا کہتے ہین کہ اس کی وجہ سے تجکو ہمپر رحم آیا۔

اک شرر دل مین ہو اس سے کوئی گھبرائیگا کیا   آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین

روح حیوانی دل مین اک شرارہ ہے اس سے ہم کیا گھبرائینگے جب حال یہ ہو کہ ہم دل کی آگ بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہین یعنی ہمارا سانس لینا محض اشتعال حرارت عزیزی کی غرض سے ہے اس مسئلہ کو مصنف نے کئی جگہ نظم کیا ہے۔

دوسرا پہلو اسمین یہ بھی ہے کہ لوگ ہمکو طعنہ دیتے ہین کہ دلکی آتش غم سے گھبرا کر ہمکو ہوا کھانے کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم گھبرا کر گرمی کے مٹانے کے واسطے ہوا نہین کھاتے ہین بلکہ آگ کے بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہین یعنی سانس لیتے ہین اسی طرح مصنف ایک جگہ کہتا ہے ؎

زخم سلوانے سے مجھپر چارہ جوئی کا ہے طعن   غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

یاسے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھنا مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

دیکھئے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

دیکھئے اب اُس کا غرور کس حد تک تجاوز کرتا ہے کیونکہ ہم کو عادت ہو گئی ہے کہ اُسکی ہر بات سنکر ہم تعریف و توصیف کرتے ہین ؎

جو کچھ کیا وہ سب مرے دل نے کیا قصور
سہ سہ کے ظلم تجکو ستم گر بنا دیا

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہدین شاید
مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

وحشت سے یا غلام علیخان وحشت یا جنون - اور شیفتہ سے یا نواب مصطفی خان شیفتہ یا عام عاشق دو نون مراد ہو سکتے ہین یعنی یا تو دونون صاحب میرا مرثیہ کہینگے یا وحشت دل جو میری کمال رفیق ہے میرا غم کریگی یا عشاق جو میرے ہم مشرب ہین میرا غم کرینگے - وحشت صاحب حکیم مومن خان کے شاگرد تھے اور نواب مصطفی خان صاحب فارسی مین مرزا سے اور اُردو مین حکیم مومن سے تلمذ رکھتے تھے مرزا غالب اُنکے کلام کے نہایت مداح تھے اور اکثر اُنکی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے شیفتہ مرحوم فارسی مین حسرتی تخلص کرتے تھے چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

غالب ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل
چون او تلاش معنی و مضمون نکردہ کس

ایک جگہ یون کہتے ہین ؎

غالب بہ فن گفتگو ناز و بدین ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفی خان خوش نکرد

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن مین نہین
ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین

اس گل کی کیا آبرو ہے جو گلشن مین نہو وہ گریبان ننگ پیراہن ہے جو دامن مین نہو ظاہر ہے کہ گریبان دامن مین جبھی پہونچیگا جب چاک ہو جائے گا - اور چاک ہوا تو گل سے مشابہت پیدا ہو جائے گی -

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین
رنگ ہو کر اڑگیا جو خون دامن مین نہین

سے گریہ ضعف سے کچھ میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ جو خون آنکھوں کی راہ سے نہیں نکلا ہے وہ رنگ ہو کر اڑ گیا ہے۔ ضعف میں رنگ کا اڑ جانا ایک ایسی بات ہے جو محتاج بیان نہیں ہے۔

ہوگئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب — ذرّے اسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

جن ذروں کو اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں دیکھتے ہو یہ دراصل ذرے نہیں ہیں بلکہ نگاہ آفتاب کے اجزائے پریشان ہیں جو یہاں آکر جمع ہوگئے ہیں یعنی آفتاب بھی اس کو روزن دیوار سے تاکتا جھانکتا ہے ایسا ہی شعر گذر چکا ہے از روزنِ دامن بر

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے — انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

عشق خانۂ ویراں سے دنیا کی رونق ہے اگر یہ برق خرمن ہستی میں نہ چمکے تو وہ انجمن بے شمع سے زیادہ وقیع نہیں ہے۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن — غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

زخم میں ٹانکے دلوانے سے مجھے یہ طعنہ دیتا ہے کہ میں اپنے علاج میں مصروف ہوں لیکن غیر کو یہ خبر نہیں کہ میرے ایذا پسند دل کو اس زخم میں جو ٹانکے دیئے جانے کے وقت ہوتے ہیں ایک لذت آتی ہے۔ یہ شعر اور اسکا ہم مضمون شعر ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔
رفوے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی — سمجھنا مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

کیا کہوں تاریکیٔ زندان غم اندھیر ہے — پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن میں نہیں

مجھ سے میرے زندان خانۂ غم کی تاریکی کا حال کیا پوچھتا ہے یہاں عجب ظلمت ہے جس کی دیواروں کے اندر اگر روئی رکھ دیں جو بند کر دینے اور اندھیرا کرنے کا سامان ہے تو صبح کی طرح اس سے روشنی پھیل جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ بہت ہی زبردست اندھیرا ہوگا وہاں ایسی معمولی چیز سے بھی روشنی ہوگی۔ ایک جگہ اور بھی فرماتے ہیں۔
بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی — شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

زنفت دود دل سی ہی یہ تاریکی مرے غمخانہ مین
شمع ہی اک سوزن گم گشتہ اس کاشانہ مین

بسکہ ہم ہین اک بہار ناز کے مارے ہوے
جلوۂ گل کی سوا گرد اپنے مدفن مین نہین

چونکہ ہم کو ایک بہار ناز نے قتل کیا ہے۔ اسیوجہ سے اور اسی اثر سے ہماری قبر مین گرد کا نام نہین ہی بس ہر طرف گل ہی گل ہین۔ اس مین دو پہلو نکلتے ہین ایک یہ کہ اسکا تصور ہم کو ابتک باقی ہے یا ابتک ہمارے جگر مین داغ موجود ہین جو گل سے مشابہ ہین دوسرے یہ کہ ہم شہید ہوے تھے اور اس کے ثواب مین ہماری قبر مین جنت موجود ہے پہلے معنی زیادہ چسپان ہین۔

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہی نئے ناسور کا
خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن مین نہین

میرے جسم مین ہر ایک قطرۂ خون ایک نئے ناسور کا مادہ ہی یعنی جہان جہان کوئی قطرہ خون گرے گا وہ وہان ناسور ڈالدیگا۔ اور نکلجائے گا۔ کیونکہ میرا خون بھی درد کا جویا ہے۔ اور ذوق درد اس مین بھی موجود ہے یہ ایسا ہی شعر ہے جیسا مصنف نے ایک جگہ کہا ہے ؎

دکھاونگا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہی سرو چراغان کا

لیگئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن مین نہین

رگ گردن اکثر غرور کے محل پر استعمال کرتے ہین جیسے کہ خود مرزا صاحب مرحوم ایک جگہ کہتے ہین ؎

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہو جاے
غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہو جاے

اسی بنا پر شعر کے یہ معنی ٹھہرتے ہین کہ ساقی کے پاس جو مینا ئے مے تھا اسکی موج شراب سے اس مین رگ گردن پیدا ہوگئی تھی یعنی شیشہ اپنے پر ہونے پر مغرور تھا اور ساقی اترایا ہوا تھا کہ اتنی شراب کون پی سکتا ہے مگر مین ایک قلزم آشام میرے سامنے ایک شیشہ شراب کی کیا ہستی تھی سب چٹ کر گیا اب نہ ساقی کی وہ نخوت نہ شیشہ کو وہ غرور ہے۔

ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود　　قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن میں نہیں

ضعف مجکو چارون طرف سے دبائے ہوئے ہے اور جھکنے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا پھر ایسی حالت میں میرا قد کیونکر جھکے اور میری ناتوانی کا اظہار کیونکر ہو۔

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ غربت میں ہو قدر　　بے تکلف ہون وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

غالب میری وطن ہی مین کیا شان تھی کہ غربت میں کچھ قدر ہو میں ایک مشت خاشاک ہون جو بہار مین نہیں جھکا ہوا میرے لئے اگر آرام ہے تو گلخن ہی مین ہے کیونکہ جب تک وطن مین تھا خارزار اور خس و خاشاک مین ملا ہوا تھا اور وطن سے جدا ہوا تو خاک روبون نے جھاڑو دیکر شہر بدر کر دیا غرض وہان آرام تھا نہ یہان آرام ہے میرے لیے گلخن ہی مناسب ہے اس سے پہلے ایک جگہ فرما چکے ہین ؎

فنا کو سونپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا　　فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اس شعر مین تصوفانہ رنگ کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے یعنی فنا ہو جانا بھی عین بقا ہے۔

عہدہ سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا　　گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہون

مین اُسکے ناز کی تعریف نہین کرسکتا اگر اسمین ایک ادا ہو تو یہ کہکر فراغت پا جاؤن کہ اسی پر میری جان جاتی ہے مگر یہان تو ہزارون ادائین ہین گویا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

حلقے ہین چشم ہائے کشادہ بسوئے دل　　ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون

تیرے گھونگھر والے بالون مین جو حلقے پڑے ہوئے ہین وہ گویا آنکھون کے حلقے ہین جو میرا دل چھیننے کے لیے تیار ہین اور اس کو دیکھ رہے ہین لہذا مناسب ہو کہ تیرے ہر تار زلف کو نگاہ سرمہ سا کا خطاب دون اور ہر ایک تار زلف کو اُس

چشم حلقہ کی نگاہ کہوں ۔ نگاہ اور چشم میں بڑا فرق ہے اور تمثیل بھی دونوں نہایت ہی خوب ہیں تعریف نہیں ہو سکتی۔

میں اور صد ہزار نوا ہائے جان خراش ۔۔۔ تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں

ذوق مرحوم نے گویا اس کی شرح میں یہ شعر لکھا ہے ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں ۔۔۔ واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

لفظ کیا کہوں کی تعریف نہیں ہو سکتی جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ مجبوراً جب تو نہیں سنتا تو مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے۔ اور یوں کیا کہوں ایک عام محاورہ ہے اسمیں نشنیدن ایک ایسا لفظ ہے جسے نا سمجھ اردو سے فارسی خلط ملط کا غالب پر الزام لگائے گا مگر پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر مصنف اسی لفظ کو اردو میں کہتا۔ ع

تو اور ایک تیرا نہ سننا کہ کیا کہوں

تو شعر فلک الافلاک سے تحت الثریٰ میں پہونچ جاتا بلکہ صرف تفنن عبارت کے لئے اکثر جگہ ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لے لیجئے مجھے یاد آیا نقاد کلام اسد اللہ خان غالب جناب مرزا یاس آتش پرست نے اس شعر پر اعتراض بھی کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ نشنیدن کہ کیا کہوں کی ایک ہی کہی" اردو کی پھوٹی ہوئی قسمت جہاں تک ناز کرے کم ہے جس کا جواب رسالہ خیال میں اس صورت سے دیا گیا ہے "اعتراض ایک فارسی لفظ کے متعلق ہے اور محض اسی وجہ سے شعر بد مذاقی کا نمونہ بنگیا ہے۔ سبحان اللہ سبحان یاس کی امید پر علمی دنیا اور عالی خیالی کی پھوٹی ہوئی قسمت جہاں تک ناز کرے کم ہے لطف دیکھئے کہ عالیجاہ خود دو سطر پہلے شعر میں لفظ نشنیدن کو ایک انوکھی ترکیب کے ساتھ استعمال کر آئے ہیں اور فرماتے ہیں ؎ یاس

آنکھ کا مارا مرے نزدیک آزاری نہیں ۔۔۔ جو سچ پوچھو تو اچھی کوئی بیماری نہیں

خدا جانے یہ آزاری کہاں کا لفظ ہے اور نشنیدن پر اس کو کیا فوقیت حاصل ہے۔ اندر رسالہ خیال فروری ۱۹۱۶ء مولینا علی حیدر صاحب نظم اس شعر کی بابت یوں فرماتے ہیں۔ اس شعر سے یہ دہوکا نہ کھانا چاہیئے کہ غالب سا شخص اس طرح اردو اور فارسی کا خلط کرے جسے ایک بندی سا بندی اور گنوار سا گنوار بھی صحیح نہیں سمجھتا تمام طنز میں

تفنن الفاظ اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سمجھ کر مصنف نے یہاں تشیدن کہا ہے لیکن یہ تاویل مستبعد ہے ہمیں شک نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی تاویل نہ کیجاے تب بھی یہ صحیح ہے غالب سے پہلے اور غالب کے زمانہ تک بے تکلف مصادر فارسی کا استعمال بجاے اردو کے کرتے تھے میر کہتے ہیں ؎

آنسو کی بوند آنکھوں سے دونوں اتبو نکلتی یک نہیں　　دل کے طپیدن روز و شب ہی خوب جگر کا لوہو پیا

اسکے سواے مردن - رفتن - وغیرہ ابتک اردو میں بلا تکلف مستعمل ہیں لہذا ایسے الفاظ اعتراض نادانی سے خالی نہیں -

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ　　ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہوں

کہتا ہے کہ میرا گمان اور میری عقل مجھے تیرے بارے میں راے دیتی ہے کہ تو بیوفا ہے لیکن میں برابر تجھے باوفا کہے جاتا ہوں اور انکی ایک نہیں سنتا خدا کے لئے تو اقدر بیوفائی پر کمر نہ باندھ کہ مجھے اپنے خیال سے شرمندہ ہونا پڑے اور خدانخواستہ مجھے وہ دن دیکھنا پڑے کہ میں بھی تجھے بیوفا کہوں "ہے ہے خدا نکردہ سے" یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ دن دیکھنا مصنف کو پسند نہیں -

مہرباں ہوکے بلالو مجھے چاہو جسوقت　　میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکوں

اس غزل کے تینوں شعر ایک ہی رنگ میں کہے گئے ہیں اور اسمیں ایک صنعت رکھی گئی ہے کہ قافیہ دو معنوں پر مشترک ہے اور اسیوجہ سے یہ شعر نہایت بدیہہ ہے - مجھے مہرباں ہوکے جسوقت چاہو بلالو میں گیا وقت نہیں ہوں کہ جاکر پھر نہ آسکوں -

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے　　بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

یعنی حالت ضعف میں غیر مجھے طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں مگر میں اٹھاتا ہوں بات کا اٹھانا میرے لئے ایسا دشوار نہیں ہے جیسے سر کا اٹھانا - یعنی اس وقت سب گوارا ہے -

زہر ملتا ہی نہیں مجکو ستمگر ورنہ　　کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

افسوس ہے کہ مجکو کہین زہر نہین ملتا ورنہ جیسے تیرے ملنے کی قسم کھا نا میرے لئے غیر ممکن ہے اسی صورت سے زہر کھانا مشکل نہین ہے۔ حکیم مومن خان کے یہان اس صورت کے بہت اشعار پائے جاتے ہین جیسے ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دل آگ ہے اور لگائین گے ہم — کیا جانئے کسے جلائین گے ہم
ایسی وحشت نہین دلکو کہ سنبھل جاؤن گا — صورت پیرہن تنگ نکل جاؤن گا

اسی زمین مین اسی صنعت مین ذوق مرحوم فرماتے ہین۔

سرد مہرون سے فلک ڈال نہ پالا کہ بن آگ — نخل سرمازدہ کی طرح سے جل جاؤن گا
دیکھنا حشر مین جب تم پہ مچل جاؤن گا — داغؔ مین بھی کیا آپکا وعدہ ہون کہ ٹل جاؤن گا
شمع سان بر سر محفل نہ جلا دیکھ مجھے — بیانؔ پھیل جاؤن گا ستمگر کہ جو جل جاؤن گا

مرزا غالب کے آخری شعر کے مصرع ثانی مین تین کاف ایک جگہ جمع ہونے سے تنافر پیدا ہوگیا ہے۔

ہم سے کھلجاؤ بوقت مئے پرستی ایکدن — ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

مضمون رکیک سہی مگر اس سے مرزا کی شوخ طبعی کا پتہ چلتا ہے۔ تغزل کا گہرا رنگ اس مین بھرا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ ہم سے شراب پیتے وقت کسی روز بے تکلف ہو جائیے ورنہ ایک نہ ایک دن ہم آپ کو چھیڑین گے اور اگر آپ شکایت کرینگے تو ہمارے پاس معقول عذر مستی کا جواب موجود ہوگا۔

غرۂ اوج بنائے عالم امکان نہو — اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

یعنی دنیوی بلند عمارات کی بنا پر مغرور نہو ایکدن اس عروج کو زوال ضرور ہوگا۔ ایکدن سے مراد روز قیامت بھی ہو سکتا ہے اور انقلاب زمانہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے۔

قرض کی پیتے تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہان — رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مولانا آزاد نے آب حیات مین لکھا ہے ایکدفعہ مرزا بہت قرضدار ہو گئے

قرضخواہون نے نالش کردی جوابدہی مین طلب ہوسے مفتی صدرالدین آزردہ کی عدالت تھی جس وقت پیشی مین سگئے یہ شعر پڑہا- دوسرے تذکرسے مین مین سنے یہ دیکھا ہے کہ مفتی صاحب سنے ازراہ قدردانی سارا قرضہ اداکردیا- اس شعر کی بنا پر یہ تمام شعر کہے گئے تھے ایک جگہ میر تقی صاحب میر فرماتے ہین ؎

مے کشی صبح وشام کرتا ہون ۔۔۔ فاقہ مستی مدام کرتا ہون

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے ۔۔۔ بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

اے دل اگر نغمہ ہاے شادی نہین ہین تو نغمہ ہاے غم ہی کو غنیمت سمجھ کیونکہ ایکدن ایسا آئیگا کہ یہ ساز ہستی بیکار ہو جائیگا کہ اس سے نہ نوحہ غم کی صدا نکلیگی نہ شادی کی مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

کشتی غم کی روانی بھی ہے اے دل مغتنم ۔۔۔ یہ بھی اکدن نذر گرداب فنا ہو جائیگی

دھول دھپہ اس سراپا ناز کا شیوہ نہین ۔۔۔ ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایکدن

یعنی وہ ظلم وستم ادہا تھا پائی کا عادی نہین ہے غالب یہ سب ہماری ہی خطا ہے کہ ہم سنے ایکدن درازدستی کی تھی جس کی اُسنے ہم کو سزا دی- میرزا رفیع السودا فرماتے ہین ؎

سودا کسیکو وہ تو ستائے نہ بے سبب ۔۔۔ کیا جانئے کہ تجھ سے یہ کیا بات ہو گئی

لکھنؤ مین بجاے تجھ سے ہی کے تجھی سے بولتے ہین اور دہلی مین دونون صورتین مروج ہین اس صورت سے دوسرے الفاظ اسی قسم کے قیاس کر لیجئے-

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین ۔۔۔ اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

وہ ہم پر جو جفائین کرتے ہین یہ امتحان وفا کے سلئے نہین ہین یعنی انھین یہ خیال نہین ہے کہ دیکھین یہ جفا کرنے پر وفا کو ترک تو نہ کرے گا نہین یہ تو ہماری وفا سے انہین گمان بھی نہین کیونکہ ع

سمجھ رکھا ہے ظالم نے پھنسا دل کب نکلتا ہے

بلکہ یہ محض ایک چھیڑ ہے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق مدظلہٗ ؎
مذاق ہی یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کر مجھے

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا — پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

غالباً یہ شعر حمد میں کہا گیا ہے کہ میں خدائے پاک کی حمد کس زبان سے ادا کروں کہ موقع پر میری خبر لیتا ہے اور ہمیشہ امداد کرتا ہے۔ اور پھر مجھ سے نہ گفتگو ہے نہ بول چال ہے۔ اگر تاویل کیجئے تو تغزل کے رنگ سے بھی باہر نہیں ہے کہ وہ اغیار سے میری حالت معلوم کرتا رہتا ہے مگر مجھ سے کبھی بات نہیں کرتا ہے گویا یہ انداز خاص میرے لئے ہے۔ اسی مضمون کے کئی شعر مصنف کے فارسی دیوان میں پائے جاتے ہیں اور اُردو میں بھی کئی شعر ہیں جنہیں سے ایک شعر مجھے اس وقت یاد ہے ؎
کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے
یعنی وہ مجھ سے بے التفاتی کیوں نہ کرے وہ اس سے مطمئن ہے کہ ہم یوں جو کسی کسی سے اس کا حال پوچھ لیا کرتے ہیں وہ اسی میں خوش اور محو ہے۔

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز — نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

ہمکو اُس کا ستم عزیز ہے اور تختہ مشق جفا بنانے کے لئے وہ ہمکو عزیز رکھتا ہے بہرحال اس نامہربانی سے اُس کی مہربانی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔
یا یوں کہئے کہ وہ ہمکو پیارا ہے کہ ہم پر ظلم کرتا ہے اور ہم اُس کو پیارے ہیں کہ ہم ستم سہتے ہیں اس کا ہم سے کام نکلتا ہے اور ہمارا اُس سے۔ تو اگر وہ مہربان نہیں ہے تو نامہربان بھی نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ ہم اُس کے ظلم کو عزیز رکھتے ہیں اور وہ ہم پر ظلم کرتا ہے اس سے اُس کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ ہم پر مہربان ہوتا تو وہ چیز جو ہمکو مرغوب ہے ہم پر کیوں صرف کرتا۔ یہ انداز بیان مومنؔ کے یہاں زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ اسی زمین میں اُن کی بھی غزل ہے جس کا یہ شعر ہے ؎
باتیں تری وہ ہوشربا ہیں کہ کیا کہوں — جو کوئی راز داں ہے مرا راز داں نہیں
بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی — آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

ہم آپ سے بوسۂ دہن کا سوال کر رہے ہیں اگر آپ بوسہ نہیں دیتے تو نہ دیجئے گالیاں تو دیجئے کیونکہ خیر اس میں تو آپ کو یہ معقول عذر ہاتھ آگیا ہے کہ دہن نہیں ہے مگر زبان تو ہے اُس سے آپ گالیاں تو دے سکتے ہیں ؎ مولینا ناطق مرظلہ،

نہ دے بوسہ تو اچھا گالیاں دیکر دعا لے لے ‏ ‏ غرض لے دے کے رخصت کر دے جو مجھکو میسر ہو

شعرار ماضی نے زیادہ اور حال کے خوش گویوں نے کم دہن و کمر معشوق کے چھوٹی اور پتلی ہیں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ بالکل غائب ہی کر دیا۔ آجکل یہ باتیں واجب الترک ہیں اسلئے کہ آپ ہی خیال فرمائیے کہ جس کے منہ نہیں ہے کمر نہیں ہے آخر وہ آدمی کیونکر ہے اور اگر فرضی آدمی بھی مان لیجئے تو غالباً کسی شریف طبیعت آدمی کا تو یہ جی ہرگز نہ چاہے گا کہ اُسے اپنا معشوق بنائے۔ بقول ناسخ ؎

بھایا پھر کونسا انداز بتوں کا ناسخ ‏ ‏ نہ کمر رکھتے ہیں کافر نہ دہاں رکھتے ہیں

اسی سے اردو فارسی شاعری بدنام ہوگئی ہے۔ طوالت تو ضرور ہے مگر میں اس جگہ ایک نظم مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطقؔ کی نقل کرتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ بہت خوب لکھی ہے۔

تشبیہات حسن

الفت کی جستجو ہو دل دردمند کو ‏ ‏ سوجھی ہو اک نئی مرے جدت پسند کو
بیتاب ہے بتوں کی زیارت کیواسطے ‏ ‏ ہر حسن کی تلاش محبت کے واسطے
کیوں اسکو اضطراب میں تسکین نہ دیجئے ‏ ‏ جو بات ہاتھ کی ہو اُسے کیوں نہ کیجئے
خودسری میں بت کبھی نہ نگہ اُنپہ ڈالئے ‏ ‏ قابو کی اپنے جو ہو وہ صورت نکالئے
دنیا کی اچھی اچھی جو چیزیں ہیں لائیے ‏ ‏ معشوق اپنا ہاتھ سے اپنے بنائیے
چند افعیوں سے کاکل و گیسو بنائیے ‏ ‏ کچھ کالے کالے سانپ پکڑ کر لگائیے
پیشانی نصف چاند کو لا کر بنائیے ‏ ‏ اور یہ نہ ہو تو لوح زمرد منگائیے
محراب کی غرض سے نہ کعبہ کو جائیے ‏ ‏ ابرو کی جا ہو تو کمانیں لگائیے
آنکھیں اگر لگائیے مژگاں بنائیے ‏ ‏ نرگس کے پھول لائیے کانٹے لگائیے
دیوار کا تو کام نہیں ناک کے لئے ‏ ‏ طوطی سے اسکی چونچ ذرا مانگ لیجئے
کانوں کو دو گلاب کے پھولوں کا کام ہے ‏ ‏ اُس چیز کا دہن ہو کلی جس کا نام ہے

عناب کا لبوں کے لئے کیوں خیال ہو — ہو یہ تو جبکہ لعل بدخشاں کا کال ہو
دانتوں کی آرزو ہو تو موتی منگائیے — آل سیب لا کے اس سے زنخدان بنائیے
دو پپیے چھیکدیئے سے مطلب نکل گیا — گردن کا کام ایک صراحی سے چل گیا
ہر دست و پا کی فکر تو بلور دیجیے — پنجوں کا کام پنجۂ مرجان سے لیجیے
چاقو سے ایک سیب کے دو ٹکڑے کیجیے — جو عضو بن نہ سکے وہ بنا اس سے لیجیے
اب سب تو بن چکا ہے شکم ایک رہ گیا — چاندی کی ایک لوح وہاں دیکھو لگا
من مانی اسکی ہم نے بنائی ہر ایک چیز — اچھی سے اچھی لا کے لگائی ہر ایک چیز
اب دیکھتے جو ہیں تو بہت بد بنا بنا — سمجھے ہوئے تھے ہم اسے کیا اور کیا بنا
کیا اسکو کہہ سکیں کہ یہ حالت بھی کوئی ہو — یہ شکل ہی تو جب ہو کہ صورت بھی کوئی ہو
جلدی سے توڑ دو جو کوئی دیکھ پائے گا — سچ کہہ رہا ہوں میں تمھیں احمق بتائے گا

انسان کے سال سے کبھی دھوکا نہ کھائیے
اپنا نظیر آپ ہی اس کو بنائیے

واقعہ یہی ہے کہ آپ تھوڑی دیر تصور کیجیے اور ایسی سبے سرو پا صورت اپنی خیالی نظر کے سامنے کھڑی کیجیے۔ اگر آپ کو ذرہ معلوم ہو تو میرا ذمہ۔

قطعہ

ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے — ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
جاں مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے — لب پردہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں

اگرچہ اس کا قہر و عتاب جان کو گھلا رہا ہے اگرچہ تاب و طاقت نے مجھے جواب دیدیا مگر مجھ میں حوصلہ کا اس کی جان خوشی سے اب بھی ہل من مزید کا ترانہ گا رہی ہے کہ اے ظالم مجھ پر ظلم و ستم اور زیادہ کر۔ لب پر اب تک الامان کا لفظ نہیں آیا ہے یعنی ہنوز وہ اس کا خواہشمند نہیں ہے کہ یہ ظلم موقوف ہو جائے۔

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب — سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

اگرچہ میرا گھر اجڑتا اور خراب ہوتا ہے۔ مگر دراصل میرے جنون سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچتا ہے گھر میں بہت ہو گی تو سو گز زمین ہو گی اب جنون اسے ہم سے چھڑاتا ہے اور ایک جنگل اس کے بدلے میں ہم کو دیتا ہے تو یہ کیا کچھ کم ہے۔ ایک شعر عارف مرحوم کا مجھے اسی زمین میں یاد ہے جو اسی قسم کا ہے اگرچہ مضمون یہ نہیں ہے۔ مگر خیال کی بنا ایک ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا زمیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں

میری تقدیر کا حال مجھ سے ایسے پوچھتے ہو جیسے کہ سجدۂ بت کا نشان میرے ماتھے پر نہیں ہے۔ بس اسی سے قیاس کر لو۔ گویا میری تقدیر میں بت پرستی ہے۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

اگرچہ روح القدس بھی میری طرح فصیح نہیں ہیں (نعوذ باللہ) لیکن پھر بھی اپنے کلام کی داد مجھے ان سے مل جاتی ہے۔

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالبؔ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

اس کے ایک بوسہ کی قیمت جان ہے مگر وہ ابھی مجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اگر اپنی جان دیدو تو ایک بوسہ لو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابھی غالب نیم جان نہیں ہے جب میں نیم جان ہو جاؤنگا تب وہ مجھ سے یہ کہیگا کہ جان دو اور بوسہ لو یعنی جان دینے پر تیار ہو جاؤنگا تو اس وقت یہ کہیگا کہ نیم جان اسکی قیمت نہیں ہے بلکہ پوری جان اسکی قیمت ہے۔ اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جان سے مراد روح کا جسم میں ہونا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک روح جسم تن سے آدمی میں جان ہے۔ وہ نصف اور ثلث باقی نہیں رہتی ہوتی ہے تو پوری ہوتی ہے اور نہیں ہوتی تو بالکل نہیں ہوتی۔ مگر شاعر نے معشوق کی ستم ظریفی کا ایک نقشہ کھینچکر دکھایا ہے۔ اور شعر مرا بہ مکتب کہ برد پر نظر ڈالئے تو ایک اچھا شعر معلوم ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جان بوسہ کی عوض مانگے گا مگر جب میں نیم جان ہو جاؤنگا تو مجھے

اس لذت کا کوئی لطف و احساس باقی نہ رہے گا۔

مولانا نظم نے نیمجان کے معنی مردہ کے لئے ہیں اور یہ شرح لکھتے ہیں کہ ابھی وہ کیوں کہنے لگا کہ جان کی دیکر بوسہ لیلو۔ ابھی تو مجھ میں جان باقی ہے جب مجھ میں جان نہ رہے گی اُس وقت کہیگا کہ جان دو تو بوسہ لو۔ مگر طبیعت کچھ قبول نہیں کرتی کہ نیمجان کو بیجان کے معنی میں استعمال کیا جائے۔

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں   ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

یعنی زنجیر ڈالنے سے بھی جوش جنون کم نہیں ہوا اور صحرا نوردی نہ گئی بلکہ وہ بھی آگ پر تیل کا کام دیگئی۔ وہ اور بھی میرے پاؤں کا چکر ثابت ہوئی ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھ چکے ہیں جسے دوسرے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے   زندان میں بھی خیال بیابان نورد تھا

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھکو کہ جہاں   جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

مجھے میرا شوق جنون اُس جنگل میں دشت نوردی کے لئے لئے جاتا ہے جہاں جادہ دیدۂ تصویر کی نگاہ ہے یعنی معدوم ہے۔

یا جیسے کہ دیدۂ تصویر حیرت میں ہے اسیطرح وہاں اگر کوئی جادہ ہے تو جادۂ حیرت ہے اور کچھ نہیں۔

رنج نومیدیِ جاوید گوارا رہیو   خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

رہیو دعائیہ ہے یعنی خدا کرے یہ یاس و ناامیدی مجھے ہمیشہ گوارا رہے میں اس سے بہت خوش ہوں میرے نالے پر تاثیر کا تو احسان نہیں ہوتا ہوا اور مجھے اس کو ندامت تو نہیں ہے ایسے مضامین جن میں احسان کی مخلصت صورتوں میں برائی کی گئی ہے مصنف کے بیان میں دو شعر ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ایک یہ شعر ہے۔

بلا سے جان ہو سائل کو نہ تاثیر   جسے کوئی نہ سنے اس صدا کو کیا کہنا

غالب کے شعر میں یہ (رہیو) بالکل ویسا ہی ہے جیسے ۔۔

مجکو ارزانی رہی تجکو مبارک ہو جیو
مین ہو جیو جس کی مولانا نظم نے مذمت فرمائی ہے اور گریہ بتایا ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے　　　جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہین

راہ وفا مین جادۂ دم شمشیر پر چلنا پڑتا ہے اور وہ بہت جلد فیصلہ کر دیتی ہے کاش کوئی رستہ ہوتا کہ حسرت آزار دل مین نہ رہ جاتی یا یہ کہ جادۂ دم شمشیر کے سوا اور کسی جادہ کو طے کرنا نہین پڑتا۔ کاش کوئی اور بھی جادہ ہوتا جسے طے کرتے۔

سر کھجاتا ہے جہان زخم سر اچھا ہو جائے　　　لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہین

جب میرا زخم سر اچھا ہو جاتا ہے تو سر کھجاتا ہے (سر کھجانا محاورہ ہے بیٹھے بٹھائے کسی آفت مین مبتلا ہونے کی خواہش پیدا ہونا) اور ایک عام معنی یہان دونون معنی مراد لیے جاسکتے ہین یعنی خواہش زخم۔ یا سنگ طفلان پیدا ہوتی ہے۔ کیا کہا جائے زخم کی لذت بیان نہین ہوسکتی جس کے سامنے خیریت سے بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے　　　کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہین

جب کرم کریم گناہ کرنے پر بیباک اور گستاخ کرے تو سوا گناہ سے شرمندہ ہونے کے کوئی دوسرا گناہ گناہ نہین۔ کیونکہ کرم خود ہی گناہون پر گستاخ و بیباک کرتا ہے میرا شعر ہے ؎

خدا غفور ہے فکر جزا نہ کرے　　　خطا کرے مگر ایسی کبھی خطا نہ کرے

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ　　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

غالب بقول ناسخ ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ جو میر کو اُستاد نہین مانتا وہ خود کم نصیب ہے اس کو کچھ نہین آتا میر کے ماننے مین اکثر مشہور اردو کے اساتذۂ فن متحد ہین۔ آتش، ناسخ، سودا سبھی نے میر کی اُستادی کو مانا ہے۔ ذوق مرحوم نے بھی انکو مانا ہے جیسے ایک جگہ کہتے ہین ؎

نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

یوں تو خوش عقیدتی کے جوش میں جس کے جو جی میں آیا ہے وہ میر صاحب کی شان میں کہہ گیا ہے مگر ذوق مرحوم نے اس شعر میں نہایت محققانہ راے قائم کی ہے۔ میر مرحوم صرف غزل کہنے کے استاد تھے۔ قصیدہ ان کو کہنا نہیں آتا تھا۔ اس میں سودا اور ذوق استاد تھے۔ نظم صاحب نے میر و سودا کے کچھ اغلاط جمع کرکے اپنی شرح میں لکھے ہیں اور جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے وہ غلط بھی نہیں ہیں سب اعتراض صحیح اور صحیح ہیں مگر میر کی شاعری اور ان کی غزلوں کا پایہ اعلیٰ ہونے کا یہ سبب نہیں ہے بلکہ انکے یہاں اغلاط بھی ہیں بندش بھی سست ہے محاوروں میں تصرفات نامقبول بھی ہیں یہ سب کچھ ہے مگر درد کا پہلو اُن کے اشعار کا عنصر غالب ہے اس کو وہ کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں جس کا دلپر اثر پڑنا ضروری ہے جن لوگوں کے یہاں صرف قال ہے حال سے کچھ غرض نہیں رکھی گئی ہے اور جذبات کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی۔ وہ لوگ تشبیہات و استعارات بدیع مضامین جدید صنائع و بدائع شعری۔ زبان وغیرہ کی طرف جھک جاتے ہیں۔ مگر بغیر دلی جذبات کے اگر آپ عرش سے تارے بھی توڑ کر لائیں گے تو اُن کو کچھ مقبولیت نہیں ہوسکتی ہے اور اس سے کوئی متاثر نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ لوگوں نے درد کے کچھ مضامین مقرر کر لئے ہیں موت۔ نزع کا عالم۔ گور غریباں کا منظر۔ اندھیری رات۔ ہو کا سناٹا۔ زندان۔ زندان میں مرجانا۔ زندان سے ہڈیاں نکلنا۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ زیادہ تر لکھنؤ میں ہیں۔ ان مضامین میں اثر ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کثرت سے نظم ہونے لگے ہیں کہ موت ایک کھیل اور نزع کا عالم ایک تماشہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

ہم کہتے ہیں کہ درد کسی خاص واقعہ میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جو بات دُکھے ہوے دل سے نکلے گی اُس کا درد آگین اور موثر ہوتا امر لابدی ہے۔ انھیں میر صاحب نے بعض غزل کے مضامین اس درد سے کہے ہیں جن کا جواب غیر ممکن ہے۔ مثلاً

یوں پکاریں ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے — اِدھر آبے اَبے او چاک گریباں والے

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

چلا نہ اُٹھ کے وہیں چپکے چپکے میر   ابھی تو اُسکی گلی سے پکار لایا تھا۔
جگی سے ہیں ملے میر یہ خوار یاں   نہ بہائی ہماری تو طاقت نہیں ہے

موت تو کیا ان میں کہیں رونے کا بھی ذکر نہیں ہے مگر درد جیسا ہے شعروں سے ظاہر ہے درد کا کوئی مضمون مقرر کرنا فضول ہے بلکہ جو کچھ کہئے وہ درد سے کہئے۔
غرض میر کو سب نے درد کی بنا پر تغزل وغیرہ کا استاد مان لیا ہے۔ اور تغزل کا یہ رنگ اُن کے معاصرین میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی حال ہے قال نہیں مگر فرق صرف یہی ہے کہ میر نے ہر مضمون کو درد کے لہجہ میں ادا کیا ہے اور میر درد کے یہاں یہ بات کوسون نہیں ہے۔ اسپر بھی میر تقی میر کا کلیات ایک طومار درد اور خواجہ صاحب کے یہاں چند غزلیں۔

ہست مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں   ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

میری آنکھ کی پتلی میں نگاہیں نہیں ہیں بلکہ آنکھ کے دل میں (جو پتلی ہے) آہیں جمع ہوگئی ہیں۔ سویدا اُس نقطہ سیاہ کو کہتے ہیں جو دل میں پڑ جاتا ہے۔

برشگال دیدۂ عاشق ہو دیکھا چاہئے   کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن

یہ گریہ عاشق کی برسات ہے دیکھا چاہئے دیوار چمن اب قائم رہتی ہے یا نہیں۔ سو جگہ سے گل صد برگ کی طرح شق ہوگئی ہے۔

اُلفت گل سے غلط ہو دعوی وارستگی   سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

اُلفت گل سے کوئی وارستہ نہیں ہے یہ دعوی وارستگی بالکل غلط ہے سرو کو دیکھو کہ آزاد ہے لیکن یہ بھی محبت چمن میں گرفتار ہے۔ سرو کو چمن میں رہنے کی وجہ سے گرفتار چمن کہا ہے۔ آزاد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موسم خزان و بہار میں یکسان رہتا ہے اور دونوں سے آزاد ہے یہ مضمون بالکل عام ہے اور متقدمین کے یہاں بہت پائے جاتے ہیں۔

عشق تاثیر سے نومید نہیں   جان سپاری شجر بید نہیں

عشق مین جذب اور کشش ضرور ہے اور وہ تاثیر سے ناامید نہین ہے جان دینا کچھ نہ کچھ
نتیجہ ضرور رکھتا ہے یہ بید کا درخت نہین ہے جسمین کوئی پہل نہین آتا۔

سلطنت دست بدست آئی ہے   جام مے خاتم جمشید نہین

جام مے گویا ایک سلطنت ہے جو جمشید کے وقت سے ابتک منتقل ہوتی رہی
ہے یعنی اُس سے منتقل ہو کر دست بدست ہمارے پاس آئی۔ نہ کیون آتی یہ جام مے تھا کچھ
نگین جمشید نہ تھا جسپر اسی کا نام کھدا ہوتا اور اُسی کے لئے مخصوص تھا۔
دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ایک رند قدح کش حلقہ زندان مین بیٹھ کر اپنے
حریف سے کہتا ہے کہ ہان ذرا جلد جام مجھے عنایت فرمایئے۔ جمشید کے وقت سے یہی
سلطنت دست بدست چلی آئی ہے کچھ کسی کی میراث اور ملکیت نہین ہے بقول شخصیکہ

حقہ یکدم دودم سہ دم باشد   نہ کہ میراث جد وعم باشد

ہے تجلی تری سامان وجود   ذرہ بے پرتو خورشید نہین

تیری تجلی سامان وجود ہے یعنی تو جوہر ہے اور ہستی عرض ہے بغیر خالق کے
مخلوق کا ظہور مین آنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ذرہ کی جلوہ گری بغیر خورشید کے۔

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے   ورنہ مر جانے مین کچھ بھید نہین

لوگ سمجھتے ہون گے کہ مرجانا دشوار ہے اور اس مین کچھ بھید ہے مگر
نہ کچھ مشکل ہے نہ کوئی بھید ہے ہے تو صرف اتنا بھید ہے کہ معشوق بدنام ہو جائیگا
اور راز عشق افشا ہو جائے گا۔

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے   غم محرومیٔ جاوید نہین

مجھے محرومیٔ جاوید کا غم نہین ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ زمانہ طرب کی زوال
ہونا سخت جانکاہ ہے اتنا محرومی جاوید کا اندیشہ نہین ہے کیونکہ اس کے بعد
کوئی غم تو نہ رہے گا۔

یا یہ کہ اے وہ شخص کہ تجکو زوال زمانہ عیش کا ڈہڑکا لگا ہوا ہے اور یہ کھٹکا تجھے کہائے جاتا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا اور اُن لوگون کا تجھے خیال نہیں آتا جو محروم جاوید ہین جنھین کبھی خوشی نصیب ہی نہین ہوئی - یا یہ غم نہین کہ ایک وہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب تو ہمیشہ کے لئے عیش و عشرت سے محروم کردیا جائے گا اور اس خیال زوال عیش تک سے بھی محروم ہو جائے گا - مراد ہے زمانہ اجل سے -

کہتے ہین جیتے ہین امید پہ لوگ ہمکو جینے کی بھی امید نہین

مثل مشہور ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے اور آدمی اسی پر جیتا ہے مگر ہم اس سے مستثنیٰ ہین ہم کو جینے کی بھی امید نہین ہے یا یہ کہ ہماری امید ایسی ہے کہ وہ ہم کو مار ڈالے گی -

جہان تیرا نقش قدم دیکھتے ہین خیابان خیابان ارم دیکھتے ہین

تیرے نقش قدم مین وہ بہار ہے کہ ہم جہان اسے دیکھتے ہین تو گویا باغ ارم کی کیاریان نظر پڑتی ہین -

دل آشفتگان خال کنج دہن کے سویدا مین سیر عدم دیکھتے ہین

جو تیرے دہن بے نشان کے خال پر مرتے ہین تو گویا اُن کو سویدا ے دل مین سیر عدم کا لطف آتا ہے - خال کو سویدا ے دل مانا ہے اور دہن کو عدم فرض کیا ہے - شعر مرقومہ بالا انتہائی تصنع کا نمونہ ہے اور یقینی ایسی شاعری نہ دل پر کوئی اثر ڈال سکتی ہے نہ اس کا کوئی نتیجہ ہے - سیر لفظ فارسی ہے اسی لیے اس کی اضافت صحیح ہے

ترے سرو قامت سے اک قد آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہین

تیرے سرو قامت سے فتنہ قیامت کم ہے - یون تو قیامت سے قامت کو شعرا نے ہزارون جگہ تشبیہ دی ہے مگر مصنف نے کمی کی مقدار قد آدم کے لفظ سے شعر مین جو لطف اور وزن پیدا کردیا ہے وہ محتاج بیان و تشریح نہین ہے -

میر ممنون سے

تفاوت قامت یار و قیامت میں ہے کیا ممنون — وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

تماشا کر اے محو آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

اے محو آئینہ داری دیکھ کہ تجھکو ہم کس تمنا سے دیکھ رہے ہیں۔ اس شعر کے صاف معنی تو یہی ہیں جو لکھے گئے مگر ایک نہایت لطیف پہلو بھی اس سے نکلتا ہے جو یہ ہے کہ اے محو آئینہ داری آئینہ کو چھوڑ ہم کو دیکھ کہ تیری اس حالت آئینہ داری کے دیکھنے سے ہم آئینہ سے بھی کچھ زیادہ بن گئے ہیں۔ چونکہ تجھکو آئینہ داری کا شوق ہے لہٰذا تو ہم کو دیکھ اور بہتر یہ کہ تو ہم کو محض حیران پاکر آئینہ سمجھ کر دیکھ رہا ہے۔ مگر اس حیرانی کے دیکھنے اور آئینہ داری کے بعد ذرا یہ بھی خیال کر کہ ہم تجھکو کس حسرت اور تمنا کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ کیفیت ہو گئی ہے۔

سراغ تف نالہ لے داغ دل سے — کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

اگر تجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے نالے کس قدر گرم ہیں تو میرے داغ کو دیکھ اور اس کی تپش اور حدت سے نالہائے گرم کا اندازہ معلوم کر کیونکہ چور کا نقش قدم اس کا پتہ دیتا ہے چونکہ میرا نالہ بھی شبگیر ہے اس واسطے اس کے نقش قدم یعنی داغ دل سے اسکا سراغ لگانا از شبگیری شب رو سے ایک بدیع تشبیہ ہے جس میں لفظی اور معنوی دونوں خوبیاں موجود ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ہم فقیروں کا بھیس بھر کر اہل کرم کے انداز کرم کا تماشا دیکھتے پھرتے ہیں اسی شعر سے ملتا جلتا یہ مضمون بھی ہے جسے کچھ الفاظ گھٹا بڑھا کر نیا کر دیا ہے سے

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل بنے تو طالب اہل کرم ہوئے

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں — کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

چونکہ میرے معشوق کی عادت بھی بھڑک جانے اور برافروختہ ہونے کی ہے اور آگ مین بھی یہی صفات ہین اس واسطے آگ کے عذاب مین مجھے راحت ملتی ہے آتش

آسمان شوق سے تلوار کا مینہ برسائے ۔ ماہِ نو نے کیا ابرو کا ترے خم پیدا

کب سے ہون کیا بتاؤن جہانِ خراب مین ۔ شبہائے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین

اگر مین اپنی زندگی کا حساب کرون اور عمر کو دیکھون اور ساتھ ہی جدائی کی راتون کو بھی جوڑتا جاؤن تو مین اپنی عمر کا حساب نہین کر سکتا کیونکہ جدائی کی ایک ایک رات ہزار ہزار برس کے برابر گذری خسرو علیہ الرحمۃ اس مضمون کو یون ادا فرماتے ہین ؎

زہے عمر دراز عاشقان گر ۔ شب ہجران حساب عمر گیرند

ایک شاعر اسی مضمون کو یون ادا کرتا ہے ؎

کیا کیا درازیٔ شبِ غم جان نواز ہے ۔ عاشق کی عمر خضر سے بھی کچھ دراز ہے

تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر ۔ آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب مین

تاکہ پھر انتظار مین مجھے عمر بھر نیند ہی نہ آئے اور خواب مین بھی دیدار سے سیراب ہونے کا موقع نہ حاصل ہو۔ انھون نے یہ شوخی کی ہے کہ خواب مین مجھ سے تشریف آوری کا وعدہ کر گئے ہین۔ خوب شعر کہا ہے۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اَور لکھ رکھون ۔ مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین

جب تک کہ قاصد واپس آئے اُس وقت تک مین ایک خط اور لکھ رکھون کیونکہ وہ جو کچھ لکھینگے وہ مجھے معلوم ہے۔ دوسرا مصرع نہایت بلیغ واقع ہوا ہے۔ اور محض (جو وہ لکھین گے جواب مین) نے بہت سے معانی بھر دیئے ہین جس سے اتنے پہلو نکلتے ہین (کہ وہی انکار وصل جو اُن کی عادت ہے اس مرتبہ بھی لکھین گے یا وہ مجھے صاف جواب دینگے کہ آیندہ سے ہمکو خط نہ لکھنا یا وہ مجھے سِرے سے جواب ہی نہ لکھین گے پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو بہت ربط ہے۔

اسی مضمون کو میر حسن فرماتے ہین مگر انھون نے ایسے الفاظ رکھے ہین جنسے

معانی محدود ہو گئے ہیں ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہیں لکھنے کے وہ پر تقاضۂ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

مرزا بیدل عظیم آبادی ؎

آنجا بجواب نامۂ عاشق تغافل است بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما

شعر میں ایسے الفاظ لانا جنسے بہت سے معانی نکلیں کچھ آسان کام نہیں ہے ہمارے نزدیک سب سے زیادہ دشوار یہی کام ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اگر خیال تو ایسے الفاظ لکھے جائیں گے تو وہ بجائے اس کے کہ شعر کو بلند کریں اور بھی پست کر دیں گے اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔ جہاں تک الفاظ عام فہم ملجائیں وہ صرف کرے ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ دیکھئے خاقانی ایک جگہ کہتا ہے ؎

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت خاقانی را دگر شب آمد

اس میں اتنے پہلو نکلتے ہیں کہ جب میرے ہمسایہ نے آہ و نالہ سنا تو کہا اجی خاقانی کو پھر رات آگئی اب پھر رات بھر شور کرے گا اور ہماری نیند اڑائے گا یا تعجب سے کہتا ہے کہ اُف کل اس کی ایسی بُری حالت ہوئی تھی کیا یہ بچ گیا کہ آج اس کی آواز پھر سنی گئی یا کہتا ہے کہ شکر ہے غریب نے دوسری رات پکڑی ممکن ہے کہ اچھا ہو جائے یا یہ کہ آج رات کو دیکھئے اس کی کیا حالت ہوگی یا یہ کہ کل ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ مر نہیں سکتا جیسا آج رہتا ہے کل بھی روئے گا چنانچہ دیکھو پھر رات آگئی یا از راہ افسوس کہتا ہے کہ اسے تڑپتے ہوئے دوسری رات ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اسی کا میر حسن دہلوی نے ترجمہ کیا ہے مگر ان کو وہ الفاظ نہیں مل سکے ہیں جنسے خاقانی کا ایک شعر ایک دیوان سے بھی کچھ زیادہ ہے اور یہ کچھ نہیں ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

اس میں صرف دو پہلو ہیں کہ اس کا افسانہ ہم کو سونے نہ دیگا یا یہ کہ اپنی داستان کہتے کہتے مر جائے گا تو ہمارے راحت و آرام پہ پانی پھر جائے گا۔

میں نے بھی خاقانی کے شعر کا ترجمہ کیا تھا جس میں میری یہ کوشش ضرور تھی کہ خاقانی ہی کی طرح الفاظ ہوں کامیابی ناکامیابی کی تو خبر نہیں شعر یہ ہے ؎

نالۂ غم یہ دل زار وہی بات آئی لوگ چلائے کہ اسی سنئے پھر رات آئی

مجھ تک کب انکی بزم مین آتا تھا دورِ جام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین

آج یہ خلاف معمول ساقی نے مجھے شراب کیون دیتا ہے - چونکہ یہ بھی انکی بزم مین ہونے کی وجہ سے میرا رقیب ہے تو بہت ممکن ہے کہ اسنے شراب مین کچھ زہر وغیرہ ملا دیا ہو - مرزا داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

غیر دیتا ہے کیون مجھے ساغر سانپ ہو زیر آستین نہ کہین

جو منکرِ وفا ہو فریب اُسپہ کیا چلے کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین

میرا معشوق منکرِ وفا ہے اسپر غیر کا یا کسی کا فریب کیا چلے گا - دوست سے میری یہ بدگمانی کہ وہ دشمن کا دوست ہے بالکل فضول ہے کیونکہ وہ جانتا ہی نہین کہ وفا کسے کہتے ہین -

رشک کہتا ہو کہ اُسکا غیر سے اخلاص حیف عقل کہتی ہو کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

مین مضطرب ہون وصل مین خوفِ رقیب سے ڈالا ہے تمکو وہم نے کس پیچ وتاب مین

مین تو شب وصل مین اس سے گھبرا رہا ہون کہ کہین کمبخت رقیب نہ آجائے یا اس کو میری شب وصل کی خبر نہو جائے تمکو وہم نے کس پیچ وتاب مین ڈال رکھا ہے کہ مجھ سے زیادہ مضطرب الحال ہو اس مین ازراہ شوخ طبعی معشوق سے یہ کہلانے کا ارادہ کیا گیا ہے کہ مجھے بھی رقیب ہی کا خوف ہے یا یہ کہ میرا تو وہ رقیب ہے مجھے اُس کا خوف ہے مجھے اس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے مگر تمکو اس کمبخت کی کیا فکر ہے - تم کیون وہم کر رہے ہو - اگر وہ آ بھی جائے گا یا اُس کو خبر بھی ہو جائے گی تو تمھارا کیا بنا لیگا ہوگا - تمھارے نزدیک جیسا مین ویسا وہ - تم فضول نقصان پہونچنے کے وہم مین پڑے پھر رہے ہو - لاے تو جواب دیدیجئے اور راستہ بتائیے -

دوسری شرحون مین مصرع ثانی کے یہ معنی لیے گئے کہ شائد تمھارا وہم اسلئے ہو کہ مین اپنے کسی معشوق سے چھپ کر یہان آیا ہون اسوجہ سے پریشان ہون - یہ صرف وہم ہی وہم ہے باقی کچھ نہین -

مگر پہلے معانی اس سے اچھے ہیں کہ اگر معشوق کہے کہ جیسے تجھے رقیب کا خوف ہے ویسے ہی مجھے بھی ہے تو اس سے کہا جائے کہ آپ تو کہتے تھے مجھے کسیکا خوف وخیال ہی نہیں میں کسی سے ڈرتا ہی نہیں۔ پھر کس بات کا وہم ہے معلوم ہوا کہ آپ کی وہ سب باتیں غلط تھیں۔

معانی نمبر ۲ میں خوف اور وہم کے لفظ پر خیال کیجئے جو خصوصیت سے قابل داد ہیں کہ مصنف نے خوف کا لفظ اپنے لیئے اس ہیئے رکھا کہ رقیب مجکو نقصان پہونچا سکتا ہے اور معشوق کے لیئے وہم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اُسکا نقصان کا اندیشہ ایک وہم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

میں اور حظ وصل خدا ساز بات ہے ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

میں اور مجھے حظ وصل حاصل ہو یہ ایک خدا کی قدرت ہے چاہیئے تھا کہ اسکے شکریہ میں میں اپنی جان دیدیدوں مگر اضطراب میں جان دینی بھول گیا۔ دینی مصدر مؤنث ہے۔ واضح ہو کہ اہل لکھنؤ مصدر کیب تھ خواہ اسم مذکر ہو یا مؤنث مصدر کو مذکر ہی بولتے ہیں اور دہلی میں اگر اسم مؤنث ہے تو مصدر کو بھی مؤنث لاتے ہیں اور مذکر ہے تو مذکر اہل لکھنؤ مصدر کو قابل جمع بھی نہیں خیال کرتے جیسے بجلیوں کا تماشہ کرتے ہیں اگر یہاں کھیلنے بہت کام کرتا ہیں

ہے تیوری چڑہی ہوئی اندر نقاب کے ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں

نقاب میں جو ایک شکن پڑی ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کے ماتھے پر شکن پڑی ہے اور وہ برہم ہے۔ دلی میں تیوری بر وزن فعلن اور لکھنؤ میں بر وزن فاعلن بولا جاتا ہے۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

تیرا ایک نگاہ کا چرانا لاکھوں لگاوٹوں کے مقابلہ پر ہے اور تیرا ایک غصہ میں بگڑ جانا لاکھوں بناؤ کے برابر ہے جسقدر معنی لطیف ہیں بندش اس سے کہیں زیادہ چست ہے تقابل اور مماثلت ترکیب نے شعر میں بے انتہا لطف پیدا کر دیا ہے۔

وہ نالہ دل مین خس کی برابر جگہ نہ پائے ۔ جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب مین

یہ شعر تعجب اور افسوس کے مقام پر کہا گیا ہے کہ میرا ایسا نالہ جس سے آفتاب مین شگاف پڑے وہ اس کے دل مین کچھ بھی جگہ نہ پائے۔ دوسرا شعر بھی ایسا ہی ہے۔

وہ سحر مدعا طلبی مین نہ کام آئے ۔ جس سحر سے سفینہ روان ہو شراب مین

تعجب ہے کہ وہ سحر جس سے سفینہ شراب مین روان ہو۔ مدعا طلبی مین کوئی کام اُس سے نہ نکلے سفینہ شراب مین روان ہونا وقوع امر خلاف عادت سے مراد ہے۔

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی ۔ پیتا ہون روز ابر و شب ماہتاب مین

غالب شراب مجھ سے چھٹی مگر اب بھی کبھی کبھی چاندنی رات یا برسات مین پی ہی لیتا ہون لفظ چھٹی سے پتہ چلتا ہے کہ خود نہین چھوڑی مفلسی یا زمانے کی گردش یا بڑھاپے وغیرہ نے چھڑا دی ہے۔

غالبًا یہ کوئی بڑا مشاعرہ ہوا تھا کہ جس مین غالب مرحوم کا دو غزلہ اور مومن خان نواب مصطفٰے خان شیفتہ۔ مولینا آزردہ۔ شیخ ابراہیم ذوق۔ عارف وغیرہ سبھی کی غزلین ہین چنانچہ اس دوسری غزل کے مطلع کے ساتھ تفریح طبع ناظرین کے لئے دو تین صاحبون کے مطلع ہم لکھین گے۔ اور قافیون کے ساتھ بھی اچھے اچھے شعر دیے جائین گے تاکہ اندازہ ہو کہ یہ سب لوگ معانی آفرینی کو شاعری سمجھے ہوئے تھے نہ یہ کہ جو آجکل مشاعرون کا رنگ ہے کہ مشاعرے بھر مین ہر قافیہ مین ادنیٰ تغیر کے ساتھ سب کے یہان وہی مضمون ہوتا ہے چنانچہ ایک مشاعرہ ہوا تھا کہ جس مین پیمانہ ہمین ردیف و قافیہ تھا سب کے یہان پیمانہ کے ساتھ وہی آنکھون اور شراب کا مضمون تھا۔ بخلاف اس کے اہل فارس کو دیکھئے کہ ایک ہی مضمون کو ایسے مختلف طریقون سے لکھتے ہین کہ دیکھنے والے کو اندازہ مشکل ہے کہ یہ وہی مضمون ہے یا کوئی دوسرا۔ مثلاً چند اشعار ذیل مین درج ہین۔ صبر و رضا و قناعت و توکل کے مضامین ہین۔

صائب شکوۂ رزق کن ہیچ تنگ حوصلگان ۔ در گلو گریہ گرہ چون شود دانہ شمر قناعت

صائب — اگر وطن بہ مقام رضا توانی کرد — غبار حادثہ را طوطیا توانی کرد — رضا
〃 — شکایت ستم چرخ نا جوانمردی است — کہ گوشمال پدر خیر خواہی پسر است — صبر
〃 — حکایتے کہ ز گردون کنند بے ہنران — شکایتے است کہ تیر کج از کمان دارد — صبر
〃 — سر از دریچہ گوہر برآوری فردا — اگر چو رشتہ بسازی بہ پیچ و تاب اینجا — قناعت و صبر
حافظ — بر آستانہ تسلیم سر بنہ حافظ — کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد — رضا
محسن کاشی — چون تہید ستی ز حد بگذشت سامان میدہد — گوہر غلطان صدف را دستگردان میدہد — صبر و قناعت
ملا بیگ — در فطرت تامل نکند حادثہ نقصان — یاقوت چو سائیدہ شود قوت روح است — 〃
سلیم — صفائے دل طلبی چشم از جہان بربند — کہ رخنہ ایست کہ اینجا غبار مے آید — 〃
میر معصوم — با سفلگان طریقہ تسلیم حکمت است — پیش آیدت اگر دو سہ پستے خمیدہ رو — رضا و تسلیم
غنی — فتد چون رخنہ در کار تو گشاید در دولت — ز سنگ آسیا در گوشم این آواز می آید — قناعت
آغا اسلم — ز جرخ شکوہ کند ہر کجا تنک ظرفیست — حباب می شکند کاسہ بر سر دریا — صبر و تسلیم
صائب — شاخی کہ چار فصل پر از میوہ و گل است — دست ز کار رفتہ اہل توکل است — قناعت و توکل
کاشی — جز صبر نیست صیقل دلہائے بیقرار — چون ایستاد آب بآئینہ میرسد — صبر و قناعت
غنی — تا رزق خود رسد بہ زبانت چو آسیا — دایم خموش دار زبان سوال را — قناعت
شوکت — فریب نعمت الوان مخور فراغت کن — چو ماہ نو بہ دو انگشت نان قناعت کن — 〃
سرخوش — چون لعل ہر کہ نان جگر خورد و صبر کرد — زیب کلاہ گوشہ اقبال می شود — صبر
بہشتی — نعمت خوان قناعت دیدہ الذت پرس — سیر چشمی نقل با دام است مہمان مرا — قناعت
ادہمی — چو بستہ شکر قناعت لب سوال مرا — زبان بود بہ دہن القمہ حلال مرا — 〃
علی رضا — از اضطراب کار رہیا نمی شود — سیل از دویدن است کہ دریا نمی شود — صبر و قناعت

غور کیجئے کہ ان سب میں صبر و قناعت و توکل کے نتائج کس خوبی کے ساتھ ادا کئے گئے ہیں کہ اس سے بہتر سمجھ میں نہیں آتے۔ اور یہی سب سامنے کی باتیں ہیں عزلت گزینی کے مضامین ملاحظہ کیجئے۔

صائب — عزلت گزین کہ آب باین سہل قیمتی — در دامن صدف چو کشد پا گہر شود
〃 — مردی بخانہ ارباب بے مروت دہر — کہ کنج عافیتے در سرائے خویشتن است
〃 — کلید گلشن فردوس آن کسان دارند — کہ در برو سے خود از کائنات می بندند

کلیم رخصت سیر جہان میخواہم از عقل گفت — اہل عزلت را سفر از یاد مردم رفتن است
، در کیش با تجرد عنقا تمام نیست — در قید نام ماند اگر از نشان گذشت
غنی عیش تنہائی ہمیشہ مرد را دارد جوان — موئے چون از سر جدا گردد نہ باشد سفید

اسی صورت سے تجرد اور دوستوں سے جدائی کی مذمت کے لئے دیکھئے۔

پرید دانہ ز خرمن بہ آسیا افتاد — ز ہمرہان موافق جدا نباید شد
مقصود صحبت است ز گل ورنہ بوئے گل — انصاف گر بود ز صبا مے توان شنید
متاب رو ز ہم صحبتان کہ تنہائی — لطیفہ ایست کہ از بہر خود گزید خدا
نیست اکسیری بہ از صحبت کامل عیار — گفتہ ام حرفے کہ می باید بآب زر نوشت

میں ابھی اور کچھ بھی لکھتا مگر چونکہ اپنے مقصد سے دور پہونچتا جاتا ہون لہذا یہین اس کو ختم کرتا ہون۔ مگر ہان یہ لکھنا ضروری ہے کہ ہمارے اردو کے شعرا اکثر فارسی زبان کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہین محبوب وغیرہ کی امثال انہی ذخیرہ سے دیجاتی ہین۔ مگر جدت مضامین مین اتباع کرنا ایسے معدوم و متروک ہوگیا ہے کہ جیسے یہ کوئی گناہ ہے حالانکہ مخرب اخلاق مضامین لکھنے کے گناہ متروک نہیں ہین۔

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب مین — یہ سوئے ظن ہی ساقی کوثر کے باب مین

کل سے مراد روز قیامت ہے۔ کہتا ہے کہ روز قیامت کے خوف سے شراب دینے مین خست نہ کر کیونکہ اس سے ساقی کوثر کی شان مین سوئے ظن پیدا ہوتا ہے کہ اگر شراب بری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیون سپرد ہوتا۔ ساقی کوثر سے مراد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور خلفائے اربعہ جو آپ کی طرف سے حوض کوثر سے لوگون کو سیراب کرین گے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ آج ہی پلا دے کل کے لیے کیون بچاتا ہے کل ساقی کوثر پلائین گے گویا اس بچانے سے تو اُن کے حق مین بدگمانی کرتا ہے کہ وہ نہ پلا سکینگے۔ یہ معنی پہلے معانی سے زیادہ مناسب اور اچھے ہین اور لفظ خست اس مفہوم پر خصوصیت سے دال ہے۔ ذوق مرحوم فرماتے ہین۔

خط پڑھ کے اور بھی ہوا وہ پیچ و تاب مین — کیا جانے لکھ دیا اُسے کیا اضطراب مین

مومن: تاثیر صبر مین نہ اثر اضطراب مین | بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب مین
شیفتہ: آرام سے ہے کون جہان خراب مین | گل سینہ چاک اور صبا اضطراب مین

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند | گستاخی فرشتہ ہماری جناب مین

آج ہم اس قدر ذلیل کیون ہین۔ کل جب فرشتون سے جناب باری نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم زمین مین ایک خلیفہ بنانے والے ہین اور فرشتون نے عرض کیا تھا کہ کیا تو کوئی ایسا خلیفہ بنانے والا ہے کہ جو زمین مین خون بہائے اور فساد کرے۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہین اور جناب الٰہی سے از راہ عتاب حکم ہوا تھا کہ چپ رہو تم ان اسرار کو نہین جانتے ہو جو مین جانتا ہون بالکل اسی مضمون کا شعر فارسی مین بھی کہا گیا ہے۔

اے آنکہ از غرور تہیچ سم نئی خری | غالب زان شیوہ باز گوئے کہ پیش از ظہور بود

جان کیون نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع | گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب مین

اگر وہ صدائے جان بخش چنگ و رباب مین سمائی ہوئی ہے تو کیا سبب ہے کہ اسکو سنکر جان نکلنے لگتی ہے حالانکہ اسکا خواص جان بخشی ہے۔ اس صورت مین استفہام استخباری ہے اور مجکو یہی معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہین۔ مگر نظم صاحب یون فرماتے ہین کہ یہان استفہام فقط سامع کے متنبہ کرنے کے لئے ہے شاعر جواب نہین چاہتا ہے۔ مولانا نظم کا ایک شعر اسی مضمون سے ملتا جلتا مجھے یاد ہے بہت خوب فرمایا ہے۔

صدائے چنگ سے امجکو یہی آواز آتی ہے | کوئی کہتا ہے اب پردے سے ہم باہر نکلتے ہین

ظاہرا ماخذ اسکا یہی غالب کا شعر ہے۔

رو مین ہے رخش عمر کہان دیکھئے تھمے | نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

میرا توسن عمر بے محابا دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے مین سہم رہا ہون نہ اس خوف و اضطراب مین حلقۂ رکاب مین میرے پاؤن جمتے ہین نہ باگ پر میرا ہاتھ ہے۔ غرضکہ مین بے اختیار ہون دیکھئے یہ کہان جاکر رکتا ہے اور کس وقت میرا خوف کم

ہوتا ہے یا یہ کس جگہ مجکو اپنی پشت سے گراتا ہے یعنی دیکھئے کب موت آتی ہے اور مین مصائب زندگی سے فراغت پاتا ہون۔ مومن خان صاحب اس قافیہ کو یون کہتے ہین ؎

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم ‌ ‌ ‌ فتراک مین جو سر ہے تو پا ہے رکاب مین

اتنا ہی مجکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ‌ ‌ ‌ جتنا کہ وہم غیر سے ہون پیچ و تاب مین

جس قدر کہ مجکو غیر کا وہم ہے اور غیر کو غیر سمجھتا ہون اُسی قدر اپنی حقیقت سے دور ہون اپنی ذات سے بھی دور ہون یعنی ماسوائے اللہ ہر ایک سے علیحدہ ہون وہ اپنی ذات ہو یا کوئی اور ہو اور اس کے دوسرے لطیف معنی یہ ہین کہ جو مولانا حالی نے لکھے ہین کہ جس قدر وہم غیر سے مجکو پیچ و تاب رہتا ہے اُسی قدر اپنی حقیقت سے مجکو بعد ہے یعنی جس مقام کی خواہش ہے یا جس جگہ مین ہون وہان کسی خیال کی بھی گنجائش نہین ہے نواب مصطفٰے خان شیفتہ کے یہان بھی دو شعر تصوف سے لبریز موجود ہین ؎

وہ قطرہ ہون کہ موجۂ دریا مین گم ہوا ‌ ‌ ‌ وہ سایا ہون جو محو ہوا آفتاب مین

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نقش بھی ‌ ‌ ‌ رہبران کی یہ مراد کہ رہبر ہو خواب مین

سیما آئین محو اور وہ سب سے علیحدہ ‌ ‌ ‌ آئینہ مین ہے آب نہ آئینہ آب مین

طوبیٰ لہم جو گشتۂ عشق عفیفت ہین ‌ ‌ ‌ کیا شبہ اُس گروہ کے حسن مآب مین

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ‌ ‌ ‌ حیران ہون پھر مشاہدہ ہے کس حساب مین

شہود و شاہد مشہود ان سب کی اصل ایک ہے مجھے تعجب ہے کہ جب یہ سب ایک ہین تو مشاہدہ جو مقتضائے مغایرت ہے کس حساب مین ہے مشاہدہ سے وہ مشاہدہ مراد ہے جو روز قیامت کو ہوگا یعنی تمام عالم بوجود واحد موجود ہے اور اس مین اسباب متقاضئ مغایرت کی گنجائش نہین ہے۔

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر ‌ ‌ ‌ یان کیا دھرا ہے قطرۂ موج و حباب مین

مطلب یہ ہے کہ قطرہ اور موج اور حباب کی ہستی کوئی ہستی نہین ہے بلکہ یہ

سب صورتیں دریا کی بدولت نظر آرہی ہیں اور ان صورتوں کے ظاہر ہونے سے بحر کا پتہ چلتا ہے یعنی ہستی موجودات وجود واجب کے ضمن میں ہے باقی کچھ نہیں ہے۔

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں

شرم ایک ادائے معشوقانہ ہے کوئی نہ ہو تو خود ہی سے شرمانا چاہئے وہ اگرچہ شرمائے ہوئے ہیں اور حجاب میں ہیں مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امر خلاف شرم و ادائے معشوقانہ ہے رسا مرحوم کا ایک مصرع مجھے یاد آیا۔

کتنا گستاخ ہے پردے میں حجاب آتا ہے

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

باوجودیکہ ایک جہان اُس کا عاشق ہوچکا ہے مگر اُس کو آرائش جمال سے فراغت حاصل نہیں ہوئی اور اسی سبب سے اب تک بھی پردہ میں وہ اپنی آرائش جمال میں مصروف رہتا ہے مولانا نظم نے اس شعر کو تصوف کے مضامین سے لبریز بتایا ہے اور یہ مفہوم ظاہر کیا ہے کہ نقاب استعارہ ہے حجاب قدس سے اور آئینہ اُس میں علم ماکون و ما یکون ہے اور آرائش جمال سے فارغ نہ ہونا تغیر کل یوم ہو فی شان ہے یہاں ایک نکتہ یہ ہے کہ تاویل کی گنجائش ہے اس کو بھی رنگ تصوف میں لے جا سکتے ہیں اور جو معانی بتائے گئے وہ غلط نہیں ٹھہرائے جا سکتے مگر استعارات جو اس میں بیان کئے ہیں وہ سب بعید الفہم ہیں اور استعارہ کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مشبہ کی طرف جلد سے جلد ذہن منتقل ہو جائے اور بیان یہ کچھ بھی نہیں ہے واضح ہو کہ اگر مجازات بعید نوس ہیں اور مشبہ یہ یا مستعار منہ کا ذکر نہیں کیا گیا تو فصاحت و بلاغت تو درکنار وہ شعر کو مہمل اور شاعر کو مہمل گو کا خطاب دلا دیتے ہیں۔

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

جس کو ہم شہود یعنی ظاہر بات سمجھے ہیں یہ سب غیب غیب ہیں اور غیب غیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حالت خواب میں سمجھے کہ ہم جاگتے ہیں

سب صورتین دریا کی بدولت نظر آرہی ہین اور ان صورتون کے ظاہر ہونے سے بحر کا
پتہ چلتا ہے یعنی ہستی موجودات وجود واجب کے ضمن مین ہے باقی کچھ نہین ہے۔

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی — ہین کتنے بے حجاب کہ یون ہین حجاب مین

شرم ایک ادائے معشوقانہ ہے کوئی نہو تو خود ہی سے شرمانا چاہئے وہ اگرچہ
شرمائے ہوئے ہین اور حجاب مین ہین مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امر خلاف شرم
وادائے معشوقانہ ہے رسا مرحوم کا ایک مصرع مجھے یاد آیا۔

کتنا گستاخ ہے پردے مین حجاب آتا ہے

آرائش جمال سے فارغ نہین ہنوز — پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

باوجودیکہ ایک جہان اُس کا عاشق ہوچکا ہے مگر اُس کو آرائش جمال سے
فراغت حاصل نہین ہوئی اور اسی لیے ابتک بھی پردہ مین وہ اپنی آرائش جمال مین
مصروف رہتا ہے مولانا نظم نے اس شعر کو تصوف کے مضامین سے لبریز بتایا ہے
اور یہ مفہوم ظاہر کیا ہے کہ نقاب استعارہ ہے حجاب قدس سے اور آئینہ اُس مین علم
ماکیون وماکان ہے اور آرائش جمال سے فارغ نہونا تغیر کل یوم ہو فی شان ہے یہان
ایک نکتہ یہ ہے کہ تاویل کی گنجائش ہے اس کو بھی رنگ تصوف مین لے جاسکتے ہین اور
جو معانی بتائے گئے وہ غلط نہین ٹھہرائے جاسکتے مگر استعارات جو اس مین بیان کئے
ہین وہ سب بعید الفہم ہین اور استعارہ کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مشبہ کی
طرف جلد سے جلد ذہن منتقل ہوجائے اور یہان یہ کچھ بھی نہین واضح ہو کہ اگر استعارات
نامانوس ہین اور مشبہ یا مستعار منہ کا ذکر نہین کیا گیا تو فصاحت و بلاغت تو درکنار
وہ شعر کو مہمل اور شاعر کو مہمل گو کا خطاب دلا دیتے ہین۔

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود — ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین

جس کو ہم شہود یعنی ظاہر و مشہود سمجھے ہین یہ سب غیب غیب ہین اور اس غیب
غیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حالت خواب مین سمجھے کہ ہم جاگتے ہین

مگر دراصل وہ بیداری نہیں ہے مولینا حالی نے یادگار غالب میں اس کی یوں تشریح کی ہے کہ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے وہ شہود ہے اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصر و بصیرت سے وراء الورا ہو کہتا ہے کہ جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل غیب الغیب ہے اور اس کو غلطی سے شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں لیں گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ خواب ہی میں ہے۔

مولانا نظم لکھتے ہیں یعنی خواب میں خواب دیکھ رہے ہیں تو یہ غیب غیب ہے۔

مولانا حالی مرحوم نے بہت خوب معانی بیان کئے ہیں۔ مولانا نظم کی شرح خود تشریح طلب ہے۔

عرفی مرحوم ایک جگہ کہتے ہیں ؎

ہر کس نشناسندہ راز است وگرنہ　　　اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست　　　مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

دوست کے ہم نشین سے مجھے دوست کی خوشبو آتی ہے اس صورت سے گویا میں حضرت علی کی عبادت و مطاوعت کرنے میں خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ اس شعر میں دلیل کو دعوے پر مقدم کیا گیا ہے اور یہ اکثر ہوتا ہے مگر مروج یوں ہے کہ اول دعویٰ بعدہ دلیل دینی چاہیئے۔

تاریخ　بیعت خدا سے ہو مجھے بے واسطہ نصیب　　　دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا

اس میں دعویٰ پہلے مصرع میں اور دلیل دوسرے میں ہے۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار　　　اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو میں

تو زیادہ تر رقیب کے گھر رہتا ہے یہ مجھے معلوم تھا۔ اس واسطے تیری تلاش میں دشمن کے گھر جانے کی ذلت بھی اٹھانی پڑی کاش مجھے تیرا پتہ نہ معلوم ہوتا تو یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

مومن نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طریقہ سے ادا کیا ہے کہتا ہے ؎

اُس نقش پا کے سجدے نے یاں تک کیا ذلیل　　　میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

دوسرا پہلو اس میں یہ بھی موجود ہے کہ رقیب ہر وقت تیرے یہاں رہتا ہے اور تیرا اور رقیب کا گھر ایک ہی سا ہے تو اس صورت میں تیرے گھر جانے سے گویا رقیب کے گھر جانا پڑا کاش تیرے گھر کا راستہ مجھے معلوم نہ ہوتا اسی مضمون کو غالب نے دوسری جگہ ادا کیا ہے

نہ ہو یوں کہ دیکھا کرتے دوست کو اب　　　اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے　　　کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

کمر کسنا اور کمر باندھنا کسی مہم کی انجام دہی کے لئے مستعد ہونے کو کہتے ہیں اسی لئے مصنف کہتا ہے کہ آپ جو مجھے بار بار کہتے ہیں کہ تیرے قتل کے لئے ہم نے کمر کس کر باندھی ہے تو یہ آپ مجھے ڈراتے ہیں آپکی کمر کا وجود ہی کیا ہے جو آپ نے کس کر باندھی ہے کیا میں آپکی کمر کو جانتا نہیں ہوں جو آپ مجھے دھمکیاں دیتے ہیں۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے　　　یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

لو اور سنو جس کی وجہ سے ہم تباہ ہو گئے وہ ہم کو بے ننگ و نام کہتا ہے اگر ہم جانتے کہ وہ بھی ہم کو یہ کہے گا تو ہم کاہے کو اپنا گھر تباہ کرتے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ　　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

میں تلاش منزل مقصود میں سرگرداں اور دیوانہ ہو رہا ہوں انتہا دیوانگی کی یہ ہے کہ اپنے راہبر کو بھی نہیں پہچانتا کہ کون مجکو میری منزل پر پہونچا دے گا۔ اسی دیوانگی میں جس طرف کو تیز جاتا ہوا دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی وہیں جا رہا ہے اور اسے بھی میری طرح جلد پہونچنے کے لئے اضطراب ہے بس اسی خیال کی بنا پر اُس کے ساتھ ہو لیتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ وہ کسی دوسری جگہ جا رہا ہے اور اُس کی منزل اور ہے تو پلٹ آتا ہوں کوئی اور تیز رو ملتا ہے پھر اُس کے ساتھ ہو لیتا ہوں یہ شعر گویا ایک تصویر دیوانگی ہے۔ اور محاکات شاعری اسی کا نام ہے۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ شاعری سے مصوری زیادہ ہے مگر دراصل یہ خیال غلط ہے بلکہ شاعری مصوری سے مشکل ہے اور اس ہین اگر شاعر قادر الکلام ہے تو اُن باتون کی تصویر کھینچ سکتا ہے جو مصور کو نصیب نہین ہوسکتی ہین مصور کا بڑا کمال تو یہی ہے کہ ہر چیز کی جو تصویر کھینچے اُس کے حالات عیان ہون مگر بعض کامل مصور ایسے بھی ہین اور ہو گذرے ہین کہ جذبات کی تصویر بھی کھینچدین مگر انکا یہ کمال مرئی اور مادی چیزون تک منحصر اور محدود ہے ۔ غیر مرئی چیزون کی تصویر اگر مصور کھینچے گا تو بدقت کھینچ گا اور وہ بھی ایسی کہ جس کے دیکھنے سے اُس کی حالت پر پورا پورا عبور غیر ممکن ہے اس سے میری مراد جذبات ہین یعنی فرض کر لیجیے کہ غصہ تمکنت ۔ غرور سادگی متانت اجڑے کھنڈرون کے نقشے ہرے بھرے باغون کی سرسبزی اور رونق بہتے ہوے چشمہ کی روانی وغیرہ کو ایک مصور چابکدست کھینچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ غصہ تمکنت غرور سادگی کے وجوہات بھیانک جگہ کے اسباب اور اُن کے اُجڑ جانے کے اوقات دریا کی روانی کے ساتھ اُس کے عمق وغیرہ کو وہ کیونکر دکھا سکتا ہے ۔ بخلاف اس کے محاکات مین یہ سب باتین ایک ہی ساتھ ادا ہو جاتی ہین مثلاً قاآنی کہتا ہے ۔

نرمک نرمک نسیم زیر گلان می خزد — غبغب این می مکد عارض آن می مزد
سنبل این می کشد گردن آن می گزد — گر بہ چمن می چمد گو بہ سمن می وزد
گاہ بہ شاخ درخت گہ بہ لب جویبار

اس مین ٹھنڈی ٹھنڈی ہلکی ہلکی اُس ہوا کی تصویر کھینچی گئی ہے جو صبح کے وقت باغون مین پھولون سے اٹھکھیلیان کرتی پھرتی ہے مصنف نے پہلے ہوا کی نرمی اور آہستہ چلنے کی تعریف کی جس کے ساتھ ہی صبح کی نرم اور خوشگوار ہوا کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر گئی (زیر گلان می خزد) کے ساتھ ہی چٹکتے ہوے غنچے دکھائی دینے لگے دوسرے مصرع سے ایک پنکھڑی کی ہوا سے حرکت سمجھ مین آئی اور دوسرے شعر کے پڑھتے ہی باغ کے پتے پتے پر نگاہ جا پڑی جو نسیم سحر کے چلنے سے ہلتے ہین پانچوین مصرع مین میوہ دار شاخون کا جھومنا پھولدار پودون کے نازک نازک ٹہنیون کا لچکنا سب سمان ایسے پیش نظر ہو گیا جیسے کہ باغ ہی مین موجود ہین ہوا پانی کی روانی وجون کا سر اٹھانا غرضکہ جملہ وہ لطافتین جو صبح کو آبشار کے دیکھنے

سے میسر ہوسکتی ہیں پیش نظر ہوگئیں۔

بخلاف اس کے ایک مصور باغ کی ہر ایک چیز کو بہ خوش اسلوبی دکھائے لیکن یہ ہوا کی شوخیاں اور اس سے باغ کی لطافت وغیرہ وغیرہ غنچوں کے چٹکنے کی آوازیں وغیرہ وغیرہ کیونکر دکھائے گا۔

دوسرا جائیے غالب کے اسی شعر کو لے لیجئے یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مسافر گم گشتہ راہ کی تصویر کھینچکر اُس کے جذبات حیرانی کو اُس کے چہرے سے ظاہر کرتے مگر جو حالت کہ آپ اس کے سننے سے سمجھ رہے ہیں کہ دوڑنا۔ اور کسی رہرو کے ساتھ ہونا پھر پلٹ آنا پھر وہی حالت اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں کہ جو ایک مصور کی حد اختیار سے باہر ہیں۔

ہم محاکات اور تصویر کے موازنہ میں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ کسی شے کا دیکھنا اور سننا کسی صورت سے برابر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ مگر شاعر کے اندر یہ کمال موجود ہے کہ وہ اپنے حسن بیان سے ایک ایسی چیز کو بے قدر کر دیتا ہے جسے آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً ایک مصور تصویر کھینچکر لایا اُس کو آپنے دیکھا اس سے آپ پر اس قدر اثر نہو گا جس قدر کہ ایک جادو بیان کے چند الفاظ کی تصویر آپ کو محو کر دے گی۔ یہ اعجاز سے کم نہیں ہے۔

اس کے سوا اُسے یہ بھی خیال کیجئے کہ مصور کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچے اُس کے ایک ایک خط و خال پر گہری نظر ڈالے اور اُسے اسی طرح تصویر میں دکھائے ورنہ تصویر میں بجائے خوبی کے نقص پیدا ہو جائے گا مگر شاعر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جزئیات بیان کرے۔

فردوسی افراسیاب کے غصہ اور غیرت اُس کے غرور تمکنت تکبر دلیری۔ اپنے مقابلہ پر دنیا کو ذلیل سمجھنے اور زمانہ کے حیرت انگیز انقلاب کی یوں تصویر کھینچتا ہے ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یہ باتین تصویر مین دکھا دینا حد مصوری سے باہر ہی نہین ہین بلکہ غیر ممکن ہین۔

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہون اُس بُتِ بیداد گر کو مین

اس مین غالب ترین پہلو تشنیع کا ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ ابنائے دہر کیسے بیوقوف ہین کہ میری خواہش کو عبادت سمجھے ہین کہ مین اُس کو پوجتا ہون یعنی اہل دہر نے میری پرستش سے دہوکا کھایا ہے اور اس کو پرستش کا خطاب دیدیا ہے۔ حالانکہ جس حد تک میری پرستش ہے اُس کو پرستش کا خطاب نہین دیا جاسکتا ہے یہ حد طاعت مین نہین آسکتی صرف خواہش ہے اس مین ایک نازک نکتہ یہ نکلتا ہے کہ جب پرستش کیجائے گی وہ خواہش دل ہی سے ہوگی خواہ اُس مین کسیقدر استغراق کیون نہو اور جس امر مین خواہش دل شامل ہے وہ عبادت نہین ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ حق طاعت کوئی بجا نہین لاسکتا۔ صرف دنیا پابندان خواہش کو عابد کا خطاب دیدیتی ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ معنی باریک اس شعر مین یہ ہین کہ شاعر حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا مین اُسے پوجتا ہون اُسے خبر نہین کہ معشوق کے سامنے جاکر اظہار نیاز پرستش کی حد تک پہونچ جاتا ہے یا خواہش کی حد تک رہتا ہے اور حیرت کے علاوہ دوسرا پہلو تشنیع کا بھی ہے۔

مگر اس سے پہلا مصرع قریب قریب بے معنی ہوا جاتا ہے کیونکہ مصنف خواہش کو پرستش سمجھنے کی بنا پر ہی دیکھنے والون کو احمق قرار دے رہا ہے۔ فافہم۔

پھر بیخودی مین بھول گیا راہ کوئے یار — جاتا وگرنہ ایکدن اپنی خبر کو مین

مین اپنے دل اپنے ہوش و حواس کو اُس کی گلی مین چھوڑ آیا تھا اور جب وہان سے آیا ہون بیخود ہون لہذا اُس گلی کا راستہ بھی بھول گیا۔ اور اس لئے اب اپنے دل و جان ہوش و حواس کی خبر بھی نہین لاسکتا کہ اُنپر کیا گذری اور وہ اب کس حال مین ہین۔

اپنے پہ کر رہا ہون قیاس اہل دہر کا — سمجھا ہون دلپذیر متاع ہنر کو مین

مثال مشہور ہے کہ المرأ یقیس علیٰ نفسہ یعنی جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ اسی لیے مصنف کہتا ہے کہ جیسے میں متاعِ ہنر کا قدردان ہوں اور اسکو اچھا سمجھتا ہوں اسی طرح دنیا کو سمجھتا ہوں کہ اس کو سب اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ در اصل ایسا نہیں ہے ایک میں ایسا ہوں تو ہوا کرون دنیا ایسی بیوقوف نہیں ہے کہ متاعِ ہنر کی دلدادہ ہو۔ ہنر اس زمانہ میں ایسی شے نہیں ہے جسے کوئی پسند کرے دوا پنے یہ لکھنؤ کی زبان نہیں ہے لیکن دہلی میں یہ محاورہ روزمرہ میں داخل ہے۔ غالب نے ایک جگہ اور بھی لکھا ہے۔ ع

اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائیں کیوں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز | دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

سوارِ سمندِ ناز سے مراد نازنین۔ علی بہادر یا تو کسی کا نام ہے جو مصنف کے دوستوں میں ہیں یا بہادر عالی گہر علی کی صفت ہے جس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں | غیر سے بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وہ میرا ذکر بدی اور برائی کے ساتھ بھی سننا نہیں چاہتا کیونکہ مجھ سے اسکو سخت نفرت اور عداوت ہے مگر میرا رقیب ہر وقت اُس سے میری برائی کرتا ہے تو عجیب نہیں کہ وہ اس کا بھی دشمن ہو جائے۔ بالکل اسی مضمون کو دوسری جگہ بھی کہا ہے ۔

دشمنی نے میری کھویا غیر کو | کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق | مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

اُسنے میرے ساتھ سیرِ گلستان کا وعدہ کیا ہے اور اس میں جو خاص بات ہے اُس کا مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ یعنی در پردہ میرے قتل کا ارادہ ہے کاش اگر ایسا ہو جائے تو میرے شوق کا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ اسی مضمون کو ایک جگہ اور بھی

مصنف نے کہا ہے جس کے ساتھ ہم اسی شعر کو لکھ چکے ہیں مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔

شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شعراء نے معشوق کی کمر کو اس قدر نازک قرار دیا ہے کہ اُس کو بالکل معدوم فرض کر لیا ہے کہ لوگ عالم یعنی دنیا کو معشوق ہستی مطلق کی کمر کہتے ہیں (یعنی اس صورت سے اُس کو معدوم قرار دیتے ہیں۔ مگر انکا یہ کہنا کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے۔ سراسر خلاف ہے لوگ عدم کے ساتھ ہے کا لفظ کیوں شامل کرتے ہیں یہ بالکل بے معنی یعنی ہستی ایک معدوم شے ہے جس کے ساتھ اثبات کا کوئی لفظ شامل کرنا منافی مقصود ہے نظم صاحب لکھتے ہیں کہ منظور یعنی مبصر و مرئی استعمال کیا ہے مگر یہ خلاف محاورہ ہے یہ خیال میرے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ غالب کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہے (یعنی لوگ اس کے ساتھ ہے کا لفظ شامل کرتے ہیں مگر ہم اس (ہے) کو نہیں مانتے۔ ہے کی معدوم شے میں گنجائش ہی نہیں ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں

یعنی حقیقت میں میں بھی ایک ایسا قطرہ ہوں جو فنا فی البحر ہے اور اس لحاظ سے میں بھی دریا ہوں مگر منصور کی طرح میرا ظرف چھوٹا نہیں ہے کہ لوگوں پر اپنے دریا ہونے کا اظہار کروں یعنی میں بھی مرتبۂ فنا فی الذات پر پہونچ گیا ہوں مگر یہ نہیں کہ منصور کی طرح کہہ دوں کہ میں خدا ہوں لفظ حقیقت اس شعر میں لطف سے خالی نہیں ہے ؎

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

اے ذوق خرابی افسوس ہے کہ اب مجھ میں وہ پہلی سی طاقت باقی نہ رہی کہ عشق جیسے پہلوان سے نبرد آزمائی کروں (ذوق خرابی) سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ عشق نے مجھکو خراب کیا اور اب بھی خرابی کے سوائے عشق سے کوئی نتیجہ پیدا

نہ ہوگا دگون بمعنی ڈھب ہندی کا لفظ ہے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

یعنی جب میں اُس سے کہتا ہوں کہ ہم خدا سے تم کو قیامت میں لیں گے وہ حاضر جوابی کی راہ سے کہتا ہے کہ کوئی ہم حور تھوڑی ہیں جو آپ کو قیامت میں ملجاوینگے۔ دوسری جگہ یہی مضمون اس طرح کہا ہے

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام
قدرت حق سے اگر حوریں یہی واں ہو گئیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

مجھپر اگر لطف اور مہربانی کرنے میں تجھے کچھ تکلف ہے تو یہ نہ سہی مگر ظلم تو کر کیونکہ حالت تغافل میں یہ دونوں باتیں تو کر سکتا ہے مگر محض تغافل میں تو معذور اور معاف نہیں رکھا جاسکتا یعنی تیرا تغافل تجھے دونوں باتیں کرنے کی اجازت دیتا ہے اور دونوں بہ آسانی سرانجام پاسکتی ہیں یعنی ہر کوئی تجھے مجھ سے غافل سمجھ کر یہ بھی قیاس کر سکتا ہے کہ یہ عاشق پر جور و جفا کر رہا ہے اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اب یہ اپنے دلدادہ پر مہربان ہو گیا کہ اس نے ظلم کرنا چھوڑ دیا۔

دوسرے یہ معنی ہیں کہ عاشق و معشوق کہیں حسن اتفاق سے ملے ہیں اور عاشق مصرع اولی کا مضمون اُس کے سامنے ادا کرتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ لوگ مجھے اس بات کے طعنے دینگے کہ یہ اُس سے ملا تو عاشق اُس کو اپنے اوپر مہربان کرنے کا حیلہ بتاتا ہے کہ یہ تغافل جو تو نے اختیار کیا ہے اُس کو چھوڑ دے مجھپر ظلم کیا کر تو اس میں میرا کام بھی ہو جائے گا کہ تو مجھپر کم سے کم اس قدر تو مہربان ہوا کہ ظلم کیا اور لوگ بھی کہیں سکے کہ سے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیسا کی

دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ تغافل اختیار کر کے کچھ تو معذور اور مجبور تو ہو نہیں گیا ہے بہر صورت سمجھے اب بھی ظلم و مہربانی کا اختیار ہے جب چاہے اس کو چھوڑ کر یہ اختیار کرے۔ مولانا نظم اپنے یہاں اس کی شرح یہ تحریر کرتے ہیں۔

یعنی تغافل تو ناامشناسئے محض ہے یہ مجھے کیونکر گوارا ہو حسرت صاحب کہتے ہیں کہ اگر تو لطف نہیں کرتا تو ظلم ہی کر بہر حال تغافل نہ کر یعنی تیرا شیوہ ستم سے تغافل بھی پسند نہیں ہے۔

ساده دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ   وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہم سے کشی میں جمشید کے مقلد ہیں اور شراب انگوری اسی کی ایجاد ہے لہذا وہ شراب کہ انگوری نہ ہو ہم نہیں پیتے۔ دردی کش کی وجہ سے لفظ صاف لایا گیا ہے جس نے شعر کو بے اثر بنانے ہی پر بس نہیں کی اس کی بندش کو بھی سست کر دیا کہ ایک جگہ کہتے ہیں:

نادان حریف مستی غالب مشو کہ او   دردی کش پیالہ جمشید بودہ است

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائے غالب   میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

میں چونکہ مشہور نہیں ہوں لہذا اخفائی ہوا۔ اور خفا اور ظہور میں تقابل ہے لہذا میں بوجہ نہ مشہور ہونے کے ظہوری کا مقابل ہوں یعنی جتنے کہ ظہوری مشہور تھے میں نامشہور ہوں۔ مرزا غالب شاعری میں مرزا عبدالقادر بیدل۔ عرفی۔ نظیری۔ ظہوری کے رنگ کے متبع تھے اور اس تقلید و اتباع پر اکثر جگہ ناز کیا ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔

بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب   رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را
گشتہ ام غالب طرف بامشرب عرفی کہ گفت   روئے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است
ذوق فکر غالب را بردہ ز انجمن بیرون   با ظہوری و صائب محو ہمزبانی ہاست
ہلہ تازہ گشتہ غالب روش نظیری از تو   سزد انچنین غزل را بسفینہ ناز کردن

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں   ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

اے ستم ایجاد تو سمجھا ہے کہ میں جو تیرے ظلم و ستم پر روتا ہوں اس سے ظلم و ستم کا شکوہ مقصود ہے یہ میرا مطلب نہیں ہے بلکہ اس نالہ سے میرا مطلب ہے کہ تو مجھ پر اور بھی زیادہ ظلم و ستم کرے یعنی میں جس قدر روؤں گا تو خفا ہوگا اور زیادہ

ظلم کرے گا۔

یا یہ کہ اے ستم ایجاد تو نے میرے نالہ کو شکوۂ ستم سمجھ کر شیوۂ تغافل اختیار کیا ہے تو غلط سمجھا ہے میں اس گریہ سے شکوہ پیدا نہیں کرتا بلکہ تقاضائے جفا کرتا ہوں۔

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب ‏ ‏ ‏ ‏ ہم کو تسلیم نکو نامیٔ فرہاد نہیں

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ فرہاد خسرو کے حکم سے کوہ بیستون کو کاٹنے اور نہر نکالنے کے لئے گیا لوگ اس کو عشق صادق پر محمول کرتے ہیں کہ اس نے عشق پر دھبہ نہ آنے دیا اور یہ سخت کام انجام دینا منظور کیا۔ مگر ہم کو یہ تسلیم نہیں ہے۔ فرہاد کو دراصل عشق کامل نہ تھا ورنہ رشک اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ رقیب کے حکم کو مانتا اور اس کے عشرت گاہ کو زینت دیتا یہ نکو نامی نہیں ہے بلکہ فرہاد کے لیے باعث بدنامی ہے بالکل اسی مضمون کو غالب نے فارسی میں کہا ہے ؎

از جوئے شیر و عشرت خسرو نشان نماند ‏ ‏ ‏ ‏ غیرت ہنوز طعنہ بہ فرہاد میزند

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم ‏ ‏ ‏ ‏ دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

یعنی میرا گھر بھی خرابی میں جنگل سے کم نہیں ہے مگر جنگل کی طرح وسیع نہیں ہے اس لئے جنگل میں وہ عیش مجھکو نصیب ہے کہ گھر یاد نہیں آتا۔ اس قسم کے اور شعر بھی گذر چکے ہیں۔

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب ‏ ‏ ‏ ‏ لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

عقلمند طوفان حوادث زمانہ سے افسردہ دل نہیں ہوتے بلکہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے اور سبق لیتے ہیں اور طپانچہ موج حوادث کو استاد کا تھپڑ سمجھتے ہیں۔ ظہیر فاریابی کا ایک شعر ہے ؎

صد دہانۂ عشق راکے بوالہوس دارد قبول
کے شناسد طفل قدر سیلیٔ استاد را

وائے محرومیٔ تسلیم و بدا حالِ وفا — جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

ہم بر بنائے صبر و رضا و وفا اس کی جفاؤں پر آہ و فریاد نہیں کرتے تو سمجھتا ہے کہ ہم فریاد کر ہی نہیں سکتے اور ہم میں فریاد کی طاقت باقی نہیں رہی ہے ہائے ہمارا شیوۂ تسلیم کس قدر اثر سے محروم ہے اور ہماری وفا کس قدر بُری ہے محرومیٔ تسلیم و بدا حالِ وفا کے ظاہرا معنی تو یہی ہیں جو ہم نے لکھے مگر در اصل جو اُنکا لطف ہے وہ ذوقِ وجدانی پر خوب ظاہر ہوتا ہے۔

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے — گر چراغانِ سرِ رہ گذرِ باد نہیں

اگر گل و لالہ چراغانِ سرِ رہ گذرِ باد نہیں ہیں تو آخر ان کا رنگ اس قدر پریشان کیوں ہے رنگ کی پریشانی رنگ اڑنے کو کہا گیا ہے اور اسی سے چراغ گل و لالہ کو چراغِ رہگذرِ باد قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جیسے ہوا چراغ کو بجھا دیتی ہے اسی طرح یہ چراغِ گل کی روشنی رنگ کو زائل کر کے اس کو بے نور کر دیتی ہے پھول کو چراغِ رہ گذرِ باد کہنا لطافت سے خالی نہیں اور غالباً یہ نئی تشبیہ ہے جو اردو کے دواوین میں نہیں پائی جاتی۔ ایک جگہ کہا ہے ؎

ہیں خانہ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں — مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

اے مرغِ گرفتار شکر کا مقام ہو کہ تجھے کسی صیاد نے گرفتار نہیں کیا گلچیں نے اسیر کر کے سبدِ گل کے نیچے بند کیا ہے۔ اگرچہ تو قید ہے مگر پھولوں کی صحبت تجھ کو حاصل ہے اور یہ بہت غنیمت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عاشق کیسی ہی تکلیف میں ہو مگر معشوق کی صحبت حاصل ہے تو قید خانہ بھی اسے جنت ہے۔ مولانا نظم نے اس شعر کی شرح میں یہ الفاظ لکھے ہیں [illegible] کہ گلچیں [illegible] و پروانہ کا ذکر بھی معقول شعر سمجھتے ہیں [illegible] عو [illegible] حاصل اس کا [illegible] حسرت [illegible] کی شرح یہ لکھتے ہیں

مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

جو مرغ کو قفس میں بند کر دے گا۔ فقط۔ یہ شعر مرغ آزاد سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ تجھے مژدہ ہو اس وقت باغ میں صیاد نہیں ہے گلچیں ہے اگر تجھے گرفتار بھی کرے گا تو بند گل کے نیچے بند کرے گا۔ جو تیرے لئے باعث راحت ہو گا نہ کہ قفس کی طرح جانگزا (کو عجب) اب متروک ہے۔ اور کرتا ہے بجائے اس کے فصیح ہے۔

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا دی ہے جائے دہن اسکو دم ایجاد نہیں

اس کو بجائے دہن کے نہیں ملی ہے یا اس کو دہن تو ملا نہیں نہیں ملی ہے کہ ہر بات پر وہ نہیں کہتا ہے اور اس نفی سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے یعنی کوئی چیز ضرور ہے جس سے وہ اس لفظ کو ادا کرتا ہے پہلی صورت میں دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ نہیں بجائے دہن اس کو ملی ہے مگر ملی ضرور ہے اس شعر میں مصنف نے یا غلطی سے اثبات کو مؤنث باندھا ہے یا وہ اپنے نزدیک اس کو تانیث بھی صحیح سمجھتے تھے دوسری جگہ مذکر بھی لکھا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

بہشت رونق کے حق میں تو ایسا ہی ہے جیسا تیرا کوچہ ہے مگر وہ اتنا آباد نہیں ہے یہاں عاشقوں کا مجمع وہاں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ ہم ایک جگہ ایسے ہی شعر کے ساتھ اس کو لکھ چکے ہیں۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

غالب تم غربت کی شکایت کس منہ سے کرتے ہو کیا یاران وطن کی بے مہریاں اور دل آزاریاں یاد نہیں ہیں جو کہ اس سے بھی بہت زیادہ تھیں ؎

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشت خس جو گلخن میں نہیں

دونون جہان دیکے وہ سمجھا یہ خوش رہا — یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

ہم نے دونون جہان کو اُس کے مقابلہ پر ہیچ سمجھا تو اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ خوش ہے حالانکہ دونون جہان کا چھوڑنا ہم کو بہت شاق گذرا تھا۔ مگر شرم یہ تھی کہ اُس کا یہ خیال ہے تو یہی ہی اب تکرار کیا کرین سمجھنے دو چپ ہو رہو۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار مین آئے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین

یعنی تیری جلوہ گاہ تک کوئی نہ پہونچ سکا کوئی یہان تھک کر رہ گیا کوئی وہان رہ گیا غرضکہ اثنائے منزل ہی مین سب کا خاتمہ ہوا اور ایسا کیونکر نہوتا کیونکہ تجھ تک پہونچنا حد بشری سے باہر ہے یہ شعر تصوف کا ہے مقام سے مقامات سلوک مراد ہے۔ جو سالک کو اس راہ کے طے کرنے مین پیش آتے ہین۔

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم — ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

مطلب یہ ہے کہ بزم مین شمع کے خیر خواہ بھی موجود ہین مگر وہ مجبور ہین اس کا غم جانگداز اور رنج جانسوز ہے وہ اس کا کچھ مداوا نہین کرسکتے۔

ہو گئی ہے غیر کی شیرین بیانی کارگر — عشق کا اُس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین

دشمن نے چرب زبانی سے اُس کو رام کر لیا ہے اور اُسے یقین دلا دیا ہو کہ مین عاشق صادق ہون ہم بے زبان ہین رعب حسن ہم کو کچھ کہنے کی اجازت نہین دیتا اس لیے وہ ہم کو اپنا عاشق نہین سمجھتا۔

قیامت ہو کہ حسن لیلیٰ کا دشت قیس مین آنا — تعجب ہے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانہ مین

وہ سنگدل جذب دل عاشق سے بے خبر ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ لیلیٰ کا ناقہ ناوابستہ بہک کر اک شب تار مین اس کو اس جنگل مین لیگیا تھا جہان مجنون خاک چھانتا تھا

چنانچہ قیس کو جب یہ قصہ سُنایا تو اُسنے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک معشوق عاشق کے پاس چلا جائے یعنی جذب عشق اتنا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حجاب معشوقانہ معشوق کو عاشق کے پاس جانے کی اجازت دیدیتا ہے۔

دل نازک پہ اسکے رحم آتا ہے مجھے غالب   نہ کر سرگرم اس کافر کو اُلفت آزمانے مین

اے غالب تو جو ارادہ کرتا ہے کہ مین جان دیکر اس کی الفت کو آزماؤن اور امتحان کرون کہ میرے مرنے کے بعد اس کو کچھ میرا رنج ہوتا ہے یا نہین ایسا نکر ممکن ہے کہ اس سے اس کے نازک دل کو کوئی صدمہ پہونچے جو مجھے منظور نہین۔

دل لگاکر لگ گیا انکو بھی تنہا بیٹھنا   بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یان

یعنی وہ بھی کسی پر عاشق ہوے ہین اور اب رات دن تنہا بیٹھے رہتے ہین جیسے کہ عاشقون کا قاعدہ ہے خیر کچھ بھی ہو اس صورت مین ہمین اپنے بیکسی کی داد ملگئی جیسے ہم اکیلے منہ لپیٹے پڑے رہتے تھے ویسے ہی انکو بھی دیکھ لیا ؎

عاشق ہوے ہین آپ بھی اک اور شخص پر   آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

جناب جاوید بالفاظ دیگر اسی مضمون کو یون ادا کرتے ہین ؎

منت کا ذکر کیا یہ اسیرونکا صبر ہے   اپنے گلے مین آپنے زنجیر دیکھ لی

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام   مہر گردون ہے چراغ رہگذار باد یان

دنیا کا ذرہ ذرہ آمادہ زوال ہے گویا سورج ایک ایسا چراغ ہے جو ہوا مین جل رہا ہے اور کوئی دم مین فنا ہوا چاہتا ہے۔

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین   کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

ہمارا ہجر مین دیوار و در کو دیکھنا بے سبب نہین ہے بلکہ ہم اپنے قاصدون کا انتظار کر رہے ہین ایک قاصد ہوا ہے جس سے دیوار پر نظر پڑتی ہے کہ کب وہ دیوار پھاندکر ہم تک اس کی خبر لاتی ہے اور در کو قاصد کی وجہ سے دیکھتے ہین کہ کب وہ یہان

پہونچتا ہے۔

صبا کو نامہ بر بنانے کی بہت سے وجوہ ہین ایک یہ کہ یہ ہر جگہ بغیر روک ٹوک جاسکتی ہے دوسرے یہ کہ صبا خوشبو وغیرہ منتشر کرتی ہے اور ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ پہونچاتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ مضمون اس قدر مبتذل ہوگیا ہے کہ اب واجب الترک ہے

وہ آئین گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہر   کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

یعنی وہ اور ہمارے جھونپڑے مین آئین یہ قدرت الٰہی ہے   اسیوجہ سے حالت حیرانی مین کبھی ہم انکو دیکھتے ہین اور کبھی ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہین کہ یہ منہ اور مسور کی دال چہ نسبت خاک را با عالم پاک مصرعہ ثانی اسقدر بے تکلف واقع ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سلیس کر کے لکھنا غیر ممکن ہے۔

لگے نظر نہ کہین اسکے دست دبازو کو   یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

لوگ از راہ ہمدردی میرے دل کے کاری زخم کو دیکھ کر قاتل کی چابکدستی کا خیال کرتے ہین مگر مین ڈر رہا ہون کہ کہین اس کے دست دبازو کو نظر نہ لگجائے یہ شعر مقبول عام ہے اور تعریف سے مستغنی ہے۔

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین   ہم اوج طالع لال وگہر کو دیکھتے ہین

تیری کلاہ کے موتیون کی چمک دمک پر کیا نگاہ ڈالین ہم موتیون کے نصیبہ کا خیال کر رہے ہین کہ انکا بخت بلند کیسے اوج پر ہے جو تیرے گوشہ کلاہ تک ان کی رسائی ہوئی۔ اسی زمین مین ذوق مرحوم کی غزل ہے جس کا مقطع یہ شعر ہے

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہین   وہ آتے بزم مین دیکھین کدھر کو دیکھتے ہین

نہین کہ مجکو قیامت کا اعتقاد نہین   شب فراق سے روز جزا زیاد نہین

یہ بات نہین ہے کہ مین قیامت کا منکر ہون بلکہ اس سے [illegible] اور اس کی تکالیف اور شدائد کو [illegible] شب فراق [illegible] میرا شعر ہے۔

برا ہو شام غم کا اسنے کافر کر دیا مجھکو — مین قایل ہی نہین اب روز محشر کی نمودار کا

کوئی کہہ کہ شب مہ مین کیا برائی ہے — بلا سے دنکو اگر آج ابر و باد نہین

ابر و باد مین شراب نوشی کا مزہ ہے مگر آج دن مین اگر کالی کالی گھٹا یئن آسمان پر چھائی ہوئی نہین ہین اور اس کے باعث سے شراب نوشی مین بے لطفی ہے تو کیا پرواہ ہے اس کا نعم البدل تو موجود ہے رات کو چاندنی ہوگی اس سے بھی وہی ابر و باد کا لطف حاصل ہوگا۔

جو آؤن سامنے انکے تو مرحبا نہ کہین — جو جاؤن ایسے کہین کو تو خیر باد نہین

وہ میرے ساتھ اس بے التفاتی سے کام لیتے ہین کہ اگر کبھی بزم مین جاتا ہون تو یہ نہین کہتے کہ آئیے تشریف لائیے جاتا ہون تو کبھی خدا حافظ ان کے منہ سے نہین نکلتا۔

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین — کہ آج بزم مین کچھ فتنۂ و فساد نہین

اول تو وہ مجھے بزم مین یاد ہی کب کرتے ہین اور اگر کبھی اتفاقاً یاد آ جاتا ہون تو یہ فرماتے ہین کہ آج محفل مین کچھ فتنۂ و فساد نہین ہو رہا ہے شاید وہ مفسدہ پرداز نہین آیا۔ گویا یاد بھی کرتے ہین تو اس طرح کہ جس سے نہ یاد کرنا اچھا۔

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب — گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہین

یہی نہین ہے کہ شراب خانہ کے فقیر کو بس عید ہی کے دن شراب ملے عید کے دن کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عید کے دن عموماً صدقۂ فطرہ وغیرہ دیا جاتا ہے لیکن وہان اور دنون مین بھی فقیر کو کچھ نہ کچھ مل ہی رہتا ہے اور وہان کا فقیر کبھی نامراد نہین رہتا۔ ایک اور شعر مین اسی مطلب کو ایک نئے پہلو سے ادا کیا ہے۔

غمگین مشو اے نیرو دراز کوئے میکدہ — تاہم پیالۂ بہ عید شش نمی کنند

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام — دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

لوگ کہتے ہین کہ جہان مین غم و شادی تو ام ہین مگر جدا کرین ۔ہم تو وہ محروم ازل ہین کہ ہمارا دل کبھی شاد ہی نہین ہوا ہم ہمیشہ غم ہی مین گرفتار رہے یا یہ کہ ہم کو کبھی ایسی خوشی بھی نصیب نہین ہوئی جو غم سے ملی ہوئی ہو۔

تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُنسے کیون کرو غالب ۔۔۔ یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

گویا کوئی دوسرا شخص ہے جو غالب کو سمجھا رہا ہے اور کہتا ہے کہ تم اُن کے وعدہ کا اُن سے کیون ذکر کرتے ہو کہ بار بار یہ سنکر کہ ہم کو یاد نہین ناحق کا صدمہ اٹھانا پڑتا ہی اس سے یہی اچھا ہے کہ اُنکا وعدہ اُنھین یاد نہ دلایا کرو۔

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین ۔۔۔ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

تیرے گھوڑے کو صبا سے تشبیہ دیتے ہین اس سے ہمارے مضمون کی ہوا بندھ جاتی ہے صبا باندھنے سے ہوا باندھنا بہت خوب ہی۔

معشوق کو شہسوار اور ترک قدر انداز وغیرہ لکھنا شعرائے اردو کی عادت مین داخل ہوگیا ہے حالانکہ بہت سے لکھنے والے ایسے ہون گے جو اس سے بے خبر ہون گے کہ یہ تشابیہ معشوق کے لئے خاص کیون کی گئی ہین۔ کیونکہ اگر اتفاق سے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے کہ ہند کی شاعری مین عورت عاشق اور مرد معشوق قرار دیا گیا ہے۔ اور اہل ایران کی طرح امرد پرستی ہی کو شاعری کی بنا اور مرد کو معشوق کہا جائے تو بھی جہان تک تواریخ یا ہندوستان کے چھوٹے بڑے قصون سے مدد ملتی ہے یہ کہین نہین دکھائی دیتا کہ کسی امرد معشوق نے نیزہ بازی سیکھی ہو یا قدر اندازی سے کسی عاشق کی جان لی ہو۔ یا تلوارین چلائی ہون۔ یہان کے عشاق کی موت محض تیل افیون اور زہر کھانے کنوین مین ڈوب جانے پر منحصر رہی ہی بڑی کسی نے ہمت کی تو خود کو کوٹھے وغیرہ پر سے گرا دیا اپنے گولی مار لی۔ چاقو مار لیا۔ یہان کی معشوق اگرچہ ہندی شاعری مین مرد اور عورت عاشق قرار دی گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی برعکس معاملہ تھا۔ بہت کم ایسی بے حیا عورتین ہندوستان مین پیدا ہوئی ہین جنھون نے غیر مردون کے عشق کو نصب العین قرار دیا۔ یہان تک کہ عفیفہ بھی تعداد مین کالمعدوم ہین جنھون نے شوہر پرستی کے جوش مین اپنے اصلی اور سچے جذبات کو شاعری کے ذریعہ سے مشتہر کر کے عوام کو

اُس سے آگاہ کیا ہو۔ اُنکا عشق اُنکی محبت کیسی ہی برانگیختہ ہوئی ہو مگر زیادہ تر سینہ کی چہار دیواری میں محدود رہی ہے اُنہون نے دنیا کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنا کبھی اپنا فرض نہین سمجھا مگر بہاشا اور ہندی شاعری کے مٹ جانے کے بعد ہی اگر خیال فرمایئے تو اُردو شاعری جو فارسی کے قدم بقدم چلی ہے اُسکے شروع ہونے کے وقت سے اس وقت تک کوئی دور ایسا نہین آیا کہ کوئی جنگجو قوم معشوق بنکر بیان رہی ہو۔ اور جنھون نے تیر تلوار و نیزہ و ن وغیرہ سے عاشقون کا خون بہایا ہو۔ عربی ترکی گھوڑون پر چڑھ کر بازارون مین نکلے ہون۔ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کی شاعری زوال پذیر ہوئی اور فارسی شاعری معرض ظہور مین آئی۔ اتفاق سے وہان ترک غلام بہت کثرت سے تھے جو نہایت حسین تھے چونکہ حسن پرستی اہل ایران کا شعار بنا ہوا تہا عیش و طرب اُنکا دور دورہ تہا چنانچہ یہ غلام بھی اس مصرف کے لئے نہایت موزون سمجھے گئے۔ اُمرا کی مجالس عشرت مین ساقی گری اور بزم آرائی یہی کرتے رہے۔ ایرانیون کو امرد پرستی بھی مرغوب تھی اس لیئے یہی لوگ بالآخر مستقل معشوق قرار پائے اور شعرا کو ایک مستقل دل لگی کا ذریعہ ہاتھ آیا۔

معتصم باللہ کے زمانہ مین فوج مین حسین اور خوشرو ترک بھرتی کئے گئے تھے۔ اسی لحاظ سے شعرا کے یہ ع

سمند ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا

مضمون ہوا جہان ترکون کو حسین کہا گیا تہا وہان اُن کی معشوقی کی صفات مین جنگجوئی قدر اندازی تیغ زنی وغیرہ کا بھی اضافہ ہو گیا اور اس کثرت سے یہ مضامین نظم ہونے لگے کہ بڑے بڑے شعرا اس اثر سے خود کو نہ بچا سکے۔

ہماری شاعری کو جہان فارسی والون سے ترکیبین اور اور باتین ملی ہین یہ بھی مل گئی۔ حالانکہ چند روز کے بعد ان مضامین کا ایران کی شاعری مین اثر کم ہوتا گیا۔ اور وہ عرفی ظہوری۔ نظیری۔ صائب وغیرہ کے زمانہ مین بہت کم رہ گیا۔ مگر اُردو مین آج تک وہی مضمون بلائے بیدرمان کی طرح لگے ہوئے ہین۔

یہان یہ نکتہ بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اس امرد پرستی اور خلاف فطرت فعل سے اہل ایران کے طبائع اور اُن کے افعال قبیح ٹھہرتے ہین۔ مگر اُن کی شاعری پر کوئی نکتہ چینی نہین کیجا سکتی اس لئے وہ جیسا کچھ دیکھتے تھے دیسا لکھتے تھے۔ اور اس کا نقشہ اُتار کر دیکھتے اور دکھاتے تھے

مگر ہمارے شعرا میں تو بہت سے ایسے ہوں گے کہ جنھوں نے ترکوں کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ مگر اُن کے نام اور ان کی وہی معشوقانہ حالت محکومی کی حاکمانہ صفات۔ قدرانداز گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلنا شہسوار بکافن قتل غارتگری وغیرہ وغیرہ سب بے تکلفی کے ساتھ لکھی جاتی ہیں۔ جو کسی حد تک بھی جائز قرار نہیں دی جاسکتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہیں جو ہماری شاعری میں اثر نہیں پیدا ہونے دیتے اور دوسری قوموں کی نظر میں بیمعنی کا خطاب دلاتی ہیں۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے — ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

کہتا ہے کہ آہ میں کہیں اثر ہوتا ہے یا عاشق کی آہ سے کوئی کام نکلتا ہے یہ صرف ہماری ہوا بندی ہے اس سے بس ہم اتنا کام لیتے ہیں کہ ذرا مضمون میں آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے۔

تیری فرصت کے مقابل اے عمر — برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں

اے عمر تو اتنی تیز رو ہے کہ تیرے مقابل میں برق کی کوئی ہستی نہیں تو بہت جلد گذر جاتی ہے اور وہ دیر میں گذرتی ہے۔

قید ہستی سے رہائی معلوم — اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

قید ہستی سے کسی صورت میں رہائی نہیں ہو سکتی آدمی باوجودیکہ معدوم تھا اور معدوم ہو جائے گا مگر پھر بھی ہستی کی قید سے آزادی نہیں ہے اس کی مثال اشک کی ہے کہ لوگ اس کو بے سر و پا کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی باندھتے ضرور ہیں ہستی سے آزادی نہیں ہو سکتی یا اشک کے مضمون کو شعرا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل — مست کب بند قبا باندھتے ہیں

پھول نشۂ رنگ سے مست ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کی واشد اور شگفتگی کا یہی سبب ہے مست بند قبا کب باندھتے ہیں۔

غلطیہائے مضامین مت پوچھ — لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہین

یعنی شعرا کے مضامین کی غلطیون کا کیا اظہار کیا جائے بس کچھ نہ پوچھئے نالہ جو کبھی رسا ہوتا ہی نہین اور جو حقیقتاً صفت معدوم ہے اس کو رسا باندھتے ہین۔ غلط ہی کا لفظ ہے جو فاعل اور مفعول دونون کے معانی پیدا کرتا ہے مگر ہندیون نے یائے مصدری کا لگانا بھی صحیح سمجھا ہے اس صورت مین جمع اسکی درست نہوگی مگر اکثر شعرا اور فصحا اس کو جایز رکھتے ہین۔

اہل تدبیر کی واماندگیان — آبلون پر بھی حنا باندھتے ہین

عقلا کی واماندگیان دیکھئے کہ اگر پاؤن مین چھالا پڑ جاتا ہے تو اُس پر حنا باندھتے ہین یعنی ایک تو چھالا ہی ایسی چیز ہے کہ چلنے نہین دیتا دوسرے اُس پر مہندی لگانا غلط در غلط ہے یعنی یہ مشہور اور ظاہر ہے کہ حنا لگا کر چل نہین سکتا۔ اس مین یہ بھی مفہوم ہے کہ اہل جنون کا علاج برعکس کرتے ہین اور اُن سے کچھ بن نہین پڑتا۔

سادہ پرکار ہین خوبان غالب — ہم سے پیمان وفا باندھتے ہین

معشوق ظاہر مین سادے ہین مگر در اصل بڑے ہوشیار ہین ہم سے بیوفائیان کرنے کے لئے پیمان وفا باندھتے ہین یا یہ کہ ہم کو ذرا تغیر لہجہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے (یعنی ہم سے اور پیمان وفا) کہ جو ان کی ہر ایک بات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہین۔ خوب کی جمع خوبان اب بغیر کسی ترکیب فارسی کے لکھنا بُرا ہے اور غیر فصیح ہے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد — وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

گویا اس شعر کا قایل کوئی دوسرا شخص ہے جو کہتا ہے کہ زمانہ اسد کی جان پر جو مصیبتین ڈال رہا ہے وہ اس کی آرزوؤن کو دیکھتے ہوئے کم ہے وگرنہ ہم کو تو اس سے بھی بہت زیادہ اس سے تکالیف پہونچنے کی اُمید تھی اور ہے۔ اس صورت

مین بجان اسد مضاف و مضاف الیہ ہین۔ اس مین (ب) کو قسمیہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ مگر اس حالت مین (بجان) اُردو کے لئے ایک غیر مانوس ترکیب ٹھہرے گی۔

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہون مین   خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہون مین

کاش مین پتھر ہوتا تو ہمیشہ تیرے دروازے پر پڑا رہتا یعنی تیرا سنگ آستان بنتا۔ ایسی زندگی پر خاک پڑے کہ مین پتھر نہیں ہون۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہمیشہ تیرے ہی در پر مین نہین پڑا رہتا ہون افسوس ہے اور ایسی زندگی پر لعنت ہے کہ پتھر نہیں ہون اور پتھر کی حالت ہوگئی ہے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پتھر کی طرح پڑا تو ضرور رہتا ہون لیکن تیرے در سے دور رہتا ہون مین پتھر نہیں ہون کہ یہ گوارا کرون۔

چوتھا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ اب مین تیرے دروازے پر پڑا رہتا نہیں ہون ایسی بے حیائی کی زندگی کس کام کی کہ لوگ مجھے آوازے کسین۔ اور طعنے دین اور مین برابر سنتا کرون مین آدمی ہون پتھر تو ہون نہیں۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ تیرے در پر مین ہمیشہ نہین پڑا رہتا ہون تو یہ غلط سمجھا ہے بلکہ میرا مطلب اس پڑے رہنے سے یہ ہے کہ جیسی زندگی مین گذارتا ہون باوجود اس کے کہ پتھر نہیں ہون۔ ہون آدمی مگر اس پہ خاک پڑ جائے تو اچھا۔

کیون گردش مدام سے گھبرا نجائے دل   انسان ہون پیالہ و ساغر نہیں ہون مین

اس گردش شبانہ روز سے میرا دل کیون گھبرا جائے آخر مین پیالہ و ساغر تو ہون نہیں جن کے لیئے گردش لازمی ہے انسان ہون یا یہ کہ اس پریشان کن زندگی سے دل کیون نہ گھبرائے۔ افسوس کہ مین انسان ہون پیالہ و ساغر نہیں ہون کاش وہی ہوتا۔

ہمارے شعرا کی کچھ ایسی عادت ہوگئی ہے کہ جبکہ طبیعت ثانیہ کہین تو کچھ بیجا نہین ہے کہ چند ایسے الفاظ جن کے معانی عام ہین مگر اُن کے مطالب کو محدود و خاص سمجھ لیا گیا ہے گویا انکا ذہن ایک قطب نما بن گیا ہے کہ کہنے والا کچھ کہے مگر انکا ذہن فوراً اُسی طرف کو منتقل ہو جائے گا۔ مثلاً پیالہ و ساغر جہان شاعر دیکھے گا اُس سے فوراً شراب کا ساغر و پیالہ۔ کل سے فردائے قیامت اور ازل۔ تیشہ سے تیشۂ فرہاد۔ چاہ سے چاہ کنعان۔ محمل سے محمل لیلےٰ وغیرہ وغیرہ مراد ہون گی اور فوراً انہین کا قیاس کیا جائے گا۔ اگرچہ کہنے والے بھی ایسے ہی ہین کہ وہ بھی جب کہتے ہین تو جو سمجھا جاتا ہے وہی اُن کا ارادہ بھی ہوتا ہے۔ مگر احیاناً قایل اور کچھ بھی کہے تب بھی سامع کو وہی خیال آئے گا۔ چنانچہ یہین خیال کیجئے کہ پیالہ و ساغر سے ایک سمجھنے والا غیر ذی روح اشیا کو قیاس کرے تو کیا غلط کرتا ہے۔ مگر نہین سب سے پہلے جو خیال آئے گا وہ یہ ہوگا کہ پیالہ و ساغر سے وہ ساغر مراد ہین جو دور شراب مین مستعمل ہین۔

یارب زمانہ مجکو مٹاتا ہے کس لئے لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

اے خدا زمانہ مجکو لوح جہان سے کیون مٹاتا ہے مین کوئی حرف مکرر نہین ہون جس کے مٹانے کی ضرورت پڑے۔ واضح ہو کہ مولانا نظم صاحب نے مکرر کے معنی غلط کے لکھے ہین حالانکہ مکرر کے معنی وہ لفظ ہے جو عبارت مین بہ تکرار لکھا جائے یا سہواً لکھا جائے۔ اور غلط وہ ہے جو بے ضرورت ہو۔ تو اگر بجائے غلط کے مکرر کہا جائے تو اس مین غلط کے معنی پیدا ہو سکتے ہین مگر غلط کہکر مکرر کے معنی مراد نہین لیے جا سکتے میری مراد یہ نہین ہے کہ مولانا اس لفظ کے معنی نہین جانتے بلکہ صرف بیان معانی مین ایک غلطی ہوئی ہے۔

مفہوم غالب صرف یہ ہے کہ اگر مین ایسا لفظ ہوتا جو غلطی سے مکرر لکھا گیا ہو تو اُس کے مٹانے کی ضرورت تھی۔ یا اُس لفظ کے مٹانے مین کچھ ہرج نہین ہے جو آیندہ عبارت مین کہین آئے اور اس کو اس وقت بے ضرورت سمجھا جاوے مگر یہ کچھ بھی نہین ہے اور پھر بھی مجکو مٹایا جاتا ہے آخر اس کا کیا سبب ہے بخلاف

اس کے اگر مکرر کے معنی غلط کے لئے جائیں تو صرف وہی معنی ہوتے ہیں اور کچھ نہیں
مگر غالب نے مکرر کے معنی غلط کے نہیں لیے ہیں۔

حد چاہیئے سزا مین عقوبت کیواسطے　　آخر گناہگار ہون کافر نہیں ہون مین

ہر گناہ کی سزا کی حد چاہیئے آخر مین گناہ گار ہون کافر نہیں ہون جسکی
سزا کی کوئی حد نہو اہل عجم کافر کی (ف) کو عموماً مفتوح نظم کرتے ہیں۔ اردو مین
بھی عموماً یہ لفظ بفتح فا مستعمل ہے۔ ذوق مرحوم کہتے ہیں ؎
اے ذوق دخت رز کو تو ہرگز نہ منہ لگا　　چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے　　لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہون مین

اس شعر کو نعتیہ بھی قیاس کر سکتے ہیں، گویا جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ آپ کو زر و گوہر سے نفرت ہے مگر مین تو وہ نہیں ہون
آپکا ایک غلام ہون پھر میرے عزیز نہ رکھنے کی کیا وجہ ہے۔
دوسرا پہلو یہ ہے کہ معشوق سے کہا گیا ہے کہ اگر تم زر و گوہر سے مستغنی ہو تو
مجھے کیون نہیں عزیز رکھتے مین تمھارا عاشق صادق ہون۔

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ　　رتبہ مین مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہون مین

اس مین بھی نعت اور معشوق سے خطاب دونون سے مراد ہو سکتی ہے۔
رسول اللہ سے عرض کیا ہو کہ تم آخر قدم میری آنکھون سے کیون دریغ رکھتے ہو کہ تمنے
شب معراج مین مہر و ماہ کو شرف قدم بوسی سے مشرف کیا ہے اور مین رتبہ مین اُن سے
کمتر نہیں ہون اس واسطے کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کی تمنا ہے۔

کرتے ہو مجکو منع قدمبوس کس لئے　　کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہون مین

یعنی شب معراج مین آپ نے آسمان کو قدم بوسی کا اعزاز بخشا تو مین
متمنی قدم بوسی ہون کیا رتبہ مین آسمان کی بھی برابر نہیں ہون حالانکہ اُس سے بھی بہت

زیادہ میرا رتبہ ہونا چاہیئے۔

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا — وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں مَیں

غالب ایک وہ دن تھے کہ ہر کس و ناکس سے تم مایوسی اور غم کے لہجہ میں کہتے تھے کہ مین نوکر نہیں ہوں مگر اب وہ زمانہ گزر گیا اب بجائے اُس کہنے کے شاہ عالم پناہ کو دعائیں دو جس نے تم کو اُس غم سے آزاد کیا اور تمھارا وظیفہ مقرر کیا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

نیرنگ فلک نے اتنی پیاری پیاری صورتیں خاک میں ملائی ہیں کہ جن کا حد حساب نہیں وہی صورتیں سب تو خیر کیا مگر ہاں کچھ لالہ و گل بن کر دنیا میں نمایاں ہوئی ہیں ہائے لالہ و گلُ کی خوبصورتی دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ صورتیں کیسی پیاری ہوں گی جو مٹ گئیں بہت ہی خوب شعر کہا ہے۔ ایک اسی قسم کا مضمون ہے جو خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے یہاں باندھا ہے فرماتے ہیں ؎

ای گل چہ آمدی ز زمین گو چگونہ اند — ان روئہا کہ در تہ گرد فنا شدند

مرزا رفیع السودا نے نئی صورت سے کہا ہے ؎

گئے جہان سے کیا کیا ستیزہ رُو تہ خاک — کہ گل عدم سے جو آیا بہت نگار آیا

ایک میرا شعر اسی قسم کا ہے ؎ ★

سنگ وصدف میں لعل و گہر بن کے رہ گئے — پژمردہ پھول اس چمن روزگار کے

یاد تھیں ہمکو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

اے محو بزم آرائی کبھی تیری طرح ہم کو بھی بزم آرائیوں کا شوق تھا اور رنگارنگ بزم آرائیاں کرتے تھے لیکن اب وہی بزم آرائیاں طاق نسیان کی زیب و زینت کا کام دے رہی ہیں یعنی اب وہ سب بھول گئے بہت ہی خوب شعر کہا گیا ہے — اس میں تقابل کی جو صورت دکھائی گئی ہے اُس کا جواب نہیں ہے۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردہ میں نہاں — شب کو اُنکے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

بنات النعش سات ستارے ہین جن مین سے چار ستارے جنازہ اور تین جنازہ کے اٹھانے والے ہین۔ کہتے ہین کہ بنات النعش دن کو آسمان کے پردہ مین نہان تہین مگر شب کو معلوم نہین کہ کیونکر بے پردہ ہوگیئن

واضح ہو کہ بنات النعش ابن النعش کی جمع ہے اس سے مراد یہ نہین ہے کہ اہل عرب اُن کو مونث مانتے ہین بلکہ وہ اس قسم کے الفاظ کی جمع یونہی بناتے ہین جیسے ابن المطر سے بنات المطر۔ مگر اہل فارس نے ایسے اکثر الفاظ کو قریب قریب مونث مانا ہے جیسے کہ بدرالدین چاچی کہتے ہین ؎

در سیاست گاہ قہرش بر فضائے کائنات — قطب لا دائم جنازہ بر سر دختر است

انھون نے لفظی ترجمہ مونث کا مونث کر دیا ہے اسی صورت سے اُن کو اپنی زبان مین لڑکیان نہین کہا ہے مگر ضمیر مونث لائے ہین جس سے پردہ ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہرا معشوق کا کوئی مطلب نہین معلوم ہوتا مگر دراصل مصنف نے ایک بات رکھی ہے گویا کہ یہ شعر اپنے معشوق کی طرف خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ بنات النعش بڑی پردہ دار تہین۔ دن کو منہ چھپاتے رہین مگر شب کو وقت آیا تو اپنا پردہ اٹھا دیا۔ تم ایسے ہو کہ شب وصل مین بہی مجھ سے شرماتے جاتے ہو۔ حالانکہ یہ کوئی محل نہین ہے۔ یا یہ کہ یہ ایک عاشقانہ چال ہے کہ معشوق سے کہتا ہے کہ دیکھو تم کہتے ہو کہ معشوقون کا کام عریان اور بے پردہ ہونے کا نہین ہے دیکھو بنات النعش دن مین کیسی چھپی ہوئی تہین آخر شب کو — اگر بے پردہ ہونے کا محل نہین تو وہ بے پردہ کیونکر ہوگیئن۔

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہوگیئن

اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہرا قید مین حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر نہین لی مگر جذب عشق یہ تہا کہ آنکھین دیوار زندان مین روزن ہوگیئن جس سے انکا چہرہ ہر وقت دیکھتے رہے یہ کمال جذب عشق کا نمونہ ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ آنکھین روزن کی طرح بے نور ہوگیئن۔

سب رقیبون سے ہین ناخوش پر زنان مصر سے — ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہوگیئن

دنیا بھر کے عاشقون کا قاعدہ یہ ہے کہ رقیبون سے ناخوش اور ناراض رہتے ہین مگر برعکس سب کے زلیخا اپنے رقیبون سے خوش ہے جنہین جمال یوسف علیہ السلام نے ایسا محو بنا دیا کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اس پر چاہئے تھا کہ زلیخا کے رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو مگر وہ خوش ہوئی کہ خیر اب یہ تو نہ کہین گی کہ ایک غلام زرخرید پر عاشق ہوئی۔

جوئے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق ۔۔۔ مین یہ سمجھونگا کہ دو شمعین فروزان ہوگئین

اپنے ناصحون اور دوستون سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ تم اشک خون بہانے سے مجکو منع نہ کرو یہ شب یلدائے فراق ہے اگر یونہی میری آنکھین اشک گرم خون بہاتی رہین گی تو کم از کم مین اُن سے یہ فائدہ اٹھاؤن گا کہ سمجھون گا یہ دو شمعین میرے سیہ خانۂ غم مین روشن ہو رہی ہین۔ ادب اُردو کے لیئے یہ شعر نہایت اچھا نمونہ ہے۔

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام ۔۔۔ قدرت حق سے اگر حورین یہی وان ہوگئین

اگر یہی پریزاد جنپر ہم عاشق ہین جنت مین حورین بن گئین تو ان کے ظلم وستم کا ان سے ہم خوب بدلا لین گے۔

یہان یہ بات قابل الذکر ہے کہ ہوگئین ضمیر مونث ہے جس سے مراد فرقۂ حسین اناث ہے۔ حالانکہ اردو فارسی مین جو شاعری کی بنا رکھی گئی ہے اس کی قرار داد تو یہ ہے کہ غزل مین نہ معشوق کو مذکر کہا جائے نہ مونث اور یہان مونث کہا گیا ہے جو خلاف ہے مگر اُردو شاعری کا کچھ ایسا رنگ بگڑا ہے کہ اس مین بمارسی کنگھی چوٹی کا ذکر موجود ہے اور مشہور شعرا کے دیوان اس سے بھرے پڑے ہین۔ یہ بالکل خلاف ہے اسیوجہ سے افصح الفصحا جناب داغ مرحوم نے جوبن کو پستان کے معنی مین استعمال کرنے سے احتراز فرمایا ہے۔

ہم یہ لکھ چکے ہین کہ ایرانی شعرا نے امردون کو اکثر جگہ اپنا معشوق قرار دیا ہے مگر دراصل انکی شاعری کا اصول یہی ہے کہ معشوق نہ مرد ہو نہ عورت اور جو اکثر جگہ امردون کا ذکر اُن کی شاعری مین آیا ہے وہ محض ایک وبائی ہوا تھی جس کا ہم ذکر کر چکے ہین۔

غالب مرحوم اگرچہ ایسی باتون سے اکثر محترز رہے ہین اور ان کی شاعری قریب قریب اس سے مُبرا ہے۔ مگر اس غزل مین ردیف کی مجبوری سے وہ یہ سب باتین لکھ گئے ہین جو اُن کے واسطے باعث ننگ ہے۔ چنانچہ دوسرے شعر سے بہی یہ پتہ چلتاہے۔

نیند اُسکی ہے دماغ اُسکا ہے راتین اُسکی ہین　　تیری زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

اُسی کو سونے مین مزا آتا ہے۔ اُسی کا دماغ دنیا کی بہترین خوشبوئین سونگھتا ہے اُسی کا دماغ صحیح ہے اُسی کا دماغ عرش اعلیٰ پر ہے اسی کی راتین آرام کے لئے ہین اور اُسی کی راتین راتین کہے جانے کی مستحق ہین جس کا ہم خواب تو ہے اور جس کے بازو پر سونے کی حالت مین تیری زلفین بکھری ہوئی ہین۔

واضح ہو کہ ہندوستان مین مردون کے ایسے گھنے اور لمبے بال بہت ہی کم ہوتے ہین جنھین بے تکلف زلفون کا خطاب دیدیا جائے اس سے صحیح پتہ بہی چلتا ہو کہ عورتین مراد ہین ۔ یا دوسرا فرقہ کشمیریون وغیرہ اور زنا نون ہجڑون کا ہے بہرحال ایسی اقوام اور ایسے لوگ کم ہین جنھین زلف رکھنے کا شوق ہو۔ یہ شعر کیسا ہی ہو مگر بہترین شعر ہے جس سے بہتر اس زمین مین نہین ہوسکتا۔

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا　　بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

چمن مین میرے جانے سے گویا مکتب کھل گیا جیسے ہی کہ مجکو دیکہا بلبلین نغمہ سنجی مین مشغول ہوگئین یا اس لیے کہ ان کو بحیثیت عاشقی کے ایک ہم جنس ملا اس کی اُن کو خوشی ہوئی۔ یا اس لیے کہ مین ایک دیوانہ تہا مجکو دیکہکر اُن سے بہی جوش خوشی کو روکا نہ گیا۔ یا یہ کہ مین ایسا فصیح البیان تہا کہ میری خوش بیانی سنکر بلبل نے بھی نغمہ سنجی شروع کردی اور یہ قاعدہ ہے کہ بلبل آواز خوش کو سنکر زمزمہ کرتی ہے ۔ حالی ؎

دید رنگ گلستان عشق اکنون بشگفت　　عندلیبان ہمہ یکجا گویند مضمون از ہست

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب دل کے پار　　جو مری کوتاہی قسمت سے مژگان ہوگئین

نگاہ کو لوگ تیر سے تلوار سے استعارہ کرتے اور تشبیہ دیتے ہین اور تیر یا تلوار کا زخم زبردست اور گہرا ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو غالب کہتا ہے کہ ایخدا اس کی نگاہین بمنزلہ تیغ یا تلوار کے تہین اور یہان تک اچھا تہا کہ اُن کے وار سے دل کے ٹکڑے ہو جاتے یا دل کے پار ہو جاتا اور اس صورت مین جلد تر میرا خاتمہ ہو جاتا۔ گر میری کوتاہی قسمت (بدقسمتی) یہ رنگ لائی کہ انکو میری جانب سے اتنا کوتاہ کیا کہ انہین تیر جیسی نگاہون کو مژگان بنادیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر وقت ایک کھٹک میرے دل مین رہتی ہے مگر اب بھی یہ حالت ہے کہ مین خیال کرتا ہون کہ وہ دل کے پار ہوئی جاتی ہین اور مین مرا جاتا ہون آخر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی ہین اور پھر بھی وہ تیر کا کام دے رہی ہین نگاہون کا مژگان ہو جانا ایک لطف رکھتا ہے۔

مولانا نظم لکھتے ہین کہ مژگان ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس قدر میری طرف سے اس کی نگاہین کوتاہ ہین گویا مژگان ہوگئین۔ مگر باوجود اس کوتاہی کے دل کے پار ہوئی جاتی ہین۔

یہی مطلب قریب قریب مولانا حسرت نے لیا ہے ؎

دلکو توڑا ابرؤن نے اور گلے کاٹے نہین نیچے کوتاہی قسمت سے نشتر ہوگئے

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین ابھرین پے بہ پے میری آہین بخیۂ چاک گریبان ہوگئین

بار بار میری آہون نے زور کیا اور ابھرنا چاہا۔ لیکن مین نے اُن کو ابھرنے نہ دیا اور ضبط سے کام لیا۔ اسی وجہ سے میری آہین میرے سینہ مین ایسی جیب بیدہ ہو کر رہ گئین جیسے رشتۂ بخیہ کہ بار بار ابھر کر بخیہ کی صورت مین منتقل ہو جاتا ہے میرے نزدیک آہون کا ابھرنا اور رشتۂ بخیہ سے جو بار بار ابھرتا ہے تشبیہ دیکر بخیہ کی صورت مین منتقل ہونا ایک تشبیہ بدیع اور نیا مضمون ہے جس کا حاصل یہ ٹھہرتا ہے کہ ضبط کی وجہ سے مین نے اپنی مجنونانہ حالت کو اچھی حالت مین منتقل کیا۔ یعنی ضبط کیا کہ آہین سینہ مین رہین اور اسی ضبط سے یہ نتیجہ نکالا کہ چاک گریبان کو بخیہ کیا۔ چاک گریبان سینہ پر ہوتا ہے اور آہ کا مقام بھی سینہ

ادعاے شاعرانہ سینہ قرار دیا آہ کے ضبط سے اُدہر بخیہ ہوئی اور اُدہر چاک گریبان مین بخیہ ہوگئی ایک لطیف نکتہ اس مین یہ بہی پیدا ہوگیا ہے کہ چاک گریبان (جس سے غلطی سے صرف گریبان ہی مراد لیا جاتا ہے-) پیراہن کے لئے ضروری اور اُس کاسی دینا ایک حرکت مجنونانہ ہے جس سے یہ حاصل نکلا کہ آہون کو بمقتضاے ضبط مین سنے روکا مگر اُس سے بہی جنون کو ترقی ہوئی- غالبًا یہ شعر بلاغت کا ایک بے مثل نمونہ ہے جس مین تعوید کنجکو تو کئی لطیف معانی پیدا ہوتے ہین مگر مولانا نظم انصاف کی گردن پر کند چہری پھیر کر فرماتے ہین-
اس شعر مین بار بار آہ کے اُبہرنے کو اور بار بار ضبط کرنے کو رشتہ بخیہ کی حرکت سے تشبیہ دی ہے یعنی متحرک کی متحرک سے تشبیہ ہے اور وجہ شبہ حرکت ہے لیکن آہ کے لیے ایسی حرکت محض ادعاے شاعرانہ ہے اس سبب سے یہ تشبیہ ویسی بدیع نہین ہے جیسے اور شعر تشبیہ متحرک کے گذر چکے ہین -اور باعتبار مضمون کے شعر بے معنی ہے فارسی واردو کے شعرا آنکہ بند کرکے ایسے مضمون کہا کرتے ہین یہان بخیہ اور سینہ مین جو ضلع بول گئے ہین لطف سے خالی نہین ہے-

دان گیا بھی میں تو انکی گالیوں کا کیا جواب یاد تہین جتنی دعایئں صرف درباں ہوگیئں

دان بروزن رفع- متروک ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مین بزم مین پہونچ بہی گیا تو آخر اس کی گالیون کا کیا جواب دونگا- کیونکہ جس قدر دعایئن اسکی گالیان کہاکراُن کے مقابلہ مین اس کو دینے کے لئے لایا تہا وہ سب دربان کو دے چکا کہ اُسنے مجہے بزم مین جانے کی اجازت دی- یا اجازت لینے کے لئے اس کو اتنی دعایئن دینی پڑیین کہ اب کوئی دعا یاد نہین رہی-
ہمارے شعرا کی عادت ہوگئی ہے کہ سنگدلی کے جتنے الفاظ ہین وہ سب معشوق کے لیے صرف کیے جاتے ہین -اور جتنے دنیابہر کے عیب ہوتے ہین وہ سب کا مرتکب عاشق کو قرار دیتے ہین جیسے کہ ایک جگہ سید انشا فرماتے ہین سہ

سو خیال کیجیے کیا آج کام مین نے کیا ہے جب اُسنے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا ہم ہی سجث پر اور کچھ لکھنا قریب قریب بیکار سمجھتے ہین مگر اتنا ضرور عرض کرین گے کہ ایسے بے تہذیب اولا دشرا معشوق سے پرہیز واجب ہے۔

جان فزا ہی بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا — سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہوگئین

جس کے ہاتھ مین جام شراب آگیا - وہ اُس کے لیے جانفزا ہے اُس کے ہاتھ کی لکیرین گویا رگ جان ہوگئین اور ظاہر ہے کہ رگ جان سے حیات مستعار وابستہ ہے - بقول مولانا نظم اگو یا کا لفظ اس شعر کی جان ہے جو مبالغہ کو حد سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ مبالغہ حد سے گذر جانے پر خلاف فصاحت ہوجاتا ہے۔

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم — ملتین جب مٹ گئین اجزائے ایمان ہوگئین

ہم توحید کے قائل ہین اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم سب رسوم وغیرہ اور تمام ملتوں کو ترک کرکے اوسی ایک کی طرف متوجہ ہوجائین جیسے جیسے ملتون کو مٹاتے جائین گے وہ ہمارے ایمان کے اجزا بنتی جائینگی - یعنی ہماری قوت ایمان کو ترقی ہوتی ہو جائیگی - ملتون سے مراد وہ دیگر ملل جن سے تفرقہ پڑے - یعنی رسوم و قیود کو جسقدر مٹا ئینگے اوسی قدر ہمارے مسلک کو تقویت پہونچتی جائیگی اور توحید کو زور ہوگا - واحد وہ ہے - جو جہات طول عرض عمق - تغیر وغیرہ سب سے مبرا و منزہ ہو یعنی ہم کہتے ہین کہ خدا کوئی سمت کوئی جہت کوئی طول کوئی عرض کوئی تغیر نہیں رکھتا مرئی نہین غیر مرئی نہیں غرض جسقدر یہ دیگر ملل مٹیں گے اوسیقدر واحد کی صفت پر روشنی پڑیگی۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہی رنج — مشکلین مجھ پر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

جب انسان کو رنج و غسم کی عادت ہوجاتی ہی تو رنج مٹ جاتا ہے - گویا العادت کالطبیعۃ الثانیہ - اسی طرح دیکھ لیجیے کہ مجھپر اتنی مشکل پڑین کہ اب وہ مشکلین مشکلین نہین رہین آسان ہوگئین -

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان … دیکھنا ان بستیونکو تم کہ ویران ہو گئین

یہ شعر بہت ہی بلیغ ہی جس مین متفرق معانی نکلتے ہین - یعنی اگر غالب اسیطرح روتا رہا تو یہ بستیان ویران ہو جائین گی - سیلاب اشک سے - یا رونے کی تاثیر سے - یا یہ کہ سننے والون سے میرے نالے نہ سنے جائین گے اور سب بستی اور مکانون کو چھوڑ کر چلے جائین گے - یا یہ کہ سہ در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را - کا مضمون ہوگا -

اس شعر کا لفظ لفظ قابل داد ہے - یون ہی گر روتا رہا - یعنی جیسے زور سے اب روتا ہے - اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ اول تو امید نہین ہے کہ اس طرح آدمی کچھ زمانہ تک رو سکے - یا یہ کہ اس طرح اس کو کون رونے دے گا یہان سے اس کو نکالدین گے یا یہ کہ ان نالون کے سننے کے لئے پتھر کا دل فولاد کا کلیجہ چاہیے اون سے یہ کب برداشت ہونگے وہ آپ اگر مناسبین گے - یا یہ کہ یونہی گر روتا رہا - یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا - یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوسکی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر - اگر یونہی روتا رہا یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا - یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوس کی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر - اگر یونہی روتا رہا جیسے کہ تم نے اُسکو اجازت دی ہے - ایسے ہی اہل جہان سے مراد صرف جہان دنیا ہی نہین ہے بلکہ عالم بالا بھی کہا جا سکتا ہے یعنی اے ساکنان عالم بالا اسی صورت سے ان بستیون مین جو اسم اشارہ (ان) صرف کیا گیا ہے وہ بہت بلیغ ہے ان بستیون سے صرف یہی بستیان مراد نہین ہین جہان غالب ہے بلکہ وہ تمام دنیا کی بستیون کو کہتا ہے - اور بتاتا ہے کہ دنیا مین جو تم یہ بستیان آج دیکھتے ہو - یہ ویران ہو جائیگی ویران مین بھی ایک خاص بات ہے کہ اُس جگہ کو کہتے ہین جہان پہلے آبادی ہو - اسیطرح دیکھنا ان بستیون کو تم - یعنی ہم تو کہان ہونگے - یا ان بستیون کے لوگ تو کہان ہونگے تم دیکھنا -

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین … یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

کہتا ہے کہ بت پرستی نے ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ بنادیا ہے کہ مین نے تمام

گریبان کو چاک کردیا اور اب ایک تار بھی گریبان مین باقی نہین رہا۔ جس سے لوگون کو زنار کا دہوکہ ہو اور مذہب بُت پرستی میں مجھے شامل سمجھین۔

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے　　دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

ہم نے اپنے دل کو تمنائے دیدار مین مٹا دیا۔ مگر اب دیکھتے ہین تو ہم مین اتنی بھی طاقت باقی نہین ہی کہ اُس کو دیکھ سکین دیکھا صیغہ ماضی کے معنے تبھی دیتا ہے: اور یہ بھی کہ خیال جو کیا۔

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہی　　دشوار تو یہی ہی کہ دشوار بھی نہین

اگر تیرا ملنا سہل نہین ہی تو دشوار ہونا چاہیے۔ اور دشوار کی یہ صفت ہے کہ وہ ممکن الوقوع ہو۔ مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ تیرا ملنا دشوار نہین بلکہ ناممکن الوقوع ہے۔ گویا تو ہمکو کسی صورت سے نہیں مل سکتا یا یہ کہ اگر تیرا ملنا آسان نہیں یعنی دشوار ہے تو یہ تو ایک آسان بات ہے ہم صبر کر سکتے ہین اور دل کو سمجھا بجھا سکتے ہین مگر مشکل یہ ہے کہ تو غیر سے ملتا ہے اوسکے واسطے تیرا ملنا دشوار نہین ہے اسواسطے ہمکو صبر بھی نہین آتا۔

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہی اور یہان　　طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

ہمسے بغیر عشق کیے رہا نہین جاتا۔ یا عشق کسی شے کا ضروری ہوتا ہے اور آزار خاصۂ عشق ہے مگر ہم مین لذت آزار اوٹھانیکی طاقت نہیں اور عمر بغیر اس کے گذر نہین سکتی سخت مصیبت ہے۔

شوریدگی کے ہاتھ سے ہی سر وبال دوش　　صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

جنون کا جوش ہے اور اپنا سر مجھے بار معلوم ہوتا ہے۔ اے خدا کیا کرون کہان جاؤن کیا علاج کرون کوئی دیوار بھی صحرا مین موجود نہین ہے کہ اپنا سر پھوڑ لینا اور اس بار غم سے نجات حاصل کرتا۔ ایک جگہ کہتے ہین۔

کہا تُنک رو وُن اوسکے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے　　مری قسمت مین یار ب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

گنجایش عداوت اغیار اک طرف　　یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین

دشمنون کی عداوت کی گنجایش کا تو خیر ذکر ہی فضول ہے۔ یان دل اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ اب ہوس یار بھی اوس مین باقی نہین مصرع ثانی نہایت بلیغ ہے۔ اس سے یہ مراد نہین ہے کہ یار کی محبت اب باقی نہین رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ۔ اب دل سے آرزوے وصال برداشت نہین ہو سکتی۔ اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ میرے دل مین سما نہیں سکتی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی عاجز ہوتا ہے تو ہر وقت چاہتا ہے کہ میری آرزو کسی صورت سے پوری ہو جائے

ڈرنالہائے زار سے میرے خدا کو مان　　آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہین

میری رات دن کی گریہ وزاری سے ڈر۔ خدا کا خوف کر میرے نالے کچھ مرغ گرفتار کی آواز نہین ہین کہ اون کا اثر ہی نہو۔ نہین اون کا اثر ہونا بہت ممکن ہے۔

دلمین ہی یار کی صف مژگان سے روکشی　　حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہین

حالانکہ اب میرا دل اسقدر ضعیف ہو گیا ہے کہ اسمین ایک خلش خار کی بھی طاقت نہین ہے اور اسکے صدمہ اور دکھ کو بھی یہ برداشت نہین کر سکتا۔ مگر مژگان یار سے اوسی صورت سے مقابلہ کے لیے تیار ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا　　لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

ایسی سادگی پر اور اس بچپنے پر کون نہ مر جائے کہ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہیں تو اس صورت مین گویا یہ سادگی بجائے تلوار کے ہے۔

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا　　دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہیں

ہم نے اسد کو ظاہر و باطن مین بہت سی مرتبہ دیکھا ہے تم جو کہتے ہو کہ وہ دیوانہ

نہین ہے تو اگر وہ دیوانہ نہین ہے تو کچھ ہوشیار بھی نہین ہے -

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن مین — ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن مین

چونکہ کوئی زخم میرے جسم کا ایسا نہین ہے جسمین ٹانکے دیئے جاسکین اسواسطے بخیہ گر کی سوئی میرے حال پر روتی ہے - اور ناامیدی کے آنسوؤن کا تار اوس کی آنکھ مین رشتہ بن گیا ہے - چونکہ متواتر روتی ہے اسواسطے آنسوؤن کا تار بنا - اور اسکو رشتہ کہا گیا -

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی — کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن مین

مین اسقدر رویا کہ میرے آنسوؤن کے سیلاب نے میرے گھر کو تباہ کر دیا اور اب روزن مین کفِ سیلاب روئی کی طرح موجود ہے جس سے لذت تماشا و سیر بھی باقی نہین رہی ہے -

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوشہائے مژگان ہون — نگین نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خون تن مین

میرے ہر قطرۂ خون پر معشوق کا نام کھدا ہوا ہے - اور یہ بیداد کاوشہائے مژگان نے کھودا ہے اسی لئے اب میرا جسم جسم نہیں ہے بلکہ بیداد کاوشہائے مژگان کا امانت خانہ بن گیا ہے - دیکھئے اسی مضمون کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ایک جگہ پہلے ادا کیا ہے فرماتے ہین سہ

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب — خونِ جگر امانتِ مژگانِ یار تھا

بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی — شبِ مہ ہو جو رکھدے پنبہ دیوارون کے روزن مین

میرے سیہ خانہ کی ظلمت کا حال کس سے بیان ہو سکتا ہے یہ لت ہے کہ اگر اس کی دیوارون کے روزن مین پنبہ رکھدے تو اُس سے بھی چاندنی پھیل جائے یعنی اگرچہ وہ ایسا سامان ہے جس سے تاریکی بڑھ جانے کا احتمال ہے مگر ظلمت کی حد یہ ہے کہ اوس ایک ادنی سی سپیدی سے بھی ماہ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے یہی مضمون ہے -

ہ کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن مین نہین

نکوہش مانع بیربطی شور جنون آئی ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین

میرے احباب جو وحشت مین مجھے ملامت کرتے ہین اوس سے میرے شور جنون کی بیربطی جاتی رہی ہے اور گویا اون کا ہنسنا یعنی خندۂ دندان نما میرے جیب و گریبان کے لیے بخیہ کا کام دے رہا ہے -

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے پرافشان جوہر آئینہ مثل ذرّہ روزن مین

اُس مہروش کے عکس کے سامنے جوہر آئینہ اسطرح سے پرافشان ہوئے اور اڑنے لگے جیسے کہ ذرے آفتاب کی شعاع سے روزن مین اڑنے لگتے ہین -

نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے جو گُل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین

مین یہ تو نہین کہہ سکتا کہ مین اچھا ہون یا بُرا ہون مگر یہ ضرور جانتا ہون کہ جیسا مین ہون ویسی صحبت مجھے میسر نہین ہے اگر مین گل ہون تو اس صحبت کو جو مجھے حاصل ہے مین گلخن سمجھتا ہون - اور اگر خس ہون تو گویا گلشن میں ہوں جو اسکی جگہ نہین بہرحال صحبت میرے حسب حال نہین ہے -

گلخن و گلشن کے ایسے ہی مضمون مختلف طریقون سے مصنف نے کئی جگہ لکھے ہین - جو گذر چکے -

ہزارون دل دیئے جوش جنون عشق نے مجھکو سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

سودائے جنوں کی وہ زیادتی ہوئی کہ میرا ہر قطرۂ خون تن مین سویدا بن گیا - اور اس صورت سے گویا مجھے سیکڑون دل مل گئے گویا جسقدر قطرۂ خوں میرے جسم میں ہیں وہ سب دل ہین - اور ہر دل میں سودائے جنون بھرا ہے اور ہر دل مین معشوق کی یاد ہے یہ شعر بیت الغزل ہے -

اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خوبان ہون — خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

اے اسد مین معشوقون کی تاثیر الفت کا اسیر ہون اونکا ہاتھ جو میری گردن مین مہربانی سے پڑا ہے وہ میری گردن کے لئے طوق بن گیا ہے۔ تاثیر الفت کا لفظ خصوصًا قابل داد ہے جس سے خم دست نوازش کو طوق بنالیا گیا ہے۔

مزے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہیں — سوائے خون جگر سو جگر مین خاک نہیں

دنیا کے انواع و اقسام کے کھانوں میں ہمین کچھ لذت نہین آتی سوائے جگر کے خون کے کوئی شے ہمکو مرغوب نہین ہے اور حال یہ ہے کہ جگر مین اب کچھ باقی نہین رہا۔ (سو ا)ب قریب قریب متروک ہو گیا ہے۔

مگر غبار ہوے پر ہوا اڑا لیجائے — وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

مگر بمعنی شاید۔ یعنی ہمارے بال و پر مین تو طاقت باقی نہین رہی ہے کہ اڑکر گلستان یعنی کوچۂ دلدار تک پہونچین شاید مرنے پر ہماری خاک کو ہوا اڑا کر وہان لیجائے۔

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے — کہ غیر جلوۂ گل رہگزر مین خاک نہین

یہ کون بہشت شمایل آج سیر باغ کے لئے آتا ہے کہ سوا سے پھولون کے رہگذر میں اور کچھ نظر نہیں آتا۔

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

اگر اُسے میرے اوپر رحم نہ آیا تھا تو کچھ مجھی کو اپنے حال زار پر ترس آتا کہ اس کے عشق سے باز آتا اور اس گریہ و زاری سے ہاتھ اُٹھاتا۔ مگر یہان یہ بھی نہیں ہے۔ نہ وہ مانتا ہے نہ دل مانتا ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ نفس کو بے اثر کہکر پھر کہنا کہ اثر نہین اس کی تاویل باعتبار معنی کے مشکل ہے۔ محاورہ مین ٹھیک ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی تقریر بھی غالب سے کم نہین کہ غلط بھی فرمایا ہے اور پھر درست بھی کہا ہے حالانکہ غالب نے تو صرف

یہی کہا ہے کہ میرے نفس میں اثر نہیں بے اثر ہے۔

خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش — شراب خانے کی دیوار و در میں خاک نہیں

شراب خانہ کی شراب میکش سب ختم کر چکے اور اب وہاں خاک بھی باقی نہیں ہے مگر نشہ کی ترنگ میں آنکھوں میں سرسوں پھولی ہوئی ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فصل بہار آ رہی ہے اور اس کا خیال کہ اس موسم میں بغیر شراب کے کیونکر گذارہ ہوگا۔ اون کو خراب کئے ہوئے ہے اور حال یہ ہے کہ میخانہ میں کچھ باقی نہیں ہے وہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔

یا لوگ سمجھتے ہونگے کہ میخانہ کو دیکھکر میکش مست ہیں یہ خیال غلط ہے میخانہ میں تو نقش و نگار کجا دیوار و در میں جان بھی باقی نہیں ہے۔ اُس سے کیا مست ہونگے مگر جلوۂ گل کے خیال نے اُن کو مست کر رکھا ہے۔

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

عشق کی لوٹ مار اور دستبرد سے میں بہت ہی محجوب ہوں کیونکہ گھر میں سوا اسکے حسرتِ تعمیر کے کچھ نہیں کہ وہ اُسے خراب کرے خاک نہیں اسجگہ ایک خاص لطف رکھتا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ے گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا — وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ — کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

ہمارے شعر کیا ہیں ایک دلگی ہیں۔ بس زمانہ کی ناقدری سے معلوم ہوگیا کہ ہنر کے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ غالباً یہ غزل اُس زمانہ کی کہی ہوئی ہے جب مشکل پسندی کے سبب سے لوگوں نے غالب پر بے معنی اور مہمل گوئی کا الزام لگایا تھا۔ اور بعض ظرافت مآبوں نے یہ قطعہ کہکر عین مشاعرہ میں غالب کے سامنے پڑھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں مگر ایک شعر لکھتا ہوں۔

س　کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے　　مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مگر غالب مرحوم نے اگرچہ اپنا رنگ شاعری تبدیل کر دیا پھر بھی سبکو یہ جواب دیکر ٹال دیا تھا۔

س　نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا　　گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

یا س　مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سن سن کے اُسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں　　روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

اس زمین میں دیگر شعرا نے بھی غزلیں کہی ہیں مگر سچ یہ ہے کہ جیسے غالب کے اشعار ہیں ان کی گرد کو بھی دوسری غزلیں نہیں پہونچیں یہی ایک مطلع ہے جسپر دیوان کے دیوان صدقے کئے جا سکتے ہیں۔

گویا معشوق عاشق کے رونے سے تنگ آکر جبر و تعدی کے ساتھ اس کو رونے سے باز رکھنا چاہتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ آخر اس رونے کا کوئی سبب بھی ہے اور عاشق کہتا ہو کہ ہم بھی اپنے سینہ میں دل رکھتے ہیں کوئی پتھر نہیں ہو جو تم یوں ستاؤ اور وہ بھر نہ آئے۔ ہم تو ہزار بار روئیں گے کوئی کیوں ہمارا دل دکھائے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی مجبور و بیکس ہو کر زبان کھولتا ہو تو ظالم کو قابل خطاب نہیں سمجھتا۔ اور بار بار یہی کہتا ہے کہ کوئی کیوں ایسا کرے۔ کوئی کیوں ہم سے بولے۔ کوئی ہمیں کیوں ستائے۔ اور یہ خطاب سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں　　بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

اردو کی شاعری ایسے ایسے اشعار پر جسقدر بھی ناز کرے کم ہو واقعی اگر چاہیں تو اسکے نکات بیان کرنا دشوار ہے دیکھئے شاعر کہتا ہے۔ کہ تو ہمکو مسلمان سمجھے تو دیر سے نکلوا سکتا ہے۔ کافر اور رند مشرب کہکر کعبہ میں ہمکو نہ جانے دے۔ تجھکو ہمسے نفرت ہے اپنے در پر نہ بیٹھنے دے ہماری پیشانی تیرے سجدے کے قابل نہیں ہے تو اسے اپنے آستان پر نہ آنے دے یا یہ کہ ان سب جگہوں سے تو نے مجھکو نکلوا دیا تو اب جب میرا کوئی دنیا میں ٹھکانا باقی نہیں رہا ہے میں سر راہ آکر بیٹھا ہوں۔ مگر غیر مجھکو یہاں سے بھی اُٹھا دینا چاہتا ہے

آخر کیون۔ دیکھئے اسمین مصنف نے بجائے کسی دوسرے لفظ کے رہگذر پسند کیا جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ تباہ ہوکر بھی ہماری تمنائے دیدار نہ گئی۔ گھر اجاڑ کر بیٹھے بھی تو رہگذر پر بیٹھے جہان سے معشوق کا گذر بھی ممکن ہے۔ اور وہ اسقدر بیوفا ہے کہ ان سب جگہون سے نکلوا کر بھی اسکو چین نہ آیا۔ اور اتنک ویسا ہی دشمن ہے کہ غیر کے ہاتھون مجھے رہگذر سے بھی اٹھوتا ہے بندش وغیرہ سپت ہونے کے سوائے شعر مین بڑی خوبی ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بیکس نہایت عاجزانہ بگر زور کے لہجہ مین ایک بردست سے کچھ کہہ رہا ہے یا کسی سے اپنا انصاف چاہتا ہے۔

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ مین منہ چھپائے کیون

جب اوسکا جمال آفتاب نصف النہار کی طرح ہے جسکے دیکھنے کی بینائی مین طاقت نہین پھر آخر یہ پردہ مین منہ چھپاتے سے اوسے کیا فائدہ ہے۔ یا یہ کہ جب اسکو کوئی دیکھ ہی نہین سکتا تو اسکا بے پردہ ہونا برا نہین ہے۔

مولانا نظم فرماتے ہین جیسے وہ پردہ مین چھپا ہوا نہین ہے بلکہ آشکارا ہے اور اسکے کثرت ظہور سے فکر و نظر اوسکا احاطہ نہین کر سکتی جس طرح آفتاب کی کثرت نور سے نگاہ قاصر ہے۔

دشنۂ غمزہ جانستان ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

تیرے غمزہ اور ناز کے تیر و خنجر جانستان اور بے پناہ ہین تیرے سامنے ہرگز کسی کو آنا چاہئے اگرچہ وہ تیرا عکس ہی کیون نہو۔ ممکن ہے کہ وہ بھی زخم کھا جائے نکتہ یہ ہے کہ تیرا عشق ایسی شئے نہین ہے کہ جو آدمی ہی تک محدود ہو بلکہ ہر چیز پر خواہ وہ مادی ہو یا نہو سب پر اثر کر سکتا ہے۔

مولانا نظم صاحب سکی شرح مین فرماتے ہین سبب یہ ہے کہ تیرے سامنے بھی کسی کا آنا اچھا نہین کوئی غیر آیا تو مارا پڑا خود عکس تیرا اگر آئینہ مین بھی دشنہ و ناوک لئے ہوئے تیرے سامنے آیا تو تیرا کیا حال ہوگا۔

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حیات اور غم در اصل جدا جدا نہین ہین بلکہ یہ دونون ایک ہی شئے ہین لہذا جب تک

آدمی کی حیات ہے غم بھی موجود ہو اور جب یہ نہ ہوگی غم بھی نہ ہوگا - قید اور بند کا تقابل خوب ہے
قابل داد ہے -

حسن اور اسپہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم　　اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

میرے معشوق میں جیسا حسن ہو ویسا ہی حسن ظن بھی ہو اسکو اپنے حسن عفت پر اعتماد ہے اسی سے غیر کی جو بوالہوس ہے شرم رہ گئی - یعنی رقیب نے اظہار عشق کیا تو اسے بغیر امتحان یقین آگیا اور آزمانے کی ضرورت نہ سمجھی - کیونکہ اسکو حسن پر ناز تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ ایسا کون ہے جو مجھے عاشقانہ نظر سے نہ دیکھے گا دوسرے یہ کہ اُسنے رقیب کو دخل دیا اور عاشق بنایا - یہ دونوں باتیں اوسی حسن ظن کی بدولت عمل میں آئیں جو اُس کو اپنے حسن وعفت پر تھا - اگر اسکو خود پر بھروسہ اور حسن پر حسن ظن نہوتا تو وہ بوالہوس کے عشق اور نیت کی آزمائش ضرور کرتا -

واں وہ غرورِ عز و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع　　راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

اسمیں لف ونشر غیر مرتب ہو - یعنی اسکو غرور و ناز ہی اسواسطے وہ ہمکو بلاتا نہیں اور ہم کو اپنی وضع کا پاس اور حجاب وعزت مانع آتی ہی اسواسطے ہم وہاں جا نہیں سکتے نہ کہیں پاس وضع اور حجاب کی وجہ سے ہم بازار وغیرہ میں نکلتے ہیں کہ وہ ہمکو راستہ میں ملجائے -

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی　　جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اسمیں یہ تصویر کھینچی گئی ہو - کہ لوگ ایک عاشق دلدادہ کو سمجھا رہے ہیں کہ کمبخت ایک بے وفا کے عشق میں تو اپنا دین و دل کھو بیٹھا - اب بھی باز آ - تو معشوق کی برائی سن کر عاشق کو تاب باقی نہیں رہی اور وہ بگڑ کر جواب دیتا ہے کہ اچھا جانیے وہ بیوفا ہی سہی جسکو اپنا دین و دل عزیز ہو وہ کیوں اسکی گلی میں جائے کوئی وہ کسی کو بلانے تو آتا نہیں ہے

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں　　روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

غالب اگر مرگیا تو مرجانے دیجئے اوسکے بغیر کون سے کام بند ہیں وہ اگر زندہ تھا

تو کون سے کام کرتا تھا اور اب نہین ہے تو کیا بگڑ گیا۔

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یون
بوسہ کو پوچھتا ہون مین منہ سے مجھے بتا کہ یون

میرا یہ سوال ہے کہ بوسہ کیونکر لیتے ہین تو اسکے جواب مین تجھے بوسہ لیکر منہ سے بتانا چاہئے غنچہ دور سے کیون دکھاتا ہے کہ بوسہ لینے کی صورت ہے۔
دوسرے معنے یہ ہین کہ مین نے تم سے بوسہ لینے کی صورت دریافت کی ہے تو اسپر خاموش کیون کھڑے ہوئے ہو یعنی خموشی دہن کو غنچہ ناشگفتہ کہا گیا ہے۔

پرسشِ طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے
اسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون

مین اس سے یہ فضول سوال کیون کرون کہ تم دل کیونکر لیتے ہو۔ جب مین دیکھتا ہون کہ اسکے ہر ایک اشارہ سے اس ادا کا اظہار ہوتا ہے اور ہر ایک اشارہ بزبان حال یہ جواب دے رہا ہے کہ دیکھ دل یون لیتے ہین۔

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یان خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یون

میرے نزدیک شعر مین لف ونشر مرتب ہے یعنی رات کے وقت خدا کرے کہ مے پیئے ہوئے وہ یہان آئے مگر خدا نہ کرے کہ رقیب کو ساتھ لئے ہوئے یہان آئے۔
مولانا نظم اس شعر کے یہ معنے لکھکر کہ خدا کرے وہ آئے لیکن خدا نہ کرے کہ یون آئے کہ رات کے وقت مے پیئے الخ

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

مین نے جو اس سے پوچھا کہ غیر سے رات کیا بنی تو وہ میرے سامنے آ بیٹھا۔ اور بتایا کہ یون ہم اور وہ بالمقابل بیٹھے رہے اور لطف صحبت اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ اس سوال کے سنتے ہی غصہ سے وہ میرے سامنے آن بیٹھا اور کہا کہ اب ہم آپ کے پاس آ گئے ہین تو آپ یون چھیڑ نکالین گے اور یون ہمین ستائینگے یون گستاخی کرینگے۔ آن بیٹھنا اب بھی اگرچہ مستعمل ہے مگر اکثر فصحا نے ترک کردیا۔

بزم مین اُسکے روبرو کیون نہ خموش بیٹھئے　　اسکی تو خامشی مین بھی نکلے ہی یہ اداکہ یون

ہم اسکے سامنے محفل مین خاموش کیون نہ بیٹھے رہین اوسکے چپ رہنے کا یہی منشاء ہے کہ تو بھی یون ہی خاموش بیٹھا رہ

مینے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی　　سنکے ستم ظریف نے مجھکو اُٹھا دیا کہ یون

اسمین ستم ظریفی کا نقشہ علی وجہ الکمال کھینچا گیا ہی کہ ہمنے جو اس سے یہ کہا کہ بزم ناز مین غیر کا دخل نہ ہونا چاہئے تو اس نے مجھے بزم سے اٹھا دیا کہ اسطرح - اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ گو خاطر سے اُسنے مجھکو بزم مین بٹھا رکھا تھا - مگر دلمین غیر ہی سمجھا تھا جسکا اُس نے اس فعل سے ظہور ہوا -

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کسطرح　　دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

. مجھ سے جو یار نے کہا کہ ہوش کسطرح اُڑ جاتے ہین تو میری بے خودی دیکھ کر ہوا چلنے لگی کہ اسطرح ہوش اڑ جاتے ہین - نکتہ یہ ہے کہ میری ہر شئے دشمن ہے - اُسکے سوال کا جواب دینے کی مجھے نوبت بھی نہ آئی ہوا نے پہلے سے جواب دیدیا - یا یہ کہ ہر ایک شئے میرے درد دل سے واقف ہے اور ہر شئے میری حالت پر گواہ ہے - یا یہ کہ اُسکی ہر چیز مطیع ہے اور اُسکے سوال کے جواب کے لئے تیار رہے -

کب مجھے کوے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی　　آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون

مین یہ نہ جانتا تھا کہ کوئے یار مین کیونکر رہنا چاہئے - نقش قدم نے مجھ کو بتایا کہ اسطرح سے حیران اور بیکسی کیحالت مین پڑا رہنا چاہئے -

گر ترے دلمین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال　　موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شاید تیرے دل مین یہ خیال ہوگا کہ وصل مین شوق کا زوال ہو جاتا ہے - تو اسی سے جواب دینے کے لئے موج دریا اپنے سر کو ٹپک رہی ہی کہ کیا یونہی زوال شوق ہو جاتا ہی

یعنی عاشق کو اگر معشوق سے وصال نصیب بھی ہو جاتا ہے تو اضطراب کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے جیسے کہ قطرے جب دریا سے نہ ملے تھے انکو سکون تھا اب دریا سے ملنے پر ان کی یہ صورت ہوئی کہ بصورت امواج تبدیل ہو کر وہی سر ٹپک رہے ہیں اور بزبان حال کہتے ہیں کہ کیا یونہی زوال شوق ہوتا ہے مولانا نظم اسکی شرح یون فرماتے ہیں۔ کہ اگر تجھے خیال ہو کہ مبدء حقیقی تک پہونچکر کیونکر زوال شوق ہو جائیگا اور کس طرح اتحاد پیدا ہوگا تو موج محیط کو دیکھ وہ بتا رہی ہے کہ اسطرح دست و پا مار رہے ہیں مارتے آخر اتحاد ہو جاتا ہے جو کہ مرتبہ اطمینان و سکون کا ہے۔

مولانا حسرت تحریر فرماتے ہیں ہو وصل سے شوق کم ہو جاتا ہے دیکھ کہ موج بحر بھی بزبان حال کہہ رہی ہے موج کی حرکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصل بحر سے علیحدہ ہو کر کنارے پر پہونچنے کے لئے دست و پا مار رہی ہے غور فرمائیے اور جو معنے صحیح معلوم ہون انھین پر عمل کیجئے (مارے ہے) فی زمانہ متروک مارتی ہے مارتا ہے مارتے ہین مستعمل ہے۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی   گفتۂ غالب ایکبار پڑھکے اسے سنا کہ یون

جو یہ کہے کہ فارسی شاعری سے اردو شاعری کیونکر بہتر ہو سکتی ہے تو ایک مرتبہ غالب کی اردو شاعری اوسکو سنا کہ یون اچھی ہوتی ہے (کیونکہ مستعمل ہے۔ کیونکہ متروک ہے۔

ردیف واوٗ (و)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو   کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

حاسد کی صفات مین تنگ چشمی بھی داخل ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے سوائے کسی کو دیکھ نہیں سکتا اسیکو مصنف کہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے تیرے دلمین افسردگی اور چشم مین تنگی پیدا ہو گئی ہے اوسکا علاج یہ ہے کہ دنیا کا تماشہ کر۔ اور بغور ہر شے کو ملاحظہ کر ہو سکتا ہے کہ کثرت نظارہ اپنی زیادتی کے سبب سے تیری تنگدلی اور تنگ چشمی کے مرض کو زائل کر دے یہ ظاہر ہے کہ بہت سی چیزونکے معائنہ سے وسعت بڑھیگی۔ اور کسی تنگ چیز کو بہت پُر کیجئے تو وہ ضرور کھل جائیگی۔

مولانا نظم فرماتے ہین۔ کہ تجربہ کے بعد تجھے معلوم ہو جائیگا کہ حسد کرنا بیجا ہے

دنیا میں دولت کیلئے کوئی سبب نہیں درکار ہے ہر جگہ یہی حال ہے۔

بقدرِ حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی — بھروں اک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

گنہگار کو فارسی میں تردامن کہتے ہیں اسی کی بنا پر شعر کہا گیا ہے کہ اگر ہفت دریائے گناہ ہوں تب میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا تو دامن کا تر ہونا تو بہت دور ہے۔ کیونکہ میرے دل میں گناہ کی حسرت بہت زیادہ ہے دوسرا شعر اسی مضمون کا گذر چکا ہے ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آجائے — کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

گر میرا سرو قد گلشن میں گرمِ خرامِ ناز ہو کر آجائے۔ تو خاکِ گلشن تک مثلِ قمری نالہ کرنے لگے خاک کو قمری بوجہ قمری کے خاکستر رنگ ہونیکے کہا گیا۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں — بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

اگر میں کعبہ میں جا رہا تو مجھکو طعنہ نہ دو کیا میں بتخانہ والوں کی صحبت کو بھول بیٹھا ہی گیا ہوں۔ یعنی انکی یاد اب بھی تازہ ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو

میں چاہتا ہوں کہ عبادت کسی طمع سے نہو خالصاً لوجہ اللہ ہونی چاہیئے۔ شرابِ شہد اور بہشت کی طمع سے اگر عبادت کی تو کیا عبادت ہوئی لہذا اچھا ہے کہ کوئی بہشت کو دوزخ میں ڈالدو کہ کوئی طمع نرہے اور جو عبادت ہو وہ بے لاگ ہو۔

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے — ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

راہ و رسم ثواب سے ہمارا منحرف ہونا ضروری ٹھہر گیا ہے کہ ہماری تقدیر میں اول ہی سے یہ انحراف لکھا ہے کیونکہ وہ قلم جس سے سرنوشت پیشانی لکھی گئی ہے اسی پر قط ٹیڑھا لگا ہے۔

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے　　خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

غالب مجھے اپنی سعی سے لہنا نہیں ہے کسی نہ کسی طرح سے میری کوشش بیکار ضرور ہوجاتی ہے اگر اتفاق سے ملخ نہ ستائے تو بجلی موجود ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہو　　کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہو

ہم اس خیال سے آزاد ہیں کہ ہمارے ساتھ آپ محبت کیوں نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ہمارے ساتھ یہ منظور نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

؎ قطع کیجئے نہ تعلق ہمسے　　کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا　　ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہو

ضعف نے مجھ میں کسی بوجھ اٹھانے کی طاقت باقی نہیں رکھی یہانتک کہ اب نقش محبت بھی دل پر بار ہے دوسری جگہ اسی مضمون کو نئی صورت سے کہا ہے۔

؎ گنجایش عداوت اغیار اک طرف　　یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ　　ہرچند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہو

اگر تم مجھ سے غیر کی برائیاں کرتے ہو مگر مجھے اسکا گلہ ہے کہ تم اس ملعون کا میرے سامنے تذکرہ کیوں کرتے ہو۔ میرا ایک شعر اسی مضمون کا ہے۔

؎ کرتے ہیں شب وصل وہ دشمن کی برائی　　میں کہتا ہوں آخر وہ تمھیں آہی گیا یاد

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا　　یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہو

لوگ کہتے ہیں کہ ہر مرض کی دوا پیدا ہوئی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو غم عشق کا علاج کیوں نہو شعرا غم عشق کو لا علاج کہا کرتے ہیں۔

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ　　اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہو

میری بے کسی نے میرا معاملہ کسی غیر سے نہین ڈالا۔ یہانتک کہ مین اگر خجالت بھی اٹھاتا ہون تو دوسرے سے خجالت بھی منظور نہین ہی اور یہ انتہائے غیرت ہے۔
یا یہ کہ یہ تو ظاہر ہی کہ اور کسی سے مجھے کچھ اور نفع حاصل نہوتا تو خجالت تو حاصل ہوتی مگر میری بے کسی نے مجھے اُس سے بھی بچایا۔ بیمثل شعر کہا ہی۔ معانی آفرینی کی حد کی گئی ہی۔

ہی آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہین خلوت ہی کیون نہو

آدمی تنہا بیٹھے تب بھی خیالات گوناگوں کا ہنگامہ رہتا ہی لہذا ہم خلوت کو بھی جلوت ہی کہتے ہیں مومن خان مرحوم کا ایک شعر ہی جسے مرزا غالب بہت پسند کرتے تھے۔
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہین ہوتا
کسیکا شعر ہی ہست ہمیشہ محشر صد آرزو مین تنہا ہی ٭ دل اپنا شورش روز جزا کو کیا جانے

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہی انفعال حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیون نہو

انفعال زبونی ہمت کی دلیل ہی۔ یعنی کسی سے کچھ حاصل کرنا باعث انفعال ہی لہذا عبرت بھی اگر حاصل کرو تو زمانہ سے کیونکہ اسمین بھی شرمندگی حاصل ہوگی۔
یا یہ کہ انفعال سے کمی ہمت کا پتہ چلتا ہی۔ لہذا کمی ہمت کا خود کو متہم ٹھہرانا بہت برا ہی زمانہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کیون نہ کیجیے چاہے وہ عبرت ہی ہو۔ یعنی بے حصول کمال دنیا مین محض انفعال سے کام نہین چلتا۔

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

آزاد رہنا اسکا نام نہین ہی کہ دوسرون سے بیگانہ ہوگیا اور اُن سے رمیدگی اور وحشت اختیار کرلی اگر وحشت بھی کرتا ہی تو اپنی ذات سے کر اسوقت کامل بیگانگی دنیا کا پتہ چلے گا ورنہ سب جھوٹ ہے۔

مٹتا ہی فوت فرصت ہستی کا غم کہیں عمر عزیز صرف عبادت ہی کیون نہو

اگرچہ عمر کا عبادت وطاعت مین صرف ہونا عمر کا بہترین صرف ہونا ہی پھر بھی اسکے

فوت ہونے کا غم کچھ ایسا نہیں ہی کہ اسے کوئی بھول جائے۔ یعنی عمر عزیز بدترین شے ہو۔ بہت خوب شعر کہا ہی

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں اسدؔ — اِس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہو

چاہی کچھ ہو جائے مگر اب اوس کے در سے ہم اُٹھ نہیں سکتے یہانتک کہ اگر قیامت بھی آجائے جس سے ہر چیز اُٹھے گی مگر ہم نہ اُٹھینگے۔

حضرت داغؔ — جان بھی گئے بیٹھ گئے — اور ہونگے تری محفل سے ابھرنے والے

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو — مرا ہونا بُرا کیا ہی نواسنجان گلشن کو

اول تو میرے شیون میرے نالے سے نواسنجان گلشن کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور چونکہ انہیں یہ حصول عبرت کا فائدہ حاصل ہوتا ہی اس لئے مجھکو اچھا سمجھنا چاہیئے۔ مگر با اینہمہ اگر وہ مجھکو اچھا بھی نہ سمجھیں تو برا ہی نہ جانیں کیونکہ میں خود آفت زدہ ہوں قفس میں ہوں کسی کا میرے ہونے سے کیا بگڑتا ہی کوئی میں آزاد تھوڑا ہی ہوں کہ کسیکا کچھ کر سکوں یا کسی کو میرے آزادی پر حسد اور رشک آتے۔ یا مجھے اپنا شریک صحبت سمجھکر برا جانیں

نہیں گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہی — نہ دی ہوتی خدایا آرزوے دوست دشمن کو

دشمن کو اگرچہ میرے معشوق سے ہمکناری حاصل نہیں ہو مگر میرے لئے یہ رشک بھی کم نہیں ہی کہ جس کی میں تمنا کرتا ہوں اوسکی تمنا اوسکو بھی ہی ۔ مرزا غالب مرحوم نے رشک کے مضامین کو جس صورت سے ادا کیا ہی اس سے بہتر کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں پائے جاتے چنانچہ یہ مضمون بالکل نیا ہی ایک جگہ اسی رشک کے مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا ہی

س یاد از عدو نیارم دانیم زود رنجی است — کاندر دلم گزشتن با یار ہم نشینی ست

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پر — کیا سینہ میں جسنے خونچکاں مژگان سوزنکو

افسوس کہ ایسے گھر سے زخم پر تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا جسکو سینے میں مژگان سوزن نے بھی خونچکاں کئے افسوس ہے مولانا نظم لکھتے ہیں سوزن سے سوزن غم مراد ہے۔ جسکا مقام سینہ کے اندر رہی اور اگر یہ استعارہ سوزن کا نہ لیں تو شعر عامیانہ ہو جائیگا جیسے ناقص

شعر وغیرہ واقعی باتیں نظم کر دیا کرتے ہیں خدا جانے غالب نے کیا کہا تھا۔ اللہ اکبر۔

نوشتہ باند سیہ بر سفید نویسندہ را نیست فردا اُمید

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

ان ہاتھوں سے خدا سمجھے جنھوں نے فراق میں میری گریبان دری اور وصل میں رخصت کے وقت اُسکے دامن کھینچنے کی عادت اختیار کر رکھی ہے (جاناں) اس جگہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا میں اسمیں مولانا حسرت کے قول کی تائید کرتا ہوں کہ جانان کا دامن اگرچہ صحیح ترجمہ ہے۔ دامن جاناں کا مگر تعجب ہے کہ غالب نے اسکا استعمال جائز رکھا۔

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

ابھی ہم قتل گاہ کا نظارہ معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں تیرے توسن کو ابھی خون میں شناور نہیں دیکھا ہے کہ ذرا دو اس ٹھکانے ہیں مبالغہ خونریزی معشوق حد سے گذر گیا ہے معاذ اللہ۔ ہلاکو خان مات ہوگیا خدا کرے آجکل فرضی عاشقوں کو ایسے خیالی جلاد معشوق نہیں

ہوا چرچا جو میرے پانوں کی زنجیر بننے کا کیا بیتاب کاں میں جنبش جوہر نے آہن کو

میرے زنجیر بننے کا جو شہرہ ہوا تو لوہے کے جوہر نے لوہے کو معدن میں بیتاب کر دیا کہ کاش مجھی سے ایسے کامل دیوانہ کی زنجیر بنے۔ کان کے نون کا غنہ ہونا بہت بُرا ہے نیز ایسا اغراق کرنا غالباً قوت متخیلہ کے قوت ممیزہ سے حد سے گذر جانے کا نتیجہ ہے۔ تخیل وہیں تک تخیل کی حدین ہیں جہاں تک وہ اعتدال پر ہے۔ اگر وہ قوت ممیزہ سے گذر گیا۔ تو وہ شاعر کو مہمل بکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یعنی جسقدر کہ متخیلہ خلاق المعانی ہے اسیصورت سے ممیزہ اسکی روک ٹوک کرنیوالی ہے اور کبھی اسکو اسقدر پرواز کی اجازت نہیں دیتی جانے سے وہ گر سے اور اسکی ہڈی پسلیاں چکنا چور ہو جائیں۔ قوت متخیلہ کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ آسمان سے تارے توڑ کر شاعر کے سامنے لا رکھتی ہے مگر ممیزہ انکے تقرری بہ لحاظ وضع الشئے علیٰ غیر محلہ۔ کبھی کسی زمین پر لگانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اور اگر ایسا ہوا تو سمجھ لیجئے کہ قوت متخیلہ حاکم اور ممیزہ محکوم ہوگئی۔ اور اس کا اثر دہی ہوگا

جیسا کہ ایک پیاسے کو زہر کا شربت پینا مضر ثابت ہوتا ہے۔

جہاں شاعر مبالغہ سے کام لیتا ہے وہاں تمیز اکثر محکوم ہو جاتی ہے اور متخیلہ غالب رہتی ہے۔ سچ ہے کہ آجکل غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جہاں تک مبالغہ ہو وہ شعر کیلئے زینت ہوگی مگر دیکھا جائے تو عربی ابتدائی شاعری میں کہیں جھوٹ کا نام بھی نہیں ہے۔ چنانچہ زہیر ابن ابی سلمیٰ جو دور ادنیٰ کا شاعر ہے کہتا ہے۔ احسن القول ما صدقہ الفعل۔ یعنی بہترین کلام وہ ہے جسکی فعل بھی تصدیق کرے۔ اسی لئے حضرت عمر نے زہیر کو اشعر الشعراء کا خطاب دیا تھا اسی طرح عرب میں سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ مگر خلفائے بنی عباس کے زمانہ سے برابر جھوٹ کو ترقی ہوتی رہی۔ بیوقوف امیر بیجا مدح سنکر خوش ہوتے رہے یہانتک کہ مبالغہ شعر کے ارکان ضروری میں داخل ہو گیا۔ مگر ہم اُس زمانہ کے شعراء کو الزام نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتے تھے اور اسکی بدولت انعام اور دولت حاصل کرتے تھے۔ مگر اب خیال کیجئے کہ زمانہ کی قدر دانی کا اب یہ حال ہے کہ جیسے پہلے امرا خزانہ دیتے تھے آج کوئی بجائے اسکے واہ کہنے کو بھی تیار نظر نہیں آتا۔ پھر آخر اس اتباع سے کیا فائدہ ہے کیوں وہی ژاژ خائی مد نظر رکھی جائے۔ اور کیوں شاعر کے بجائے خود کو لاغی کا خطاب دلایا جائے۔

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

اگر میرے کھیت پر ابر آئے تو اسکی مجھے کوئی خوشی نہیں ہے اسواسطے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی باوجودیکہ کچھ نہیں ہے مگر برق خرمن کو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ کسی کا شعر ہے

سہ کبھی ہنستی ہے بجلی اور کبھی گرتا ہے پر اولے
ابھی تیلی ہی پھوٹی ہیں کہ شاخ نشیمن میں۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

وفاداری اور اپنی وضع کو نباہنا ایمان کی دلیل ہے۔ یہانتک کہ اگر برہمن بت کی عبادت کرتا کرتا بتخانہ میں مر جائے تو وہ کعبہ میں گاڑنے کے قابل ہے بے انتہا اچھا شعر ہے۔ اسی مضمون کو عرفی شیرازی کہتے ہیں۔

سہ بکیش برہمنان آخر از شہید انست
کہ در عبادت بت روئے بر زمین میرد

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

میری قسمت میں شہادت تھی اسی لئے مجھکو یہ عادت پڑی تھی کہ جہاں کہیں تلوار دیکھتا تھا گردن جھکا دیتا تھا۔ یہی ہوا کہ اس عادت کی بدولت میں مارا گیا اور شہید ہوا۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یہ شعر بیت الغزل ہے۔ کہتا ہے کہ اگر دن کو میں لٹ نہ جاتا تو رات کو ایسا بیخبر کیوں سوتا۔ دہشت کا لگا رہتا کہ کوئی مال چرا کر نہ لیجائے۔ اب کہ لٹ گیا ہوں تو آرام کی نیند پڑا سوتا ہوں اور رہزن کے لیے جس نے مجھے اس غم سے سبکدوش کیا ہے تہ دل سے دعا نکلتی ہے۔

بہت خوب شعر کہا ہے۔

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

ہمارا جگر معدن ہے اور سخن جوہر ہے اگر ہمارے پاس جگر اور سخن نہ ہوں تو جا کر معدن کو کھودیں کہ وہاں سے جواہرات نکالکر لائیں۔

مرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالبؔ
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

مانا کہ فریدون جمشید کیخسرو بہمن سب عالی قدر بادشاہ تھے گر میرے بادشاہ سے کچھ نسبت نہیں میرا بادشاہ سلیمان مرتبت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان ان سب سے بڑے بادشاہ تھے کہ جن ہوا پرند وغیرہ پر بھی حکمران تھے اور بادشاہ ملک معنے بھی تھے کہ پیغمبر تھے۔ نیز بہادر شاہ بھی ایک درویش صفت بادشاہ تھے۔

دھوتا ہے جب میں پینے کو اس سیمتن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

محاورہ ہے کہ فلاں فلاں کے پاؤں دھو دھو کر پیتا ہے۔ اسکی مصنف ادا کرتا ہے کہ اگر میں کمال انکسار سے اس ظالم کے دھونے کے لئے پاؤں دھو دھو کے پینے کا ارادہ کرتا ہوں تو ضد سے لگن کے باہر پاؤں کھینچ لیتا ہے۔ گویا مجھے اسقدر ذلیل سمجھتا ہے کہ اپنے پاؤں کا دھوون

پلانا بھی منظور نہیں کرتا۔
پانو کے آخر میں اہل لکھنؤ نون لکھتے ہیں اور اہل دہلی واو۔

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو — ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

فرہاد نے سادگی سے محض پیرزن کے مکر و فریب پر جان دیدی ہائے ہائے پیرزن کے پانوں کیوں نہ ٹوٹ گئے ہائے میں اُسکے پانوں پڑوں وہ بڑا سادہ تھا یہاں میرے نزدیک پانوں پڑنے کا محاورہ کچھ اچھا صرف نہیں ہوا۔

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ — ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

ہم راہزن سے بہت بھاگے تھے اُسی کی سزا یہ ملی ہی کہ اب اسکا مطیع ہو کر ہمکو اُسکے پانوں دابنے پڑے ہیں نظم حسب فرماتے ہیں اس شعر کے جو معنی حقیقی ہیں وہ تو شاعر کا کلام نہیں معلوم ہوتے ہاں اگر یہ سب باتیں استعارہ سمجھو تو وہ بھی صاف نہیں ہیں۔
واقعہ تو یہی ہے جو جناب نظم نے لکھا ہے کہ یہ شعر کلام غالب کے بالکل خلاف ہے اسیں پانوں دبانا وغیرہ یہ سب رکیک مضمون ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی زبان پر یہ لفظ ضرور تھا ایک جگہ اور کہتے ہیں۔

ع اسد خوشی سے مرے ہاتھ پانوں پھول گئے — کہا جو اُسنے ذرا میرے پانو تو دابے

مگر وہاں محاورہ اچھی طرح صرف ہوا ہے اگرچہ مضمون وہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر سچ ہے کہ ردیف اور قافیہ کی بھاری قید جو اردو کی شاعری میں ہے وہ کبھی کبھی شاعر کو ایسا مجبور اور مجنون کرتی ہے کہ وہ کچھ کا کچھ کہہ جاتا ہے یہی مرحلہ غالب کو پیش آیا ہے ورنہ وہ خود کہتا ہے

ع غالب نبود شیوۂ من قافیہ بندی — ظلمی است کہ بر کلک و قلم میکنم امشب

مگر یہاں یہ دونوں شعر ایسے ہی ہیں۔ جنمیں قافیہ بندی کے سوا کچھ نہیں۔

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور — تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

مجھے مرہم کی جستجو میں یہ زحمت اُٹھانی پڑی ہے کہ وہ اصل مرض سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے اور میرا جسم اتنا فگار نہیں ہے جتنے کہ پانو زخمی ہو گئے ہیں۔

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ　　ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

مجھے دشت نوردی کا وہ شوق و ذوق تھا کہ مرنے کے بعد بھی خود بخود کفن کے اندر میرے پاؤں ہلتے ہیں یہ شعر بیت الغزل ہے۔

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف　　اُڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو

چمن میں بہار کا اسقدر جوش ہے کہ طایرانِ چمن کے اُڑتے ہوئے پھولوں کے جال میں پانوں پھنستے ہیں دوسرے نازک معنے یہ پیدا ہوتے ہیں کہ اگر وہ اڑنے اور چمن سے باہر جانے کا ارادہ بھی کرتے ہیں تو رونق چمن اونکے لئے دام بنجاتی ہے اور کہیں جانے نہیں دیتی۔

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہو کہیں　　دکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدن کے پانو

آج اُس بُت نازک بدن کے پانو دکھتے ہیں کہیں خواب میں شاید وہ گیا ہوگا۔ کسیکا شعر ہے۔

ع وہ خواب میں عدو کے گھر آیا گیا نہو　　مہندی لگی ہے پانوں میں چھالا پڑا نہو

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہو　　پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانو

چونکہ بادشاہ شیریں سخن کے پانو دھو دھو کر پیتا ہوں اسواسطے اس کے اثر سے میرے کلام میں مزا پیدا ہوگیا ہے مزا۔ پینا۔ شیریں۔ خسرو وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب ہیں جو نہایت صفائی سے نظم ہوئے ہیں۔

واں پہونچکر جو غش آتا پے ہم ہے ہمکو　　صد رہ آہنگ زمیں بوسِ قدم ہے ہمکو

مجھکو وہاں پہونچکر جو پے درپے غش آتا ہے یہ خالی از علت نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ سو مرتبہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے قدموں کو بوسہ دوں۔ اور یہ پاؤں کی توقیر مجھے اس لئے منظور ہے کہ اسی کے ذریعہ سے کوچہ محبوب میں جانا ہوتا ہے۔ پیہم بغیر اضافت اور پیہم الاضافت دونوں طریقہ سے صحیح ہے مگر اردو میں بغیر اضافت مستعمل ہے۔

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہمکو

میں اپنے دل کو۔ اور میرا دل مجھے دامِ وفا مین پھنسائے رکھتا ہے اس سے ہمارے لذت آزار کے خوگر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچہ سے کہاں طاقتِ رم ہے ہمکو

جس ناتواں کے گلے میں اتنا بھاری طوق ہو اوسمین بھاگنے کی طاقت کہاں باقی رہ سکتی ہے یعنی ایک چونٹی کے پاؤں کا نقش بھی طوقِ گردن ہے۔

جان کر کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہمکو

مین تغافل کو بھی منع نہین کرتا آپ شوق سے تغافل بھی کیجئے لیکن تغافل آشنایانہ کیجئے ناآشنایانہ نہ کیجئے یہ نگاہِ غلط انداز تو ہمکو زہر معلوم ہوتی ہے۔ تغافل جو جانکر کیا جاے گا اس سے کم ازکم یہ تو امید بندھے گی کہ اب ناآشنا ہو تو کبھی تو آشنا ہو گے۔

رشک ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزین
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دودم ہے ہمکو

مرغ سحر کی آواز ہمارے لئے تیغ دودم ہے یعنی اوس سے ہمکو دو قسم کے صدمے پہونچتے ہین ایک تو رشک ہم رنگی کا یعنی رونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اُسیکا عاشق ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسکی آواز دردناک ہمپر اثر کرتی ہے

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہمکو

ہم نے جو سر اڑانے کے وعدہ کی مکرر اُس سے التجا کی۔ تو ہنسکے جواب دیا کہ ہمین تیرے سر کی قسم ہے ضرور اڑائینگے ۔یا یہ کہ ہنسکر کہا کہ تیرا سر اوڑانے کی تو ہمکو قسم ہے ہم نہ اڑائینگے۔

پہلا مطلب صاف ہے۔ ہنسنا۔ اور سر اڑانے پر سر کی قسم کھانا ایک ایسا لطف پیدا کرتا ہے جسے شاعر ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔

دل کے خون کرنیکی کیا وجہ ولیکن ناچار — پاس بیرونقیٔ دیدہ اہم ہے ہمکو

دل کے خون کرنیکی کوئی وجہ نہیں مگر مجبور ہیں ہمیں اپنی آنکھ کی بیرونقی بری معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ہم خون رونے کو رونق دیدہ سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ شعر بھی بہت خوب ہے۔

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو — ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو

ان دونوں مصرعوں میں حد مشق دکھائی گئی ہے۔ یوں تو خیال برابر کے مصرعے ہیں۔ اس کا مضمون بھی قیامت ہے تم اتنے نازک ہو کہ میری خموشی تمکو فغاں معلوم ہوتی ہے اگر میں اتنا عاجز ہوں کہ تم نے ستم سے ہاتھ اٹھا کر جو انداز تغافل اختیار کیا ہے اسکو بھی ستم سمجھاں

لکھنؤ آنیکا باعث نہیں کھلتا یعنی — ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہمکو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کہیں جاتے ہوئے لکھنؤ میں ٹھہرے۔ کہتے ہیں کہ ہمکو لکھنؤ کے آنیکا کچھ سبب نہیں معلوم ہوتا سیر و تماشا کی ہوس سو وہ ہمکو بہت کم ہے۔ محض اس شعر کی سے یہاں آ نہیں سکتے۔

مقطع سلسلۂ عزم نہیں ہے یہ شہر — عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہمکو

ہمارا سلسلۂ شوق سیر یہاں کیا قطع ہو سکتا ہے بلکہ یہ سلسلۂ شوق حرم اور نجف اشرف میں جا کر منقطع ہوگا۔

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب — جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

ہم کہیں اسی توقع پہ جا رہے ہیں اور مرکز کاف کرم ہمارے لئے جادہ راہ بنا ہوا ہے یعنی محض کرم کی امید پر ہم کہیں جا رہے ہیں۔

واں اسکو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار — یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

وہاں اسکو ہول دل ہے میں اس سے بیقرار ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ کہیں کمبخت

میری آہ نے اثر نہ کیا ہے حالانکہ اس کا ہول دل محض رقیب کی جدائی میں ہے۔ ایک جگہ بالکل یہی مضمون فارسی میں کہا ہے ؎ دانمش در انتظار غیر تا عالم زار زار + دامن گرفتہ باشد خوں ابر غیر عامن

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ
آئینہ تا کہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

اوسکو ذوق ستم اتنا ہے کہ خود آرائی کو بھی اسکے آگے ہیچ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اگر اپنی شکل دیکھتا ہے تو آئینہ دیدہ نخچیر میں دیکھتا ہے۔

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

خیر ہم رشک رقابت کو بھی گوارا کرتے ہیں غیر سے تم راہ و رسم رکھتے ہو تم جانو تمہارا کام جانے مگر مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہے ؎ عدو کے ساتھ ہی آئیں وہ خیر وقت اخیر وہ اب کرینگے گوارا جو عمر بھر نہ کیا۔

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

یعنی تم نے محض اس لحاظ سے کہ مجھے حشر میں کوئی مواخذہ نہو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا رقیب سے قتل کرایا ہے۔ مگر کیا تم اس حیلہ سے بچ جاؤگے۔ رقیب قاتل ہے تم گواہ ہو۔ مواخذہ تم سے ضرور ہوگا۔ یہ شعر بیت الغزل ہے۔

کیا وہ بھی بےگنہ کش و حق ناسپاس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

اچھا تمہاری خاطر سے ہم نے یہ بھی مان لیا کہ تم انسان نہیں ہو خورشید و ماہ ہو۔ مگر کیا خورشید و ماہ بھی تمہاری طرح بےجرم آدمیوں کا خون بہاتے ہیں اور ناحق شناسی سے کام لیتے ہیں۔

ابھرا ہوا نقاب میں ہے انکے ایک تار
ڈرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

انکی نقاب میں ایک تار ابھرا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں اور اس شک سے مرا جاتا ہوں کہ یہ کسی کی نگاہ نہو۔

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس میں اس مضمون کو شوخی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ جگہ جو ہمکو مرغوب تھی اور جہاں شراب پینا باعث لطف تھا ہم سے چھوٹ گئی تو خیر اب مسجد ہو، مدرسہ ہو کوئی جگہ ہو ہم وہیں پی لیں گے۔ اگر صحرا دشت ویرانہ وغیرہ کہا جاتا تو شعر میں یہ خوبی اور یہ شوخی پیدا ہوتی۔ اس زمین میں یہ شعر بھی بہت خوب ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

واعظ بہشت کی جو تعریفیں کرتے ہیں وہ سب سچ سہی لیکن بس بہشت اسیوقت ہمکو بھی معلوم ہوگی جب وہاں تیرا دیدار دیکھیں ورنہ وہ کچھ بھی نہیں۔

غالب بھی گر نہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں — دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

بجی نے اس شعر میں یہ لطف پیدا کیا ہے کہ اول تو بادشاہ کے لئے ضرور ہے کہ غالب جیسا شاعر اور مداح اوسکے دربار میں ہو۔ اور اچھا اگر یہ بھی نہو تو کچھ نقصان نہیں۔ میرا بادشاہ جم جاہ سلامت رہے۔ یہی سب کچھ ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہیں۔ کہ میری عمر بھی بادشاہ کو لگے

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو — کہے سے کچھ نہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

اب وہ زمانہ گیا جب ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ ہم اُن سے دو باتیں کریں تو ہم اپنے درد و غم کا اُن کے سامنے نقشہ کھینچ دینگے اور وہ ہم پر یقیناً مہربان ہو جائینگے تو وہ موقع بھی میسر ہو چکا اب اپنا تمام دکھڑا بھی اُن کے سامنے رو چکے۔ اور اُنہیں مطلق رحم نہ آیا۔ اب بتاؤ کیا علاج۔ گویا رہی سہی اُمید بھی ٹوٹ گئی۔ یا یہ کہ پہلے گفتگو کی تمنا تھی۔ گفتگو ہو چکی۔ کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ اگر اب اپنی داستان پھر اونکے سامنے بیان کیجائے تو جو بات پہلے نہ ہوئی اب کیونکر ہوگی۔ یعنی اب وہ کیونکر مہربان ہو جائینگے

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال — کہ گر نہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

گویا کہنے والا وصال کے اصلی معنے ہی نہیں سمجھتا - اور اس سے انتہائے محرومی کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے - وہ کہتا ہو کہ ہم تو وصال کے اتنے ہی معنے سمجھتے ہیں کہ اگر وصال نہو - تو کہاں جائیں - اور اگر ہو تو ہونے کی کیا صورت ہی - یہ ویسا ہی انداز بیان ہی جیسا کہ سه لب تک آجائے ہے ہوتی ہی جو فرصت غم سے ✤ اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں - میں ہے مولانا نظم اسکی شرح فرماتے ہیں - یعنی اسی فکر ہی میں ہم خوش رہتے ہیں وصال کبھی نصیب نہیں ہوتا

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے ۔۔۔ حیا ہی اور یہی گو مگو تو کیا کہیے

اگر ہمارا یہی ادب - یہی دلی الجھن - یہی گو مگو کا اور انکا یہی حیا کا عالم ہو تو آخر کیونکر کام بنے گا اور کیا ہوگا -

تمھیں کہو کہ گذارہ صنم پرستوں کا ۔۔۔ بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

تم ہمکو تو کہا کرتے ہو کہ تو ہمکو ہمیشہ بدخوئی کا الزام دیتا ہی مگر لیجیے ہم آپ ہی سے انصاف سے پوچھتے ہیں کہ جیسی تمھاری عادت ہی اگر ایسی ہی معشوقوں کی عادت ہو تو کیونکر بنے ادھر عاشقوں اور صنم پرستوں کا گذارہ کیسے ہو -

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ ۔۔۔ جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

اگر تم آئینہ دیکھتے ہو تو گھنٹوں اپنے عکس سے الجھتے ہو گستاخی معاف اگر شہر میں تمسے دو چار حسین ہوں تو پھر تو بڑی مشکل ہو جائے پھر تو جینا بھاری کر دیں - آئینہ میں عکس دیکھکر معشوق کا لڑنا یہ عام مضمون ہی - معمولی معمولی شعراء کے دواوین بھی اس سے خالی نہیں ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہی -

بھویں تنتی ہیں آنکھیں سرخ ہیں کچھ کہتے جاتے ہیں ✤ لڑائی لڑتے ہو تم آئینہ رکھکے مقابل میں

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا ۔۔۔ وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

میرا دن اور میری رات یکساں ہی لہذا مجھے مجبوراً اسی روز سیاہ کو جو رات کی طرح ہی دن کہنا پڑتا ہے نہ کہوں تو کیا کروں - سیاہی ہی کا خیال کیا جائے تو گویا دن مجھے

دیکھنا نصیب ہی نہین ہوا۔

یا یہ کہ میرا روز سیاہ رات سے زیادہ تاریک ہے اور مجبوراً میں رات کو دن دن کو رات کہتا ہوں۔ غالباً عرفی کا شعر ہے ؎

ز فروغ آفتابم بنمود خبر کہ ہے تو ✤ چو دو زلف تست یکساں شب روزم از سیاہی

ہمین پھر اُن سے اُمید اور اُنہین ہماری قدر ہماری بات ہی پوچھین نہ وہ تو کیونکر ہو

جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھین تو ہمکو اُن سے کوئی اُمید اور اُن کو ہماری قدر کیونکر ہو اس شعر مین (ہ) کو قافیہ کیلئے واؤ بنا لیا ہی۔ اس لئے کہ یہ ہے (ہ) تلفظ میں نہیں ہے۔ بلکہ اظہار حرکت ماقبل اس سے مقصود ہے دوسرا واؤ محض اشباع یعنی پڑ کر کے پڑھنے سے پیدا ہوتا ہی۔ اور یہ صحیح ہی۔ خود مصنف مرحوم نے اسکو اسی صورت سے دوسری جگہ نظم کیا ہے ؎ کہتے تو ہو تم سب کہ بُت غالیہ مو آ ئے۔ اگر تبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے نظم صاحب نے لکھا ہی کہ میر کی زبان پر لفظ وہ بفتح واؤ تھا اور (ہ) ملفوظ تھی یہ شعر اُن کا شاہد ہے ؎ کہتا ہے کون تجھکو یاں یہ نکر تو وہ نکر۔ پر ہو سکے تو بارے دل میں بھی ٹک جگہ کر۔ مگر یہ خیال صحیح نہین ہی میر صاحب کی زبان پر وہ بفتح نہ تھا بالضم تھا اور "وہ" اونکے یہان بھی مکتوبی ہی تھی ملفوظی نہ تھی بلکہ جگہ کا کاف فارسی اُنھوں نے مضموم کر کے وہی قاعدہ اشباع جاری رکھا۔ اور یہ لفظ جگہ بضم کاف نواح دہلی مین ابتک بولا جاتا ہی اس سے غالب کا وو لکھنا صحیح رہتا ہی۔ اور میر صاحب بھی الزام سے بری ٹھہرتے ہین ورنہ غالب سے بھی یہ بعید ہے کہ دو دو جگہ ایک لفظ میں دھوکہ کھا جائیں۔ اور میر صاحب بھی مشکل سے دنیا بھر سے خلاف ہو کر وہ بالضم کو بفتح لکھین گے؟

غلط نہ تھا ہمین خط پر گماں تسلی کا نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

ہمکو گمان تھا کہ اُن کے خط سے ہمکو تسلی ہو جائے گی۔ اور یہ گمان صحیح بھی تھا۔ کہ المکتوب نصف الملاقات کا مضمون ہے مگر ایسا نہ ہوا دیدۂ دیدار طلب کو خالی خط سے تسلی نہیں ہوتی ہم مجبور ہین۔

بتاؤ اُس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

کوئی بتائے کہ اُسکی مژہ کو دیکھکر مجھکو کیونکر قرار آئے یہ گویا ایک نشتر ہو جو رگ جاں میں اُترا ہوا ہے جس سے قرار آنا غیر ممکن ہو - مژہ کی ''ہ'' کا دنیا فارسی مین جائز اور صحیح کر یا یہ کہ مجھکو سمجھانے والے اُس مژہ کو دیکھین پھر مجھے میرے سوال کا جواب دین سہ اگر کوئی بکنر دم گزیدہ منال - والا حساب ہے۔

مجھے جنون نہین غالب ولے بقول حضورؐ فراق یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

غالب مین مجنون نہیں ہون یہ سچ ہو مگر بقول حضور کے مصرع ثانی مین قول ہو جو بہادر شاہ ظفر بادشاہ آخری سلطنت مغلیہ کا کہا ہوا ہے - اور یہ غالبًا شاہی فرمایش ہی سے مصنف نے غزل لکھی ہو -

کسیکو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو نہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منھ میں زباں کیوں ہو

اگر کسیکو کوئی دل دیدے تو پھر آخر فریاد کیون کرے جب پہلو مین دل نہو تو زبان منھ مین کیون ہو - یہ غزل غالب کی مقبول عام ہو اور واقعی اسکے شعر ایسے ہین جنکی بندش اثر وغیرہ سحر تک کا مقابلہ کرنیکو تیار ہین -

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑین سبک سر بنکے کیا پوچھین کہ ہمسے سرگراں کیوں ہو

انکی عادت ناراضگی کی ہو اور ہم بھی وضعدار ہین - وہ اپنی عادت کو نہین چھوڑتے تو ہم کیون اپنی وضع کو نہ نباہین اور اُن سے یہ کیون پوچھکر ہلکے بنیں کہ آخر آپ ہمسے کیون ناراض ہین -

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

میرے غمخوار نے مجھے رسوا کر دیا میرا رنج و غم دیکھکر وہ اسقدر مضطرب ہوا کہ دنیا کو میری حالت کی خبر ہو گئی - ایسی محبت جہنم مین جائے جو غم اُٹھا نہ سکے وہ میرا رفیق بننے کی کیونکر جرأت کرے

دمبدم دیکھ دیکھ روتا ہے — یار کے ڈالے ہے تو ہمنشین تو ہمیں

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

جب ہماری قسمت میں سر پھوڑنا بدا ہے تو پھر کیسی وفا اور کہاں کا عشق جہاں جی چاہیگا اپنا سر پھوڑ لیں گے تیرے ہی آستانے پر کیوں نہ پھوڑیں۔

سہ جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ۔ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو۔

اس شعر کی بندش میں وہ چستی ہے جسکی تعریف غیر ممکن ہے۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم — گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اسکی تعریف کرنا فضول ہے کیونکہ جسقدر معانی اس شعر میں بھر دئے ہیں وہ ادا بھی مشکل سے ہو سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ بندش نہایت چست ۔ مضمون موثر اور بیحد درد ناک ہے گویا ایک طائر قفس میں عرصہ سے مقید ہے اور اسکو چمن و آشیانہ کی کچھ خبر نہیں ہے ایک طایر کہیں سے اسکے سامنے آکر بیٹھتا ہے اور یہ اس سے اسکے نشیمن کا حال بتاتا ہوا ہچکچاتا ہے ۔ اور حال یہ ہے کہ طایر مقید نے کل بجلی گرتی ہوئی دیکھی ہے ۔ تو جب طایر نو وارد بتانے میں ہچکچاتا ہے تو یہ اس سے جھنجلا کر کہتا ہے کہ واہ یہ کہتے کہتے تم رہ کیوں جاتے ہو خدا نہ کرے جو کل کی بجلی سے میرا آشیان جلا ہو دوسرے مصرع کی داد نہیں دیجا سکتی ہے جسمین اسنے مضمون کو بہت خوبی سے ادا کیا ہے کہ باوجود یہ جاننے کے کہ آشیانہ جل گیا ہے کسطرح اپنے دل کو سمجھا بجھا کر تسلی دیتا ہے۔

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ — کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

یعنی تم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ہم تیرے دل میں نہیں ہیں ۔ اچھا جب یہ مسلم ہو گیا کہ آپ دل میں ضرور ہیں تو پھر براہ عنایت یہ بھی بتا دیجیے ۔ کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو۔

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے — نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

تم مجھ سے میرے جذب دل کا شکوہ فضول کرتے ہو کہ تیرا جذب محبت ہم کو کھینچتا ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو۔ کہ ادھر میرا جذب دل تم کو کھینچے اُدھر تم کھچو اسی مضمون کو اسی زمین میں مرزا غالب کے ایک شاگرد جناب سخن دہلوی تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یوں لکھتے ہیں۔

ع کرے گر وہ مرے جذب دل بیتاب کا شکوہ سخن پھر مجھکو اُس بُت سے شکایت رمیان کیوں ہو

مگر غالب کے یہاں یہ مضمون نہایت اچھے طریقے سے بندھا ہوا ہے۔ اُستادی اور شاگردی کا فرق ظاہر ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوئے تم دوست جسکے اوسکا دشمن آسماں کیوں ہو

اسمیں اضمار قبل الذکر ہے۔ یعنی جسکے تم دوست ہوئے اوسکا دشمن آسمان کیوں ہو۔ آپکی دوستی کیا کسی کی خانہ ویرانی اور بربادی کے لئے کچھ کم ہے۔ یہ بھی ایک فتنہ ہے سخن جنا نے اس مضمون کو بھی اسطریقہ سے ادا کیا ہے ع

ستم جو کچھ ہیں مجھ پر ہیں فقط تیرے تغافل سے اگر تو دوست ہے تو میرا دشمن آسمان کیوں ہو

یعنی چونکہ تو دوست نہیں ہے اس لئے آسمان مجھ پر ستم کرتا ہے اگر تو دوست ہو جاے تو اسکو مجھ پر ستم کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ ہے۔

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

حال تو یہ ہے کہ رقیب روسیہ کے آپ ہو چکے اور پھر مجھے آپ ستاتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں کہ ہم تو اسکی محبت کا امتحان کرتے ہیں۔ کیوں صاحب اسکا نام امتحان ہے تو ستانا کس جانور کا نام ہے۔ اگرچہ غالب کے یہاں یہ مضمون بہترین طریقہ سے ادا ہوا ہے۔ مگر مرزا داغ نے اسی مضمون کو زبان کی لطیف چاشنی دیکر اسقدر ترقی دیکر ادا کیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ گویا شراب دو آتشہ ہے ملاحظہ ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ ایک مشاق شاعر اگر کسی مضمون کو دوسرے شاعر سے لیتا ہے تو اپنے حسن بیان کے سبب سے اتنی گنجایش باقی نہیں رکھتا ہے کہ پھر اسپر کوئی سرقہ یا اقتباس کا بھی الزام لگا سکیں بلکہ وہ مضمون کو اپنا کر لیتا ہے۔

؎ ہو چکا قطع تعلق تو جفائیں کیوں ہوں　　جنکو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہیں

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی　　بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

گویا معشوق سے کہا گیا ہے کہ دیکھو غیر کے ملنے میں تم رسوا ہو جاؤ گے اور وہ ستم شعار ناعاقبت اندیش جھلا کر جواب دیتا ہے کہ غیر کے ملنے میں کیوں رسوائی ہوگی پاسبیرہ دوسرا مصرع پڑھتا ہے بجا ہے درست ہے ذرا پھر تو کہو کہ ہاں کیوں رسوائی ہو - اس کہلانے سے گویا اسکو واقعات یاد دلانے چاہتا ہے کہ دیکھو کیا مشہور ہو رہا ہے مجھے ایک شعر بیخود صاحب دہلوی کا یاد ہے مگر اسکے شاید کچھ الفاظ بدل گئے ہیں پھر بھی میں لکھتا ہوں -

؎ سنا ہے کچھ اثر ارکھی ہیں خبر کیسی دشمن نے　　نہ مانو میرا کہنا اور جاؤ بزم دشمن میں

نکالا چاہتا ہے کام طعنوں سے تو اے غالب　　تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھپر مہربان کیوں ہو

حضرت غالب اب طعنے دے دے کر کام نکالنا چاہتے ہیں - مگر وہ ایسا نہیں ہے کہ آپ کے ان دموں میں آجائے اور آپ کے بیمہر کہنے سے مہربان ہو جائے - ایک شعر مرزا داغ دہلوی کا ہے کیا خوب فرمایا ہے -

؎ دہمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ　　بندہ پرور محبت میں حکومت کیسی

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہو　　ہم سخن کوئی نہو اور ہمزبان کوئی نہو

دنیا کے دوستوں سے ہم تنگ ہو گئے اور عاجز آگئے لہذا اب ایسی جگہ چلنا چاہیے جہاں کوئی نہو نہ کوئی ہمارا ہمزبان ہو نہ کوئی ہمسے بات کرنیوالا ہو کہ ہم کو کوئی رنج پہونچ سکے

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے　　کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو

جب در نہیں ہے تو دربان کیسا - اور جب دیوار نہیں تو ہمسایہ کہاں -

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو تیمار دار　　اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہو

بیمار پڑ جائیں تو کوئی تیمارداری کے لیئے نہ آئے اور مر جائیں تو کوئی نوحہ خوانی

نکرے - یعنی ہمکو پھر ان لوگوں کی جنسے نفرت ہے صورت نہ دیکھنی پڑے - تینوں شعروں
مین بے کسی کی تصویر کھینچی ہی -

ردیف "ہ"

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہی آئینہ طوطی کو شش جہت سے مقابل ہی آئینہ

آفتاب سے لیکر ذرہ تک دل ہی دل ہی اور دل آئینہ کی صورت ہے تو گویا اس طوطی
کو ہر طرف سے آئینہ میں اپنی شبیہہ نظر آتی ہی - طوطی اور آئینہ مشہور مضمون ہے - مضمون شعر
کچھ ایسا ہی کہ تا دیل مشکل ہی یعنی اگر غور کیا جائے تو تمام دنیا متحد بوجود واحد ہے -

ہی سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں نہ پوچھ

میرے گھر مین گریہ وزاری کی نمی سے تمام جگہ سبزہ اُگا ہوا ہی اور یہ گویا میرے گھر کی
بہار ہے جس سے ویرانی کا اظہار ہوتا ہی - پھر خیال کیجیے کہ بہار یہ ہی جو خزاں سے بدتر
ہی تو خزاں کی کیا حالت ہو گی - مصنف نے سبزہ کے اوگنے کا انکی جگہ اعادہ کیا ہی - جیسے کہ

سے اُگا ہے گھر مین سبزہ میری ویرانی تماشا کر مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
اے اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

مجبوراً ہمکو اب بیکسی کی بھی حسرت اُٹھانی پڑتی ہے - یعنی ایسی چیز کی حسرت کرتے ہیں
جسکی کوئی حسرت نہیں کرتا - مگر بیکسی کو ہم ایسے ہمراہیوں کے ہونے سے اچھا جانتے ہیں
جو ظالم ہیں اور جنکی وجہ سے راستہ طے ہونا دشوار ہو گیا ہی -

مولانا حسرت صاحب نے اسکی یہ شرح لکھی ہے - ستم ہمرہاں اس لحاظ سے کہا کہ
ان کی موجودگی کے باعث سے بے کسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑتی ہے - کیونکہ جب لوگ ہمراہ
ہیں تو ہم اپنے آپ کو بے کس بھی نہیں کہہ سکتے - یہ مطلب بھی اس شعر سے پیدا ہو سکتا ہی
بعض جگہ مصرع ثانی اس صورت سے ہے - دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ -

یعنی راہ ظلم ہمرہاں کا کاٹنا سخت دشوار ہے جس سے ہم بیکسی کی حسرت اٹھاتے ہیں کہ کاش ہم بیکس ہوتے تو اس راہ کو طے نہ کرنا پڑتا۔

ردیف یا (ی)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے   طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نظر اٹھائیں تو جلوہ ہائے گوناگوں دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ہم میں طاقت نہیں ہے کہ نظارہ کا احسان اٹھائیں۔ یہ ہمارے لئے بہت دشوار ہے۔

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق   یعنی ہنوز منت طفلاں اٹھائیے

معاش جنوں کا فرمان سنگ طفلاں پر لکھا گیا ہے۔ یعنی جنوں کی معاش کا دار و مدار سنگ طفلاں پر ہے اسکے یہ معنے ہیں کہ دیوانہ ہو کر بھی خوشامد اور احسان کی ضرورت باقی رہتی ہے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم   اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے

دیوار کا خم ہونا محض مزدور کے بار احساں سے ہے لہذا ہرگز کسی کا احسان نہ اٹھانا چاہئے دیوار کے خم ہونے کی تمثیل کی تخصیص محض خانماں خراب کی رعایت سے ہے۔ غالب نے بار بار اس مضمون کا اعادہ کیا ہے مگر مختلف صورتوں میں۔ اس سے انکی عادت پر ایک روشنی پڑتی ہے کہ وہ کیسے غیور تھے۔

سہ نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم   کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے سے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے   یا پردۂ تبسم پنہاں اٹھائیے

یا تو میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے یعنی لوگوں سے یہ شکایت نہ کرتے پھرئیے کہ یہ جلتا ہے اور رشک کرتا ہے یا یہ جو رقیبوں کے ساتھ آپ چھپ چھپ کر ہنستے ہیں اس پردہ کو ہٹا دیئے اور ہنسنا چھوڑ دیجئے۔ زخم رشک کو رسوا کرنا محض پردہ اور تبسم پنہاں کی رعایت سے کہا گیا ہے۔ یہ شعر بیت الغزل ہے اور اسکی بندش بے انتہا چست ہے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے

مسجد کو بوجہ محراب وغیرہ کے ابرو سے اور آنکھ کو بہ لحاظ مستی کے میخانہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مصنف یہی ثبوت مین پیش کرتا ہو کہ مسجد کے پاس ایسے ہی شراب خانہ کی ضرورت ہے جیسے آنکھ کے پاس ابرو کی۔ بھوں اگرچہ صحیح ہے اور محاورہ میں یہ مفرد بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر یہاں بہت ہی برا معلوم ہوتا ہو۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

آپ بھی ایک اور شخص پر عاشق ہوئے ہین اچھا ہوا میرے اور یا دوسرے عشاق پر جور و جفا کی آپکی کچھ سزا ملنا چاہیئے تھی۔ اب اسیطرح اونکو بھی رنج اوٹھانے پڑینگے جیسے کہ مجھے اونکی جفا کی میں صدمہ جھیلنے پڑتے ہیں۔

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

یعنی باغ مین انواع واقسام کے پھول کھلے ہوئے ہوتے ہیں ہر ایک کی بو جدا اور رنگ علیحدہ ہوتا ہے مگر بہار کا ثبوت ہر ایک سے ملتا ہے۔ بہار سب مین پوشیدہ ہے۔

سر پائے خم پہ چاہیئے ہنگام بیخودی رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیئے

بیخودی کے وقت خم کے پاؤں پر لوٹنا چاہیئے اور مناجات کے وقت قبلہ کی طرف منھ کرنا چاہیے یعنی ہر وقت حسب موقع وقت کام کرتا رہے۔ نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ فرماتے ہیں۔

ع پانی وضو کو لاؤ رخ شمع زرد ہو مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

یعنی بہ حسب گردش پیمانہ صفات عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہیئے

یعنی جس صفت کو دیکھیے اوسی پر ذات کو یاد کر کے مست و بیخود ہو جانا چاہیئے۔ کہ صفت لوازم ذات سے ہے۔

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

میرے بساطِ عجز میں محض ایک دل تھا وہ دل بھی ایسا جو ایک قطرہ خوں سے زیادہ نہ تھا اسکی بھی یہ کیفیت ہے ٹپکنے اور بہ جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور وہ بھی سرنگوں رہتا ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ فوراً بہ جانے والا ہے۔ اسی مضمون کا یہ شعر غالباً علامہ فیضی کا ہے۔

۵ دریاب کہ ماندست ز دل قطرۂ خونے
آں قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اسی سے ترجمہ کیا ہے مگر شان استادی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے فارسی میں محض قطرۂ خون کہکر لبریز چکیدن سے ترقی دی ہے غالب نے ترقی در ترقی کا منظر دکھایا ہے بساطِ عجز۔ اوسمیں ایک دل۔ دل بھی ایک قطرۂ خوں قطرہ خوں بھی آمادہ چکیدن۔ آمادہ چکیدن بھی بحالت سرنگونی۔ دلکو باندازِ چکیدن کہنا لطف سے خالی نہیں ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ چکیدن مصدر فارسی ہے مگر یہاں بے تکلفی سے صرف ہوا ہے اور چنداں برا نہیں معلوم ہوتا۔

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیئے

اے فلک کچھ نہ کچھ تو مجھے ان رنج اور غموں کا بدلہ دے کچھ تو مجھے خوشی حاصل ہو دوسرا لطیف پہلو یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ نہیں کرتا تو کم از کم میرے دلِ حسرت پرست کی داد ہی دے۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

معشوقوں کے لیے ہمنے مصوری سیکھی ہے آخر حصولِ ملاقات کا کوئی تو ذریعہ چاہیئے کبھی نہ کبھی تو وہ تصویر کھنچوانے کے لیے ہمکو بلائینگے۔ مولانا نظم مصوری کو شاعری کا کنایہ ٹھیراتے ہیں۔ فارسی میں فرماتے ہیں۔

۵ خود را ہمی بہ نقش طرازی علم کنم
تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

میرا پینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ نشاط اور سرور ہو۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ہر وقت ایک بے خودی رہے تاکہ ذرا اپنے غم کو بھولا رہوں۔

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو ۔۔۔ خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

یہ ایک قطعہ ہے جسکا پہلا شعر یہ ہے جسمیں مصنف اس بات کے ثبوت میں کہتا ہے جو بات پیدا ہوتی ہے وہ خاموشی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی پہلے آدمی خاموش ہو کر کچھ سوچتا ہے پھر اُن باتوں کا اظہار کرتا ہے تو گویا ہر کلمہ کی اصل خاموشی ہے۔ اور اسکی مثال۔ ہے کہ جڑ سے ٹہنیوں کو طاقت پہونچتی ہے حالانکہ جڑ پوشیدہ ہے اس شعر میں خاموشی کی ''ی'' دبتی ہے۔ اور یہ مصنف نے بر بنائے قاعدہ فارسی صحیح سمجھا ہے مگر بعض اہل لکھنؤ یائے الفاظ فارسی کا گرانا جائز نہیں قرار دیتے۔ اپنی طبیعت کا ہر شخص مختار ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب محاورہ میں سے کا گرنا جائز ہے بلکہ بعض جگہ اگر نہ گرائی جاسے تو محاورہ بڑا اور بھونڈا معلوم ہوتا ہے تو پھر شعر میں اس قاعدہ کو دیکھتے ہوئے کہ جو کچھ بولو وہی لکھو اسکا گرنا کیونکر نا جائز قرار دیا جا سوائے زبردستی کے اور کچھ نہیں۔ اسی لئے آتش وغیرہ نے اسکی پابندی نہیں کی ہے۔ بلکہ متقدمین میں تو اکثر ایسے ہیں کہ اُنھوں نے الف اور یے واؤ ہی نہیں بلکہ بہت سے حروف کا گرنا عیب نہیں سمجھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے ۔۔۔ تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

چندے روز از راہ تکلف ہم اپنے معشوق سے آزردہ اور خفا رہے وہ بھی ایک انداز جنون تھا مصرع ثانی میں جو محاورہ تکلف برطرف استعمال کیا گیا ہے وہ نہایت برمحل صرف ہوا ہے جس سے شعر میں ایک صنعت لفظی یہ پیدا ہو گئی کہ تکلف (یعنی تصنع سے ہم اوس سے آزردہ تھے۔ تکلف کو اٹھا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک انداز جنون تھا۔ ورنہ معشوق سے آزردہ ہونا اپنے آپ سے آزردہ ہونا ہے۔

خیال مرگ کب تسکین دل آزردہ کو بخشے ۔۔۔ مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی

صرف ایک موت کے خیال سے مجھے کیا تسکین ہو سکتی ہے کیونکہ میری تمنا کے جال میں

ایسے ایسے ہزاروں شکار آیا کرتے ہیں - ایک معمولی سا شکار یہ بھی ہے - یعنی جیسا کہ ایک مشکل کام مرتا ہے اس قسم کے ہزاروں خیال میں کیا کرتا ہوں -

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم　　کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

اے ہمدم میں نے سمجھا تھا کہ رو کر دل کی بھڑاس نکل جائیگی - مگر کیا معلوم تھا کہ رونے سے اور بھی زیادہ دل میں درد پیدا ہو جائے گا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں ہرگز نہ روتا - مصرع ثانی میں تین اضافتیں پے در پے آئی ہیں - اگرچہ یہ جائز ہے - مگر دہیں تک کہ شعر میں لطف اور تازگی باقی رہے -

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ　　مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

غالباً آپ کو ناز ہے کہ میری تیغ جفا کی بُرش نے عاشق کا کام تمام کیا - مگر آپ کا یہ ناز قریب قریب بالکل فضول ہے کیونکہ آپ کی تلوار بھی میرے دریائے بیتابی میں ایک موج سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی - یعنی بے انتہا ایسی موجیں ہیں جنمیں سے ایک یہ بھی سہی - یعنی صرف آپ ہی کی تیغ جفا نے مجھے نہیں مارا بیتابی نے بھی بہت سی تلواریں میرے اوپر چلائیں -

مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجئے　　لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

ساقی گردوں سے شراب عیش کی ہم کیا تمنا کریں - کیا ہم دیکھ نہیں رہے ہے کہ دو چار اُلٹے پیالے لئے بیٹھا ہے شراب عشرت انمیں کہاں رکھی ہے - ایک دو چار سات ہوتے ہیں یعنی سات آسمان بالکل اسی مضمون کا مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے -

؎ آسمان جام نگوں دان کز مئے عشرت تہی　　جستن مے ار ہمی ساغر نشان ابلہی است

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں　　خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

غالب میرے دل میں وصل کا شوق اور جُدائی کا شکوہ بھرا ہوا ہے خدا کرے کہ جلد وہ دن آئے کہ مجھے اُس سے یہ دونوں سنانے کی نوبت آئے -

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے تنگ آگئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

معشوق بقدر خوشامد پسند واقع ہوئے ہیں کہ بات ہمارے لبوں سے خفا ہو گئی یعنی اب ہم سے خوشامد نہیں کی جاتی دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ معشوق کے سامنے بوجہ رعب حسن وغیرہ کے لب سے بات نہیں نکلتی اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم اُس کی خوشامد کریں تب وہ کہیں ہمارے لب تک آئے۔

ہے دورِ قدح وجہ پریشانیٔ صہبا اکبار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

بار بار پیالہ میں بھرنے سے شراب گرتی ہے اس سے یہ مناسب ہے کہ خمِ مے اکدم میرے منہ سے لگا دیا جائے اسکے گرنے سے مجھے نقصان پہونچتا ہے۔ جناب آرزو صاحب لکھنوی فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں

؎ ساقیا نقصانِ جاں ہے میزانیِ بے جھول جتنے قطرے مے کے ٹپکے خون آنکھ ابل گیا

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

اے زاہد وہ رنداں بادہ نوش جو شب و روز میخانہ کے در پر رہتے ہیں کہیں ان کا مقابلہ نہ کر بیٹھنا کہیں ان سے کچھ کہہ دینا شراب کی حرمت ان کے سامنے بیان نہ کرنا یہ بڑے گستاخ ہیں۔ طرف ہونا محاورہ فارسی ہے اُردو میں متروک اور ناقابل استعمال ہے۔ اسی مضمون کا ایک شعر فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کا ہے۔ جسکے بتذل مضمون کو شوخیٔ بیان نے چار چاند لگا دئے ہیں۔

؎ زاہد نہ چھیڑ ان کو مستانے آدمی ہیں تجھ کو لپٹ پڑینگے دیوانے آدمی ہیں

بیداد وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

بیداد وفا ملاحظہ کیجیے۔ یعنی اُس وفا نے جو تیرے عشق میں مجھے کرنی پڑتی ہے یہ ظلم ڈھایا ہے کہ اگرچہ میری جان کو لبوں سے بہت ربط اور محبت تھی یعنی وہ ہمیشہ ہونٹھوں پر رہتی تھی مگر اسی بیداد وفا کی بدولت اُسنے لبوں کو چھوڑ دیا۔ اور گویا وہ ایسے شخص

جدا ہوئے جنہیں محبت تھی۔ اور دو دلوں کو جدا کرنا بڑا ظلم ہے اسی واسطے بیداد دفا کہا ہے۔

تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا — سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

معشوق کے انتہائے رنج۔ شوخی۔ اور سفاکی کا اسمیں نقشہ کھینچا ہے۔ کہ اگر کوئی ہمارا ذکر اوسکے سامنے چھیڑتا ہے تو وہ سن لیتا ہے کہ ہمکو موقع شکایت باقی نہ رہے۔ یا ہم اُس کے رنج کا اندازہ کرکے اوس سے معذرت چاہیں یا یہ شکایت کریں کہ آپ کو ہمارے نام سے بھی نفرت ہے۔ اگرچہ ہمارا ذکر کبھی نہیں کرتا۔ یہ ظلم اور بھی ظلم ہے کہ ہماری حالت سنکر بھی اُسے رحم نہیں آتا اور وہ ہمارا کبھی ذکر نہیں کرتا۔

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم ان کو — وہ سُن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

نہایت بلیغ شعر کہا ہے جسکے اتنے معنے پیدا ہوتے ہیں (کہ غالب) یعنی عاشق رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی میرا حال اُن کو سنا دے اسپر کسی دوست کو ترس آتا ہے وہ حال سنانے کے لیے تیار ہوتا ہے اور معشوق کے پاس جانے کا قصد کرتا ہے تو ہوائی لگر گدی سی پیدا ہوتی ہے اور جناب عاشق اپنے پیامبر دوست سے فرماتے ہیں کہ للہ کوئی ایسی صورت بھی نکالنا کہ ایک گھڑی بھر کے لیئے وہ ہمکو اپنے پاس بلالے تو وہ دوست بھلا مانس اور کہتا ہے کہ حال تو ہم اُنکو سنا دینگے اسکے ذمہ دار نہیں ہوتے کہ وہ تمکو اپنے پاس بلا بھی لیں۔

دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ غالب بے ہوش پڑا ہے۔ کوئی آتا ہے اور پکارتا ہے کہ غالب۔ اُٹھو اُٹھو ترا حال ہم اونکو سنا دینگے۔ خیر بھئی یہ کام ہم سے ہو سکتا ہے کر دینگے حال بلا لینا یہ اون کا کام ہے ہم اسکا ذمہ نہیں کر سکتے۔ یا یہ کہ اترال باتوں کسی نہ کسیطرح ترا حال ہم اُن کو ضرور سنا دینگے وہ سنکے بلائیں یا نہ بلائیں معشوق کے غرور اور عاشق کے شوق کا بھی اس شعر سے پورا پتہ چلتا ہے۔

دراصل شاعری اسی کا نام ہے جسمیں قلیل الفاظ میں معانی کثیرہ پائے جائیں۔ اور جس جس پہلو کو مصنف دکھانا چاہے وہ نہایت عمدگی کے ساتھ تصویر بنکر پڑھنے والے کے سامنے آجائے۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا　　وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

میرے گھر میں رکھا ہی کیا تھا کہ تیرا غم اوسکو غارت کرتا۔ ایک حسرت تعمیر تھی وہ اب بھی موجود ہے اِسے کمبخت عشق نے بھی غارت نہ کر دیا۔ اسی قسم کا ایک شعر گذر چکا ہے ؎

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ　　سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی　　فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

اول تو غم دنیا کیوجہ سے سر اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر اتفاق سے فرصت بھی ہوتی ہے تو اُدھر آسماں کو دیکھا اُدھر تو مجھے یاد آیا۔ کیونکہ ظلم و ستم کے وجہ سے تو آسمان سے مماثل اور اسکا ہمسر ہے۔ اسی بہانہ سے غم کا سامنا ہو جاتا ہے یعنی غم سے فرصت پاکر سر اٹھانا بھی میرے لئے باعث غم ہے۔

کھلے گا کسطرح مضموں مرے مکتوب کا یارب　　قسم کھائی ہے اوس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

الحاصل میرے مکتوب شوق کا مضمون اُسپر کیونکر ظاہر ہوگا کیونکہ اُس کافر نے تو قسم کھائی ہے کہ اب جو کاغذ بطریق خط میرے پاس آئیگا۔ یا ہر کاغذ کو میں جلا دونگا تو یقیناً اب وہ میرے مکتوب سے باخبر نہیں ہو سکتا مولانا نظم و حسرت صاحبان نے اسکی شرح یہ فرمائی ہے کہ خط کے کھولنے کی تو اُس سے اُمید ہی نہیں اوسکے جلا دینے کی بھی قسم کھائی ہے کاش کہ جلاتا اور مکتوب سے شعلہ اٹھتا تو مضمون مکتوب یعنی حال سوز و گداز اسپر ظاہر ہوتا۔

یہ مطلب بھی پیدا ہوتا ہے غلط نہیں ہے۔ مگر ذرا بعید ہے۔ صاف وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا۔

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے　　ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

سوز غم دل میں چھپانا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے آدمی آگ پرنیاں یعنی حریر میں لپیٹ سکتا ہے مگر سوز غم دل میں نہیں چھپا سکتا۔ بقول غالب۔

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا　　جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

مضموں دونوں ایک ہیں مگر الفاظ کا لباس جدا جدا ہے۔

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا — اُٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھئے شوخی بہانے کی

ارادہ یہ تھا کہ ذرا اپنے زخمیوں کو دیکھ آئیں مگر سیرِ گل کا بہانہ کیا۔ گویا گل اوسکے زخمی تھے اونکا تماشہ دیکھنے گیا تھا ذرا بہانےکی شوخی تو دیکھئے کہ اپنے زخمیوں کے دیکھنے کو بھول کی سیر سمجھتے ہیں۔ قریب قریب ایسا ہی مضمون ہے جو گذر چکا۔

ہوا ہے سیرِ گل آئینۂ بیمہریٔ قاتل — کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا — ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

ہم اپنی سادگی سے اس التفاتِ ناز پر مرمٹے کہ تو یہاں تک آیا۔ یعنی ہمکو دھوکہ ہوا کہ تو نے ہم پر مہربانی کی حالانکہ یہ بھی ایک تیرا ناز تھا۔ یعنی ادھر آیا اودھر جانے کا قصد ہے گویا آنا جانے کی تمہید بن گیا۔ اور اس سبب سے یہ التفات التفاتِ ناز ہو گیا۔

لگدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی — مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

مری طاقت سے اب حوادثاتِ زمانہ بھی نہیں اٹھ سکتے، ایک وقت میں یہ ایسی قوی تھی کہ بتوں کے ناز اٹھانے کی ضامن تھی گویا ناز بتاں لگدکوبِ حوادث سے زیادہ ہے۔ یا یہ کہ میری طاقت ضامن اس بات کی تھی کہ بتوں کے ناز اٹھائے آخر یہ اسکے ساتھ لگدکوبِ حوادث کا طوفان کیسا آیا۔ میری طاقت اس کا تحمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

کہوں کیا خوبیٔ اوضاعِ ابنائے زماں غالب — بدی کی اُسنے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

اہلِ جہاں کے اوضاعِ شریفانہ کی کیا خوبی بیان کروں جس سے بارہا ہم نے نیکی کی اونسے ہمسے بدی کی۔ نیکی۔ اسمیں قافیہ معمولہ ہے۔ قواعد قافیہ میں معمولہ قافیہ کو عیوب میں سے سمجھا گیا ہے۔ مگر آجکل اسکو صنعت میں داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ اب بھی شعر کو ویسا ہی سست کر دیتا ہے جیسا کہ پہلے کرتا تھا اور جسکی وجہ سے اسے عیوب میں داخل کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ اول تو قوافی ہی کی قید ہماری شاعری میں ایسی ہے کہ شاعر کو

… پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسکے ساتھ جب صنعتوں وغیرہ کا التزام کیا جاتا ہے … رشتہ معانی اور فصاحت و بلاغت سب غایب ہو جاتے ہیں اور شعر جسکی صفات میں … جوش حقیقت اثر وغیرہ ہیں وہ بالکل رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سے ہمیشہ احتراز … زم ہے۔ البتہ بے تکلفی کے ساتھ اگر کوئی صنعت آجائے تو وہ حسن شعر ہے

ناحاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی　　　دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

آرزو خرامی سے مراد آرزو کا چکر لگانا۔ اور گشت کرنا ہے نہ یہ کہ جیسے مولانا نظم سمجھے ہیں کہ آرزو خرامی سے مراد خرام حسب آرزو مراد ہے۔ اور اسی بنا پر ترکیب کو اہمیات قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے آرزو تو جو دل میں پھرتی ہے اور اُمید رکھتی ہے کہ جوش گریہ سے کچھ نفع حاصل ہوگا سو یہ بیکار ہے اس سے ہاتھ دھو بیٹھ یعنی نااُمید ہو جا۔ (جوش گریہ سے ہاتھ دھو بیٹھنا بے مثل ٹکڑا ہے۔ یعنی اس سے بس اتنا ہی فائدہ متصور ہے کہ تو ہاتھ دھو بیٹھے باقی کچھ نہیں) کیونکہ دل جوش گریہ میں ایک ڈوبی ہوئی آسامی ہے (ڈوبی ہوئی اسامی وہ جس سے لگان وغیرہ وصول ہونے کی امید نہو) یعنی اس سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا ڈوبی ہوئی اسامی بھی اس محل پر خوب صرف ہوا ہے۔

اسامی جمع ہے اسم کی چونکہ زمیندار اپنے کاغذات میں فہرست وار کاشتکاروں وغیرہ کا نام لکھتے ہیں اس صورت سے اسامی مستقل کاشتکاروں و قرضداروں وغیرہ کے معانی کے لیے موضوع ہوگیا۔ اور یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے قارورہ جسکے اصل معنی شیشی کے ہیں چونکہ طبیبوں کو اس میں رکھکر پیشاب دکھاتے ہیں اسواسطے اسکے مستقل معنے پیشاب کے مقرر ہو گئے۔ اس قسم کے ہزار ہا الفاظ مل سکیں گے۔ فارسی میں اسی قسم کے محاورے بہت ہیں۔

اس شمع کی طرح سے جسکو کوئی بجھا دے　　　میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

جس شمع کو کسی نے بجھا دیا ہو اور وہ تمام تر جلنے پائی ہو میں بھی ایسا ہی ہوں کہ پورے طریق سے جلنے نپایا تھا کہ مجھے بجھا دیا۔ اور میں اس سے جلگیا ہوں۔ اسی مضمون کا یہ شعر ہے جو گذر چکا۔

جلتا ہو دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے — اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

کیا تنگ ہم ستمزدگاں کا جہان ہے — جسمیں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہم غمزدوں ستم رسیدوں کا جہان اتنا تنگ ہے کہ ایک بیضہ مور آسمان کی برابر ہے یعنی جہان میں ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہو۔ (ستمزدگاں) اچھا نہیں ہو۔

ہی کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

کائنات کی حرکت تیرے ذوق کی وجہ سے ہے۔ یعنی شوق میں تیری طرف دوڑ رہی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ آفتاب کے پرتو سے ذرہ میں جان پڑ جاتی ہے۔

حالانکہ ہی یہ سیلیٔ خارا سے لالہ رنگ — غافل کو میرے شیشہ پہ مے کا گمان ہے

میرا شیشہ پتھر کی چوٹ کھا کر لالہ رنگ ہو رہا ہے لیکن غافل کو یہ گمان ہے کہ اسمیں شراب سرخ بھری ہے۔

کی اُسنے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا — آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

وہ سینہ اہل ہوس یعنی رقیبوں میں جا کر رہا ہے اوسے پسند کیوں نہ آئے وہ مکان ٹھنڈا ہے یعنی اونکے دلوں میں سوز عشق تو ہے نہیں۔ (جا گرم کرنا) فارسی کا ترجمہ ہے جو ٹھنڈے مکان کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ مگر کچھ اچھا نہیں ہو۔

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا — بس چپ رہو ہمارے بھی مُنھ میں زبان ہے

کیا آپنے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس رہنے دو خفا نہو ہمارے مُنھ میں بھی زبان ہے کچھ اور مُنھ سے نکلجائیگا۔ ایسے مضمون کا ایک شعر انور دہلوی شاگرد مرزا غالب و ذوق مرحوم کا مجھے یاد ہے جو بہت ہی خوب ہے۔

س نہ میں سمجھا نہ تم آئے کہیں سے — پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں — فرماں روائے کشور ہندوستان ہے

جو سایۂ دیوار یار میں بیٹھا ہو وہ گویا ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ چونکہ ہندوستان بھی کالا ملک ہے اور سایہ بھی سیاہ ہے اسواسطے ہندوستان کی تخصیص بیجا نہیں ہے۔ اسمین علامت نون بعد اضافت کیا گیا ہے جو اب متروک ہے مگر غالب اور ذوق وغیرہ کے وقت تک جائز تھا اور اس قسم کے اشعار ان بزرگوں کے کلام میں اکثر مل سکتے ہیں۔

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا — کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

میرے جگر کو داغ غم نے ایسا کھا لیا۔ کہ اب اگر کسی سے یہ کہوں کہ میرا داغ جگر کا نشان ہے تو کسیکو میرے اس کہنے کا یقین نہیں آسکتا۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ اسکے جسم میں پہلے جگر تھا بلکہ سب جھوٹ سمجھیں گے کسیکا شعر ہے۔

ہوتا جو دل تو تم کو دکھاتا میں داغ دل — اب کیسا دکھاؤں اب تو نہ دل ہے نہ داغ ہے

ہے یار سے اعتماد وفاداری اسقدر — غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

ہم اس سے خوش ہیں کہ وہ ہمیں نامہربان ہے کیونکہ ہم اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اسکو وفاداری کا اعتماد ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ہم کیسے ہی نامہربان ہوں لیکن وہ وفا کو ترک نہ کرے گا۔ یا یہ کہ اسکے عہد بیوفائی کے ایفاء سے ہم خوش ہیں۔

درد میرے سے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے — کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

اے ظالم میرے درد سے تجھکو بیقراری ہے ہائے تیری غفلت شعاری کیا ہو گئی کہ میں مرتا اور غم کرتا تھا تجھے اوسکی پروا بھی نہ ہوتی تھی۔ یہ غزل تمام اپنی معشوقہ کے مرثیہ میں کہی ہے یا کسی دوسرے کو اوسکے معشوق کا مرثیہ لکھکر دیا گیا ہے۔ مگر جیسے درد کے شعر ہیں اس سے صاف صاف یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ سب آپ بیتی ہے دوسرے کے لئے ایسے درد انگیز اشعار نکلنا محال ہیں۔

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ　　　تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

اگر تو مجھے رنجیدہ دیکھکر برداشت نہ کرسکتا تھا تو تو نے میری غمگساری کا کیوں دم بھرا تھا مجھ سے بیخبر رہنا تیرے لئے اچھا تھا۔

کیوں مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال　　　دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

تو نے میری غمخواری کا ارادہ کیا تھا۔ مگر میرے درد کی تو تاب نہ لاسکا اور آخر اپنی جان کھو دینی پڑی گویا میرے ساتھ دوستی کرنا اپنے ساتھ دشمنی تھی۔

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا　　　عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

اگرچہ تو نے میرے ساتھ عمر بھر کے لیئے وفا کرنے کا عہد کر لیا تھا۔ مگر کیا فائدہ ہوا کمبخت عمر بھی تو ناپائدار ہے آخر اُسنے دغا دی۔ تو خود مجھ سے جدا نہوا تو اُسنے جدا کر دیا۔

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی　　　یعنی تجھسے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

مجھے زندگی کی آب و ہوا زہر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسکی تجھ سے موافقت نہ تھی۔ لہذا جو کہ وہ تیری دشمن تھی میں بھی اوسکا دشمن ہوں اور وہ مجھے بُری معلوم ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ تیرے مرنیکی وجہ سے اب میرا بھی جینے سے دل بیزار ہے۔

گلفشانیہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا　　　خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

کبھی تیرا جلوہ گلفشانی کیا کرتا تھا۔ اور آج یہ وقت ہے کہ تیری قبر پر لالہ کاری ہو رہی ہے اور پھول برباد ہوئے جا رہے ہیں۔ ہائے تیری گلفشانیٔ جلوہ کو کیا ہو گیا۔

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں　　　ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

تجھے عشق کی رسوائی پسند نہ آئی اور اس شرم سے نقابِ خاک میں جا چھپا۔ الفت و محبت کی پردہ داری تو نے ختم کر دی۔ اس سے زیادہ کوئی رسوائی عشق کو کیا چھپائیگا۔

حکیم مومن خاں مرحوم نے بھی اپنی معشوقہ کے مرثیہ میں پردہ کا ایک شعر کہا ہے جو حد سے زیادہ درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

؎ بے پردہ جسکو صحن میں دیکھا نہ تھا کبھی　　لاش اوسکی جائے ہے سر بازار ہائے ہائے

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی　　اٹھ گئی دنیا سے رسم و راہِ یاری ہائے ہائے

شرم پیمانِ محبت کو تو نے خاک میں ملا دیا۔ دنیا سے راہ و رسمِ محبت اٹھ گئی تو نے مجھ سے بیوفائی کی گویا اس شعر میں شکایت کر رہے ہیں۔ مگر اس سے درد مترشح ہوتا ہے اور یہ ایک بین ہے۔

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا　　دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

میرے دلبر ابھی تیغ محبت نے گہرا زخم نہ کیا تھا کہ تیغ زن کا ہاتھ ہی بیکار ہو گیا۔

کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ برشکال　　ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

میری آنکھوں کو عادت پڑی ہوئی ہے کہ میں رات کو تیرے انتظار میں تارے گن گن کر تمام کروں مگر اب یہ برسات کی اندھیری راتیں ہمسے کیونکر کٹیں گی کہ نہ تارے ہونگے نہ تیرے ملنے کی امید ہوگی رغبت برشکال میں وصلِ معشوق زیادہ لطف دیتا ہے شعرا کے یہاں ایسے مضمون بہت ملتے ہیں۔ اسی مضمون کا داغ مرحوم کے یہاں ایک شعر ہے

شب تاریک میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے　　کاش گنتے جو نہ دو چار ستارے ہوتے

گوشِ مہجورِ پیام و چشمِ محرومِ جمال　　ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

نہ کان کو کوئی مژدہ پیام سننے کو ملتا ہے اور نہ آنکھ کو جمال یار دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہائے ہائے ہمارے پہلو میں ایک دل ہے اور اس پر یہ نا امیدواری ہے۔

مولانا نظم صاحب لکھتے ہیں کہ لکھنؤ کے شعرا میں آتش و ناسخ وغیرہ اور دلی میں ذوق و مومن وغیرہ مصنف کے زمانہ سے کسی قدر پیشتر ہی ہیں۔ تس پر کسی کے کلام میں نہیں ہے نہ لکھنؤ نہ دلی میں عرصہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے مصنف کے قلم سے اس لفظ کا نکلنا نہایت

حیرت ہے۔ اور یہ لفظ اسبات کا شاہد ہے کہ مرزا نوشہ مرحوم کی زبان دتی کی زبان سے کسی قدر علیحدہ ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ لفظ آجتک دہلی کے روزمرہ میں داخل ہے۔ مجھے یہ یاد ہے کہ مومن خاں کے یہاں میں نے یہ لفظ کئی جگہ دیکھا ہے اور غالباً ناسخ کے یہاں بھی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے شعر یاد نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکا استعمال عام ہے مثال کے لئے میں دو ایک شعر لکھتا ہوں۔

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجئے کیونکر	ایک تو یار ہے اور تسپہ طرحدار بھی ہے
مجروح ہے سب سینہ تسپر ہے نمک پاشی	آنکھوں کے لڑانے کا ہم خوب مزا دیکھا
طاقت نہیں ہے جان میں کڑھنا تعب ہے اور	بے لطفیاں کرو ہو یہ تسپر غضب ہے اور

راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر نائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ۔

بحر ہستی میں ترا جسم ہے مانند حباب	تسپہ اکڑم کی ہوا کھانے پہ سر ہے تو
اے ال از ار تو ہی کر انصاف	ہے یہی طرز دلربائی کی
عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار	آہ تسپر بھی بے وفائی کی

لیجئے ناسخ کی ایک رباعی یاد آئی۔ اسمیں تسپر بندھا ہوا ہے۔

ہرچند ہوں پیر اور سر پر ہے اجل	تسپر نہیں بیٹھ کے سوا فکر عمل
ہے رشتہ عمر مختصر سا لیکن	شیطاں کی آنت ہے مرا طول امل

نظیر اور میر درد کے یہاں بھی بہت ہے میر حسن کے یہاں بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ مولانا نے اپنی شرح میں صرف اپنی معلومات سے کام لیا ہے تحقیق کو دخل نہیں دیا۔ ایک جگہ مرزا غالب مرحوم نے غلطی لکھا ہے اُسے بھی غالباً غلط بتایا ہے۔ اوّل تو غلط کہا ہے پھر یہ کہکر ٹال گئے ہیں کہ ہندیوں کا تصرف ہے۔ فرماتے ہیں کہ قدیم اردو میں بھی "ی" نہیں بڑھائی گئی تھی۔ اور اسپر میر تقی مرحوم کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

غلط اپنا کہ اس جفا جو کو	سادگی سے ہم آشنا سمجھے

مگر یہ خیال نہیں فرمایا کہ میر صاحب یوں بھی فرماتے ہیں

سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو	وہ یاد فراموش تھے ہمکو نہ کیا یاد

یا یوں سمجھئے کہ غالب اساتذہ مسلم الثبوت ہیں۔ اگر بھول کر ایک جگہ غلطی ہوگئی تھی تو دوسری جگہ نہ ہوتی۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

ع دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار اسدؔ — غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ — رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

میرے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ اختیار کیا تھا کہ معشوق نے جان دیدی۔ مجھے جو اسکے عشق میں ذلت وغیرہ کی خواہش تھی وہ دل ہی میں رہ گئی۔

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے — تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

مجھے اپنی سرگشتگی کے سبب اپنی زندگی سے ناامیدی ہوگئی ہے لہذا میری تسکین کو نوید پہنچا دے کہ تیری خوشحالی کا زمانہ قریب ہے۔ مجھے اپنے مرجانے کی امید ہے۔ یعنی میں وہ دیوانہ ہوں کہ مرکر مجھے تسکیں ہوگی۔

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر — اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

اب تک سے یہ معنے پیدا ہوتے ہیں کہ میرا دل مٹ گیا تباہ ہوگیا۔ اور وہ اسکی اس خیال سے خبر نہیں لیتا کہ میرا دل ابھی تک میرے پاس ہے۔

کیجئے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک — ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

اپنے تپ غم کا سرور کیا بیان کروں کہ اس کی وجہ سے میرا ہر ایک موئے تن زبان سپاس بن گیا ہے قاعدہ ہے کہ جب تپ چڑھتی ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اوسیکو زبان سپاس کہا گیا ہے تلک اب متروک ہے۔ اگرچہ بقول مولانا نظم بلاوجہ ہے۔ کیونکہ یہ لگ اور تین کے بعد پیدا ہوا۔ اب بجائے تلک کے تک صحیح ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ زبان کے دائرہ کو بلا وجہ تنگ کرتے جاتے ہیں اول تو خیال کیا جائے کہ اردو زبان خود ہی ایسی تنگ ہے کہ جو مضامین دوسری زبانوں میں چار چار سطر میں ادا ہو جاتے ہیں اسکے لیے چار چار صفحے دیکھے جاتے ہیں مگر آپ پھر بھی چین نہیں ہے۔

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

وہ جو میری قدر نہیں کرتا اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ناحق پسند اور جفا کیش ہے نہیں اسکے پاس دل حق شناس ضرور ہے مگر غرور حسن اسکو اسطرف متوجہ نہیں ہونے دیتا - ایک جگہ فرماتے ہیں

پی جسقدر ملے شبِ مہتاب میں شراب اس بلغمی مزاج کو سردی ہی راس ہے

جسقدر شب مہتاب میں شراب ملے پی - کیونکہ شب مہتاب کا مزاج بلحاظ سردی - یا بلحاظ رنگ - یا بوجہ مرطوب ہونے کے بلغمی ہے - اور بلغم میں گرم دوائیں دیجاتی ہیں کیونکہ اکثر حکماء علاج بالضد کرتے ہیں -

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

ہر ایک مکان کی رونق مکیں سے ہوتی ہے مجنون جو مر گیا ہے تو جنگل ویران معلوم ہوتا ہے -

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ بے وقوف ہیں ان کو خاموش رہنا مناسب ہے تاکہ ان کے راز کسی پہ کھلیں اگر یہ واقعی ہے تو میں بہت خوش ہوں کہ مجھے ہر وقت خاموش بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی ہے میرا راز کوئی نہ سمجھ سکیگا - مگر یہ خیال غلط ہے میری خاموشی ایسی ہی جو میرے لیے اور الٹی غماز سب سے زیادہ ثابت ہوگی -

دوسرا پہلو اسمیں یہ بھی ہے کہ خاموش رہنے کا صرف اک یہ فائدہ ہے کہ کوئی راز دل پر وقوف نہیں پا سکتا ہے مگر میں خوش ہوں کہ میں وہ مجذوب ہوں کہ اگر میں خاموشی سے بھی کام نہ لوں تب بھی کوئی میری بے تکی بڑ کو سمجھ نہیں سکتا ہے - یعنی یہاں بغیر خاموشی ہی فوائد خاموشی حاصل ہیں -

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلا دل فردِ جمع و خرچِ زباں ہائے لال ہے

میں اپنی حسرت اظہار کا کس کے سامنے گلا کردوں بس میرا دل ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ کسقدر مجھے حسرت دل کا اظہار کرنا چاہیئے تھا اور زبان سے کسقدر اظہار ہو سکا۔ گویا میرا دل ایک جمع اور خرچ کی فرد ہے۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر حسرت اظہار اسمیں جمع ہے وہ زبان کے ذریعہ سے کچھ بھی خرچ نہیں ہو سکی ایک جگہ ایسے ہی مضمون کا ان الفاظ میں اظہار کرچکے ہیں۔

۵ نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے میری نظر میں ہے سب جمع و خرچ دریا کا

کس پردہ میں ہے آئینہ پرداز اے خدا رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

اس شعر میں آئینہ پرداز کے معنے غالباً جلوہ گر ہونے کے لئے ہیں یعنی اے خدا رحمت جو لب بے سوال کی طرف سے عذر خواہی کرتی ہے وہ کس پردہ میں حیران اور سرگشتہ جلوہ گر ہو رہی ہے۔ میں لب بے سوال رکھتا ہوں میری وہ عذر خواہی کیوں نہیں کرتی۔ اور مجھ پر رحم کیوں نہیں ہوتا۔

جناب نظم صاحب کی شرح کا مطلب اگرچہ میں نہیں سمجھا۔ مگر لکھے دیتا ہوں خدا جانے کیا فرمایا ہے ممکن ہے کہ ناظرین سمجھیں لب بے سوال کا بے نفس ہونا ضرور ہے اور لب بے نفس کو نفس و بے سوال اس مناسبت سے کہا ہے کہ نفس کے پہونچنے سے آئینہ مکدر ہو جاتا ہے۔ تو ضرور ہوا کہ آئینہ پرداز سے ملنے کی خواہش لب بے سوال سے کرنا چاہیئے اور آئینہ پرداز وہ جو آئینہ کو جلا کرے رحمت کا فعل محذوف ہے یعنی رحم کر۔

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

اے شوق تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے دشمن کو دوست سمجھکر اوسے اپنا دل دیدیا یہ تیرا خیال غلط ہے وہ ہمارا دشمن نہیں ہے بھلا وہ اور دشمنی خدا نکرے یہ تیرا خیال اس قابل ہے کہ تو اسپر شرمندہ ہو۔ یا یہ کہ اے شوق تو جو شرمندہ ہے کہ ہم نے دشمن کو دوست سمجھنے میں غلطی کی یہ تیری شرم کے خلاف اور بیجا ہے وہ دشمن نہیں ہے فی الحقیقت دوست ہے بھلا وہ اور دشمنی کا شیوہ اختیار کرے گا۔ ایک جگہ فرما چکے ہیں۔

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ میں اور خدا نکردہ تجھے بیوفا کہوں

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان — نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

چونکہ حضرت علی وہاں پیدا ہوئے یا وہاں تھے محض اسکی وجہ سے لباس کعبہ مشکیں ہے ایہام کیا ہے۔ یعنی لباس کعبہ خوشبودار ہے حالانکہ لباس سیاہ ہے۔ لہٰذا اُسی سیاہ کو مشکیں کہہ کر خوشبودار کے معنٰی نکالے اور پھر نتیجہ مرتب کیا کہ اسکا مشکیں ہونا کچھ اسوجہ سے نہیں ہے کہ اسکو نافِ زمین کہا گیا ہے۔ نافِ غزال خوشبودار ہوتی ہے اور مشک وہاں سے نکلتا ہے نہ کہ نافِ زمیں سے۔ یا مشکیں سے مراد دونوں جگہ سیاہ لیجئے مگر محض سیاہی میں کچھ قدم حضرت علی کرم اللہ وجہ کی تعریف نہیں نکلتی۔ یہ مضموں غالباً مصنف ہی کا ہے ایک جگہ فارسی میں بھی فرماتے ہیں۔

؂ از کمر تش نافِ زمیں نافِ غزال ست — مشکیں زچہ شد ور نہ لباس حرم آیا

وحشت پہ میرے عرصۂ آفاق تنگ تھا — دریا زمین کو عرق انفعال ہے

میری صحرا نوردی کے موافق چونکہ زمین پر میدان اور جنگل نہ تھے اور یہ اتنی وسیع نہ تھی تو زمین کو شرمندگی ہوئی اور پسینہ آیا۔ یہ دریا نہیں ہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ یہ اُسکا پسینہ ہے۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

عالم دنیا محض ایک دھوکے کی ٹٹی یعنی حلقۂ دامِ خیال ہے اسکے فریب میں نہ آنا۔ یعنی ہستی ایک خیالی جال ہے اور اسی میں ایک عالم پھنسا ہوا ہے ورنہ دراصل ہستی کوئی چیز نہیں ہے۔ مت متروک آجائیو غیر فصیح آنا صحیح۔ اسی مضمونکا یہ شعر ہے

؂ ہاں کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو — حذر کرو مرے دل سے کہ اسمیں آگ دبی ہے

آخر تم اُن شکووں کو جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں کھود کھود کر کیوں پوچھتے ہو مناسب یہی ہے کہ اس ذکر کو چھوڑ دو کیونکہ جن کو تم شکوہ سمجھے ہو وہ دراصل شکوہ نہیں ہیں بلکہ آگ ہے۔ ممکن ہے کہ بھڑک اُٹھے اور فتنہ فساد کو اشتعال ہو۔

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر — نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

اے دل اس درد والم سے گھبرانا فضول ہے کیونکہ آخر کو یہ تمام دردوں سے نجات دہندہ ثابت ہوگا یہ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت سے یہ درد والم کچھ دنوں رہا تو ہمارا کام تمام کر دے گا اور کام تمام ہوا تو یہ آہ نیم شبی اور گریہ سحری سب ناپید ہو جائینگے ۔

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا — ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

تیرے خط کا کاغذ پر وفا گویا ایک حرف غلط تھا ۔ جو صرف ایک جگہ لکھا تھا سو یہ خود بخود مٹ گیا

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں — ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے

ظاہر تو اسکا یہ مطلب ہے کہ ہمارا دل ذوق فنا کی ناتمامی اور ناکامی پر کیونکر نہ جلے باوجودیکہ ہماری آہ اسقدر آتشبار ہے مگر پھر بھی ہم جل نہیں جاتے ۔
دوسرا مفہوم وہی طلب کا مسئلہ ہے جسکو مصنف پانچ چار جگہ نظم کر چکا ہے ۔

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے — اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا — ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

جب آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں تو اس سے بھی آواز نکلتی ہے ۔ تو حاصل یہ ہوا کہ عاجزی کے وقت ہر کسی کے منھ سے فریاد نکل جاتی ہے ۔

ہے وہی بدمستئ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ — جسکے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

جسکے جلوہ سے زمین سے لیکر آسمان تک کائنات کا ایک ایک ذرہ سرشار اور بدمست ہو رہا ہے وہ اس بدمستی کا خود ہی عذر خواہ ہے کہ میرا جمال اور حسن ایسا ہے جس سے ہر کوئی بدمست اور سرشار ہونا چاہیے ۔

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی — زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

مجھسے یہ نہ کہہ کہ تو ہمکو اپنی زندگی کہا کرتا۔ خیر یہ بھی سہی کہ تیری جُدائی کے سبب یا دینے انکار کی وجہ سے آجکل میرا دل زندگی سے بھی بیزار ہے۔ گویا معشوق ان کو منا رہا ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جائے کہ مجھکو حسرتِ دیدار ہے

میں نے عنوان نامہ (سرنامہ) پر اپنی آنکھ کی تصویر اسواسطے کھینچدی ہے کہ کم از کم تجھے یہ معلوم ہوجائے کہ مجھے دیدار کی حسرت ہے۔ ذوق

؎ یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مُہر
آنکھ اپنی ہو لفافہ خط پر لگی ہوئی

پینس میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

میرے کوچہ سے اونہیں ایسی نفرت ہے کہ جب پالکی میں سوار اودھر سے گذرتے ہیں تو اگر کہار کندھا بدلنا چاہتے ہیں تو بدلنے نہیں دیتے کہ یہاں اتنی دیر بھی نہ ٹھہرنا چاہیے۔ یا بیان ظلم وستم معشوق مراد ہے کہ ایسا ظالم ہے کہ میں دیکھتا ہوں جب وہ میری گلی سے گذرتا ہے تو کہاروں کو کندھا بھی نہیں بدلنے دیتا۔ لفظ پینس۔ اور پنیس دونوں صحیح ہیں اسیطرح کاندھا اور کندھا دونوں درست۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ یہ ایک رکیک مضمون ہے۔ مگر اسکی رکاکت ہمیں معلوم نہیں کہ اُسپر کچھ لکھیں۔ افسوس ہے کہ گدایاں کوانسے کے مضمون رکیک نہیں ٹھہرائے جاتے اور جو مضامین واقعاتی ہیں اور صحیح ہیں اونکو رکاکت سے متہم کیا جاتا ہے یا للعجب

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

میری ہستی ہستی نہیں حیرت آباد کی ایک فضا ہے۔ جسمیں نام نالہ مثل عنقا موجود ضرور ہے مگر نالہ کا کہیں پتہ نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ حالت حیرانی میں انسان نہ نالہ کرسکتا ہے نہ فریاد کرسکتا ہے۔ یعنی میں سراسر حیران ہوں نالہ وغیرہ کچھ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حیرانی سے مجھ میں نالے کا نام باقی ہے مگر اسکا وجود نہیں ہے۔

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کسکو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

ہم خزاں اور بہار سے کچھ مطلب ہی نہیں رکھتے کوئی موسم ہو ہمیں بال و پر کے ماتم کے سوائے اور کوئی کام نہیں ہے - اس شعر کی بندش نہایت چست ہے۔

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم — اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کسنے دیکھا ہے

معشوقوں کی وفا اتفاقی ہے ورنہ جذب وفا میں یہ تاثیر نہیں کہ وہ کسی کو مہربان کرے یا آہ و فریاد سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ معشوق اُس کو سنکر وفا کریں - یہ ایک امر اتفاقی ہے۔

۵ آہ کا کسنے اثر دیکھا ہے — ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی — کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

میری شوخیِ اندیشہ سے رنج یاس و نا امیدی اُٹھ نہ سکا - حالانکہ یہ مایوس ہو چکی ہے اور یہی خیال سے یہ ہاتھ مل رہی ہے گرانسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ از راہ تجدید بیعت تمنا اسکا یہ فعل ہے اور نکتہ اسمیں یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کے فوت ہونے کا افسوس کر کے ہاتھ ملتا ہے تو گویا وہ از سر نو تمنا کرتا ہے کہ ہائے ایسا ہو جاتا تو کیا اچھا ہوتا - آہ ایسا کیوں نہ ہوا -

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے — نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

اے ظالم عاشق بیمار پر اب بھی تو ستم کرتا ہے اب وہ قابل رحم ہے اور اسکی ہستی اب کوئی ہستی نہیں ہے جس سے بقدر نبض رکھا جائے - بیمار وفا کی نبض چراغ کشتہ کا دھواں ہے کہ وہ بتدریج کم ساور سرد اور کمزور ہوتا جاتا ہے اسی صورت سے آخری وقت کی نبض ہوتی ہے آخری وقت نبض کی جو حالت ہوتی ہے اُسے حکما نے یوں لکھا ہے - ہو غایۃ الصغر والتواتر دیکون عن کمال سقوط القوۃ وقرب الموت مولانا نظم نے اس آخری نبض کو دودی لکھدیا ہے دودی کمزور ضرور کرتی ہے گر وہ بالکل قوت کو ساقط نہیں کرتی - اسکی تعریف یہ ہے صورتہ کالموجی فی الشہوق الا انہ لیس بعریض ولا ممتلی -

ویدل علی سقوط القوۃ لکن لا بتماہیاہ مصنف کی تشبیہ یقیناً نملی سے زیادہ بدیع ہے غالب

۵۔ دنبالۂ صرفہ بنج کو آخر رسید کار   شمع خموشیم و ز سرم دود میرود

دل لگی کی آرزو بےچین رکھتی ہے ہمیں   ورنہ یاں بےرونقی سود چراغ کشتہ ہے

کیا کریں ہم کو دل لگی کی آرزو مجبور کرتی ہے ورنہ چراغ کی بےرونقی سے جیسے کہ اسکو فائدہ پہونچتا ہے ایسے ہی عشق نہ کرنے سے ہمکو بھی فائدہ پہونچے گا۔

غرض یہ کہ دل لگی کی آرزو ہی ہماری تباہی کا پیش خیمہ ہے اگر ہم اسے چھوڑ سکیں تو نفع میں رہیں۔

اگرچہ ظاہرا یہ زمین بڑی ٹھہری معلوم ہوتی ہے مگر ہم نے دیکھا ہے کہ غالب نے مشکل سے مشکل زمین بھی ایسی اختیار کی ہے جسمیں اگر فکر کی جائے تو ہر شخص کچھ نہ کچھ اچھے شعر نکال لیگا اس سے غالب کے مذاق سلیم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بخلاف دیگر حضرات کے کہ اونکی نکالی ہوئی سنگلاخ زمینیں گویا کہ انہیں کے واسطے تھیں۔ باقی ہیچ۔

بعض آدمیوں کا خیال ہوتا ہے کہ ہمیشہ سخت ترین زمینوں میں غزل لکھیں۔ مگر یاد رہے کہ وہ ہمیشہ اپنی طبیعت کو خراب کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مشکل زمینوں میں غزل لکھنے میں قافیہ پیمائی کے سوائے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا وہاں تو یہ فکر ہوتی ہے کہ مضمون کو کسی صورت سے اس قافیہ کے ساتھ گانٹھ دیا جائے باقی معانی کے لحاظ سے سوا آورد کے آمد کا کہیں نام نہیں ہوتا۔ اور یہ ضرور ہے کہ آورد میں معانی آفرینی کسیقدر کر لیجئے مگر سادگی۔ اصلیت۔ جوش۔ اثر وغیرہ سے شعر بالکل علیحدہ رہتا ہے اور یہ شاعری ایسی ہے جیسے تیلی کا بیل رات بھر چلنے کے بعد بھی صبح کو اپنی ہی جگہ پر ملتا ہے۔

چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے   سرمہ تو کہوے کہ دود شعلۂ آواز ہے

معشوق کی آنکھ اگرچہ خاموش ہے۔ مگر اس خاموشی میں بھی وہ سخنگوئی کرتی ہے اس پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ جو لوگ سرمہ کھا جاتے ہیں اونکی آواز نہیں نکلتی اور بستہ ہو جاتی ہے پھر آنکھ کہ جسمیں سرمہ موجود ہے اسکو آپ سخنگو کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ تو گویا دوسرا مصرعہ اس کا جواب ہے۔ کہ سرمہ سرمہ نہیں ہے اوس شمع کی آواز شل ایک شعلہ کے ہے اور یہ مسلم ہے کہ شعلہ سے دھواں اٹھتا ہے تو یہ سرمہ اس شعلہ کا جما ہوا دھواں ہے

تو کھوے - تو گویی کا ترجمہ ہے -

پیسکر عشاق سازِ طالع ناساز ہے نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

عشاق کے جسم گویا طالع ناساز کے لئے ساز ہیں اور نالہ اوسکے گردش ستارہ کی آواز ہے - حاصل یہ کہ عشاق طالع ناساز کے ہاتھ میں گویا ایک باجہ ہیں جس سے نالہ فریاد کی آواز نکلتی ہی - عشاق بھی فارسی میں ایک باجے کا نام ہی جیسے سعدی فرماتے ہیں -

ع درنالہ عشاق و نہاوند و حجاز است - اخیر سیّارہ سے مراد ستارہ بدقسمتی ہے

دستگاہ دیدۂ خونبار مجنوں دیکھنا یک بیابان جلوۂ گل فرش زیر انداز ہے

ذرا مجنوں کی چشم خونبار کی قدرت دیکھیے کہ تمام بیابان کو اوسکی آنکھ کے خونی آنسوؤں نے گلزار بنا دیا ہے اور اس صورت سے گویا مجنوں کے قدموں کے نیچے ایک پھولوں کا فرش بچھا دیا ہے -

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

اسمیں سہی یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ تو میرے عشق و محبت کو وحشت کہتا ہے اچھا میں بھی مانتا ہوں عشق نہ سہی وحشت ہی سہی - مگر یہ کیا کم ہی کہ میری وحشت سے تیری شہرت ہوتی ہی - نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم - یوں فرماتے ہیں

ع عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی میری ذلت تری عزت ہی سہی

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہی تو عداوت ہی سہی

ہم سے قطع تعلق نہ کیجئے اگر محبت نہیں کرتے تو عداوت ہی کیجئے - اس مضمون کو مصنف نے بہت جگہ لکھا ہی - جیسے کہ ع

وابستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہو کیجئے ہماری ساتھ عداوت ہی کیوں نہو

اب جفا سے بھی محروم ہم اللہ اللہ اسقدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

شیفتہ مرحوم اسی مضمون کو یوں باندھتے ہیں -

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہے　　نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

میرے مجمع نے میں ہی کیا رسوائی　　اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

اے کا لفظ یہاں بطریق ندا نہیں ہے بلکہ ایک محاورہ ہے - مگر یہ محاورہ اکثر عورتوں میں مستعمل ہے مطلب یہ ہے - کہ آپ کہتے ہیں کہ تو ہمارے یہاں نہ آیا کر کوئی ہم مجلس تو گرتے نہیں ہیں اسیکا یہ جواب دیتا ہے - کہ ارے صاحب وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی مگر میں ہوں گا تو آپ کی کیا رسوائی ہو جائے گی -

ہمیں محفل سے اٹھا دینے کی آخر وجہ بھی کوئی　　یہاں بیٹھے ہیں تو کچھ آپ کا نقصان کرتے ہیں

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے　　غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اسکے معنے مولانا نظم اور حسرت صاحب نے یہ لکھے ہیں - کہ کوئی ہم اپنے دشمن تھوڑی ہی ہیں کہ اسبات کا یقین کر کے کہ غیر کو تجھ سے محبت ہے پھر بھی تجھسے محبت کئے جائیں اور رشک رقابت میں جان دیں مگر غور کیا جائے - تو لفظ - بھی - اور سہی - اس بات کے شاہد ہیں کہ مصنف یہ نہیں کہنا چاہتا جو کچھ سمجھا گیا بلکہ مطلب یہ ہے - کہ غیر کو تجھ سے محبت ہے تو سہی - ہم بھی جانتے ہیں - مگر ہم بھی تو دشمن نہیں ہیں ہم بھی تو اپنے ہی ہیں - ہمکو بھی تجھ سے محبت ہے پھر ہمکو اوسکے مقابلہ پر ذلیل کیوں سمجھا جاتا ہے -

شیفتہ مرحوم نے الفت کا قافیہ خوب کہا ہے -

میرے آزار کی ہمت ہی سہی　　تمکو الفت ہے تو الفت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو　　آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

یعنی جو کچھ حاصل کیجئے اپنی ذات سے حاصل کیجئے دوسرے کی منت پذیری بہت بری ہے - اسمیں ایک پہلو تصوف کا یہ بھی نکلتا ہے - کہ جو کچھ حاصل کرو اپنی ہستی اپنی ذات سے حاصل کرو - چاہے وہ غفلت ہی کیوں نہو اور جب اپنی ذات سے غفلت حاصل کی تو یہ عین آگاہی ہے

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام　　　دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

اگرچہ عمر بہت جلد گذر جاتی ہے تو اتنی فرصت تو ہے کہ اپنے دل کو خون کر ڈالیں - برق بھی گویا ابر کا خوں شدہ دل ہے - یہ شعر بھی خوب ہے -

شیفتہ اگرچہ جام عمر در تنگ حرماں　　　پھر بھی فرصت ہے تو فرصت ہی سہی

اگرچہ یہ شعر بھی بہت خوب ہے مگر غالب کے یہاں نیا مضمون ہے - اور شیفتہ مرحوم نے ایک خوبی کے ساتھ پرانے پامال مضمون کو باندھا ہے -

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں　　　نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کیا یہ سمجھ کر عشق سراسر مصیبت ہے - یا عشق میں سب ہی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے ہم وفا ترک کر دیں گے ایسا نہیں ہو سکتا -

؎ موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے　　　آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف　　　آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

اے آسمان ناانصاف مجھے کچھ تو دے - اگر میری مراد نہیں دیتا - تو آہ و فریاد کی اجازت تو دے تو نے وہ کیا ہے کہ ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے　　　گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

ایک جگہ یوں کہہ چکے ہیں ؎

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی　　　ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیئے

اس شعر میں حسرت و ارزو کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور اگرچہ اس میں لفظ رخصت استعمال کیا گیا ہے جو اردو میں بجائے اجازت کم مستعمل ہے مگر اس شعر میں نہایت لطیف ہے -

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے　　　بے نیازی تری عادت ہی سہی

ابھی تو ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تو بے نیاز ہے اور عجز و نیاز وغیرہ سے کچھ کام نہیں چلتا۔ اب معلوم ہوا کہ بے نیازی تیری عادت ہی ہے لہٰذا اب ہم بھی تسلیم و رضا کی عادت ڈالیں گے کہ تیری بے نیازی کو بخوشی خاطر برداشت کر سکیں۔

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ — گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یار سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چلی جائے کچھ نہیں تو اظہار حسرت و ارمان کی حسرت ہی سہی اس سے یہ لطیف معنے بھی پیدا ہوتے ہیں کہ ہم جو اسکو حال سنانے کے لئے مجبور کرتے ہیں تو وہ اسکو چھیڑ سمجھتا ہے۔ اچھا خیر یہ چھیڑ جاری رہنی چاہیئے۔

مومن ہاں جوش تپش چھیڑ چلی جا گر یر تو — چھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہو گا

اس زمین میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا مقطع اور رنگین شعر قابل داد ہیں۔ تفریح طبع ناظرین کے لیے لکھنے پر مجبور ہوں۔

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام — عشق کی آپ سے نسبت ہی سہی
دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے — قتل کی میرے ندامت ہی سہی
سب فسانہ کا نہیں ہے جو دماغ — ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی
ناشکیبی کی دعا مانگیں گے — صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی
ہجر تو جائے جو ہو جائے وصال — وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی
کیجئے اغیار سے ملنا موقوف — مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی
وصل اغیار سے بیوجہ نہیں — میرے مرجانیکی عبرت ہی سہی
دعوی الفت و بیتابی حیف — گر اذیت ہے اذیت ہی سہی

میری خاطر سے پئے شیفتہ دل
غیراوں سے تمھیں نفرت ہی سہی

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے — صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

میں دیوانہ ہوں۔ ہرزہ گردی۔ اور بیاباں نوردی۔ بے آرامی وغیرہ میرے لیے بہت ضروری چیزیں ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر جو میں وطن میں بیٹھ رہا ہوں۔ تو صبح وطن

میرے اوپر ہنس رہی ہے اور اُسکا ہنسنا بجا ہے کیونکہ آرام دراصل میرے لئے نہیں بنا ہو یہی بات ہے جسے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہو اور مضمون کو بالکل نیا کر دکھایا ہے۔

~ نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی

ڈھونڈے ہے اُس مغنّیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

ایسے گانے والے آتش نفس کا گانا سننے کو جی چاہتا ہو جسکی آواز میرے حواس و ہوش عقل جان و دماغ کے ساتھ بجلی کا کام کر جائے۔ یعنی آواز کا شعلہ مجھے پھونک دے۔ یعنی ایسا مست و بیخود ہوں کہ میری ہستی کا نشان باقی نہ رہے مولانا حالی مرحوم ایک شعر لکھتے ہیں

ڈھونڈتا ہی دلِ شوریدہ بہانے مطرب
دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

وادیِ خیال کو اس مستانہ روش سے طے کر رہا ہوں کہ اب مجھے اُس استغراق سے اپنے میں آنیکا ہوش ہی باقی نہیں ہو اور اس راستہ کو مستانہ طے کرنیکی وجہ بھی یہی ہے کہ میں کسی خیال میں غرق ہو کر پھر ہوش میں نہیں آنا چاہتا۔ کروں ہوں متروک ہے۔

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

چونکہ تو باغ میں بے حجابیاں کرتا ہو۔ اور نکہتِ گل اسکا حظ اُٹھاتی ہے اسی بنا پر اب مجھے نکہتِ گل سے شرم آتی ہو کہ وہ میری ایک کامیاب رقیب ہے۔ اب میری نظر اُسکے سامنے نہیں اُٹھتی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

چونکہ میں نے ہمیشہ عاشقانہ شعر پسند کئے۔ لوگوں نے میرا حالِ دل اس سے معلوم کر لیا اور سب مجھکو عاشق سمجھ گئے نظیری نیشاپوری کہتا ہے ~

ماز ویرنیہ زرخ پردہ بر انداخت دریغ
حالِ ما شہرہ با نشائے غزل ساخت دریغ

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالبؔ ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

جب ہماری زندگی اس صورت سے گذری کہ کبھی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی کبھی کوئی حقیقی خوشی نصیب نہیں ہوئی تو ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ ہمارے کوئی خدا تھا - بالکل اسی مضمون کو فارسی میں لکھا ہے -

ع گفتنی نیست کہ برغالبؔ ناکام چہ رفت میتواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

اگرچہ غیروں سے اونکے اشارے ہوتے رہے - مگر اُسکی محفل میں میں غیرت سے کام نہیں لے سکتا - مجبوراً بیٹھا رہا نہ بیٹھتا تو کیا ہوتا مجبوراً جلکر اپنے گھر چلا آتا - اور یہ بھی مجھے منظور نہیں تھا -

یا یہ کہ لوگ مجھ پر آوازے کستے رہے پھر بھی بیٹھا رہا

دل ہی تو ہے سیاست دربان سے ڈر گیا میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

اگر تیر یا فولاد تو ہے نہیں میرے پہلو میں بھی اک دل ہے گیا تھا اس ارادہ سے کہ تیرے در پر صدا دوں مگر دربان کمبخت کا خوف معلوم ہوا مجبوراً بغیر صدا دئے ہوئے واپس چلا گیا ورنہ میں اور تیرے در سے بغیر فقیرانہ صدا لگائے ہوئے ٹل جاؤں (بن) مترادف بنا

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کئے

مدت سے آب و ہوائے بہاری کی دعوت نہیں کی ہے اس لئے مصلّے اور عمامہ گرو رکھکر شراب خریدتا پھرتا ہوں -

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

عمر اگرچہ کتنی ہی طویل ہو مگر پھر بھی بیفائدہ ہی گذر جاتی ہے - چنانچہ حضرت خضر بھی کل قیامت کے دن کہینگے کہ ہم اتنی طویل مدت تک دنیا میں رہے مگر ہم نے کیا کیا - اس میں

میں چار کاف ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں اچھے نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم   تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

اگر مقدور ہو تو خاک سے یہ پوچھوں کہ اے لئیم اتنے خزانے تجھ میں دفن تھے تو نے اُن سے کیا کام لیا۔ مقدور کا لفظ پتہ دیتا ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر دولت میرے پاس جمع ہو جائے تو میں لوگوں کو فائدہ پہونچاؤں۔ اور زمین کو طعنہ دوں کہ آخر تو نے مقدور خزانوں سے کیا کام لیا۔ یا کسی کو کیا فائدہ پہونچایا۔ نظم صاحب گنجہائے گرانمایہ سے وہ معزز لوگ جو مدفون ہو چکے ہیں مراد لیتے ہیں۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو   کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

جیسے فقرے تراشنا محاورہ ہے ایسے ہی تہمتیں تراشنا محاورہ ہے یعنی کس دن دشمنوں نے ہم پر تہمتیں بیجا لگا کر ہم پر ظلم نہیں کیا۔

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو یہ خو کہیں   دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

وہ وصل میں بغیر التجا بوسہ دینے لگا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بری عادت دشمن سے سیکھا ہو۔

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں   بھولے سے اسنے سیکڑوں وعدے وفا کیے

اگر اسے ضد چڑھ جائے تو خیر اسکا تو ذکر نہیں مگر واقعی اُسکی عادت بُری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر بھول گیا ہے تو بہت سی دفعہ اُسنے وعدے پورے کر دئے ہیں۔

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا   مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

غالب تم وہاں اس بھروسہ پر جاتے ہو کہ وہ ہماری داستاں کو سن لینگے۔ اچھا یہ بھی مانا۔ تم نے اپنا قصہ اونہیں سنایا۔ اور اُنھوں نے سن بھی لیا۔ مگر کیا وہ کچھ جواب بھی دینگے۔ اور تم ہی سوچو تمہیں بتاؤ کہ تمہاری بے تکی بڑوں کا وہ جواب کیا دینگے۔ یہ گویا کوئی غمخوار ہے جو غالب کو سمجھا رہا ہے۔

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے — اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

جیسے کہ گردش آفتاب سے حسیر صبح و شام کا ہونا منحصر ہے جس سے ہفتہ اور ماہ بنتے ہیں سال کا حساب کیا جاتا ہے اسی طرح سالِ عمر کا حساب برق سے کرنا چاہیئے یعنی عمر کے سال برق کی طرح تیز گذر جاتے ہیں۔ کیونکہ عمر کی رفتار اس راہ کو طے کر رہی ہے جو سراسر اضطراب ہے لہذا برق کو آفتاب بناکر اوس سے حساب کرنا مناسب ہے۔

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے — بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

بہار کی خوشی میں مینائے مے بہار نشاط کو جہ سے سرو معلوم ہوتا ہے۔ اور جلوہ شراب کی موج بال کشائی تدرو معلوم ہوتی ہے قمری اور سرو کا ذکر اکثر آتا ہے مگر مصنف نے ایسی ہی تشابیہ کا غزل ردیف ب میں ذکر کیا ہے۔

س پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب	دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

ایک جگہ اور مینائے مے کو سرو کہا ہے۔

س نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مستِ طرب	شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ایک جگہ شیشہ مے کو سرِ شیشہ باز کہا ہے۔

س ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے	ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

اس سے غالب کی مضامین آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا — نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

دوسرے ایک شعر میں گویا مصنف نے اسکی شرح خود لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی	نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

یہاں پائے ثبات لکھکر اور زیادہ نازک مضمون کر دیا ہے۔

جا داد بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت — غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

دنیا رنداں بادہ نوش کی جائے داد ہے اور غافلوں کا گمان یہ ہے کہ وہ گیتی خراب آوارہ

دنیا و بے سر و سامان زمانہ ہیں اگر وہ بے سر و سامان زمانہ ہیں تو ان سے زیادہ اور کون اچھا ہے ظاہر ہو کہ نشہ کی ترنگ میں اگر دونوں جہان کو اپنا سمجھ لیا جائے تو بھی روا ہے۔ کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اس حساب سے تمام دنیا کے وہ مالک ہیں

نظارہ کیا حریف ہو اُس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جسکے نقاب ہے

نظارہ کی کیا طاقت ہے کہ اُسکے جمال کو دیکھ سکے جسکے جلوہ کے لئے جوش بہار نقاب بنی ہوئی ہے یعنی اُس کے جلوہ میں اسقدر بہار ہے کہ جلوہ کو اُس نے چھپا لیا ہے۔ اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے مصنف نے یوں کہا ہے۔

ع نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

میں نے یہ مان لیا کہ چشم تصور سے میں ہر وقت تمکو دیکھ رہا ہوں سیا یونہی تمہارے رخ انور پر میری متحیر نگاہیں پڑ رہی ہیں مگر میں تو نامراد ہوں اس سے بھی میری مراد بر نہیں آئی یعنی دل کی تسلی نہیں ہوئی۔ ایک جگہ کہا ہے۔

ع غلط نہ تھا ہمیں خط پہ گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

اوس سے ترقی کر کے شعر ما نحن فیہ کہا گیا ہے۔

گزرا اسدؔ مسرت پیغام یار سے
قاصد پہ مجھکو رشک سوال و جواب ہے

اسد میں اس خوشی سے باز آیا کہ قاصد ہمکو پیغام یار سنائے گا۔ مجھے رشک آتا ہے کہ وہ اُس سے بات چیت کرے گا بیان میر تقی کہتے ہیں ع

رشک آنے سے ہے غمخوار مرا حال نہ کہنا
میں جانہ سکوں واں تلک اور میری خبر جائے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

میری بدقسمتی دیکھئے کہ کسی صورت سے اول تو میں اُسکو دیکھ نہیں سکتا اور اگر دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو اپنے اوپر خود مجھے رشک آتا ہے۔ بھلا میں اُسے دیکھوں مجھ سے کب دیکھا جاتا ہے

اسی مضموں کو مصنف نے کئی جگہ کہا ہے -

ع تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن — وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہی مجھ سے

غالباً اسیطرح میں دہلی میں غالب کے زمانہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا جسمیں اکثر اساتذہ کی غزلیں ملتی ہیں خصوصاً غالب مومن ذوق مرحوم نے خوب خوب غزلیں لکھی ہیں چنانچہ ہم اُن دونوں استادان فن کے بھی اسی زمین میں مطلع سناتے ہیں - دیکھیے ہر شخص نے کیا داد فصاحت دی ہے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نے ایسا کہا ہے کہ اُس سے بہتر دوسرا نہیں مگر غور کیجیے تو نہ تینوں میں کوئی آگے ہے نہ پیچھے سب برابر ہیں -

ذوق مژدۂ رخصت آے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے — مژدۂ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

مومن سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے — تھامتا ہوں میں دل کو دل ہاتھ سے نکلا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے — آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے

اگر اندیشہ کی یہی کیفیت ہے اور ایسی ہی اسمیں گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لینا چاہیے - کیونکہ دل وان گرم خیالات کی برداشت نہیں کر سکتا - یہ ایک ایسی تیز شراب ہے جسے مینا گداز کہا جاسکے یہی مضمون فارسی میں خود مرزا صاحب نے ادا کیا ہے فرماتے ہیں ع

مینائے مے از تندیِ ایں مے بہ گداز د — پیغام غمت در خور تحویل صبا نیست

فرق صرف یہ ہے کہ اردو میں اپنے دل کو مینا اور فارسی میں دل قاصد یا صبا کو مینا قرار دیا ہے مصنف کا یہ خاص انداز استادانہ ہے کہ جا بجا ایک ہی مضمون کو ادا کرتے ہیں مگر ذرا سے تغیر سے شعر کو نیا کر دیتے ہیں -

غیر کو یا رب وہ کیونکر منع گستاخی کرے — گر حیا بھی اسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

غیر کے چھیڑنے اور گستاخی کرنے سے اوسکو شرم آتی ہے تو وہ اس شرم سے بھی شرما جاتا ہے بقول شخصے کہ ع

ادا ادا میں ادا نکلتی ہے — تری ادا کی کہیں انتہا نکلتی ہے

یا شرما جانے سے مراد یہ ہے کہ اوسکو شرم ضرور آتی ہے مگر وہ غیر سے بولنے سے اور اسکے ساتھ جھگڑا کرنے سے شرماتا ہے -

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے ۔ دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

شوق کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ ہر دم نالہ کشی کا خواستگار ہے اور دل ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ اب سانس لینا بھی ناگوار ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ جیسا میرا شوق دیوانہ ہے ایسا ہی دل ہے کہ میں دم لیتا ہوں یعنی ذرا نالہ کشی سے باز رہتا ہوں تو گھبراتا ہے ۔ غرض دونوں یکساں ہیں اور میری حالت تباہ کر رہے ہیں ۔

دورِ چشم بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ ۔ نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائیے ہے

تیری بزم طرب کو خدا نظر بد سے محفوظ رکھے اُسمیں سرور افزائی کا یہ حال ہے کہ اگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہاں پہونچکر وہ نغمہ بنجاتا ہے ۔ یعنی چاہیئے یہ کہ وہ کسی کے دل پر اثر کرے اور افسوس ہو مگر برعکس اسکے وہاں اوسکو سب لوگ سنکر خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں ۔ ایک جگہہ اور فرماتے ہیں ۔

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست ۔ واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق ۔ پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اگرچہ وہ ہم سے ہمارا راز عشق چھپانے کے لئے بزم میں تغافل برتتا ہے تھا ہم گر وائے بر حال ما کہ اس تغافل سے ششدر و متحیر و پریشان ہو جاتے ہیں ۔ اور اسکو وہ سمجھ جاتا ہے مجبوراً اسکو ہم پر ستم کرنا پڑتا ہے ۔

مومنؔ کل تم جو بزمِ ناز میں آنکھیں چرا گئے ۔ کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

اُسکی بزم آرائیاں سنکر دلِ رنجور یاں ۔ مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

جب سنتا ہوں کہ اغیار کے ساتھ اُسنے محفل آرائی کی ہے تو میرا دل ایسا بیٹھہ جاتا ہے جیسے غیر کا وہاں سکہ بیٹھا ہوا ہے یا جیسے اوسکا وہاں نقش بیٹھا ہوا ہے ۔

ہو کے عاشق وہ پری رو اور نازک بن گیا ۔ رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

وہ پر وجود دوسرو نہبر عاشق ہو کر داغ ہوا اور رنگ اڑ کر اوسکا رنگ سفید ہوگیا ہو تو اور نازک بن گیا ہے۔

نقش کو اُسکے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ہیں — کھینچتا ہو جسقدر اُتنا ہی کھنچتا جائے ہے

اُسکے نقش کو مصور پر بھی کیسے کیسے ناز ہیں وہ اُسکو کھینچتا ہے۔ مگر وہ اُسکو اپنا عاشق سمجھکر اوس سے کھنچتا جاتا ہے۔ دو لفظوں کے جمع ہونے سے یہاں ایک لطف پیدا ہوگیا ہی۔ ہے دوسرا پہلو اسمیں یہ بھی موجود ہی کہ اُسکی تصویر مصور پر بھی ناز کرتی ہے وہ اُسکو کھینچتا جاتا مگر وہ اوس سے کھنچتی جاتی ہے۔ یعنی نہیں کھنچتی۔ حاصل یہ کہ مصور بوجہ نزاکت کے اوس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

سایہ میرا مجھسے مثل دود بھاگے ہے اسد — پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

جیسے دھواں آگ سے بھاگتا ہی ایسے ہی میرا سایہ مجھسے بھاگتا ہی۔ سچ تو ہی مجھ پر سوز و غم کے پاس کس سے ٹھہرا جاتا ہی۔ ایک جگہ یوں کہا ہی۔

ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجو — سایہ ہمچوں دود بالا میرود از بال ما

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے — تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

شکل نہالی وہ جو بستر پر تصویریں وغیرہ بنی ہوتی ہیں مصنف کہتا ہی کہ شب غم میں میں نے جو تصویر نہالی کو دیکھا اور ساسیر تو یاد آیا کہ آہ یہ تصویر پہلو میں ہے اور تو نہیں ہی تو اسپیر میں گرم نالہ و فریاد ہوا اور اپنا پہلو گرم کیا۔ ورنہ شب ہجر کی سردی مجھے چین نہ لینے دیتی۔

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم — لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

میری عالی ہمتی نے مجھے دونوں عالم کے نسیہ نقد کے ہاتھ نہ بکنے دیا۔ بلکہ ان دونوں سے مجھے خود خرید لیا یعنی میری بلند ہمتی نے غم کونین کی پروا نہ ہونے دی۔ اور کبھی مجھے دنیا و عقبیٰ کی فکر نہیں رہی۔

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم　　کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

یعنی وحدت کو لباس کثرت میں آراستہ کرنا اور وحدت کے ساتھ کثرت کا شمار رکھنا یہ وہم کے سوا اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ اور انہیں خیالی اصنام نے مجھے کافر بنا دیا ہے۔ یعنی وحدت کے ساتھ ہی ساتھ کثرت کا خیال آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب وحدت کے ساتھ کوئی دوسرا خیال آیا تو حقیقتاً وحدت کو وحدت نہ سمجھا۔ اور یہی علامت کفر ہے۔ یا یہ کہ یہ خیال کرنا کہ کثرت وحدت سے ہے تو یہ پرستاری وہم اور باعث کفر ہے انہیں ایک کے ساتھ دوسرے کا ذکر نہ کرنا چاہیے۔

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا　　خواب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے

اب کبھی مجھے خیال میں بھی سیر گل و گلستاں کا خیال نہیں آتا۔ میری بے پروبالی نے مجھے بہت آرام دیا سودا ؎

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے　　کہ جنے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے　　برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

مصنف مرحوم نے خود ان تینوں شعروں کا عوہ ہندی میں مطلب بیان کیا ہے لہذا وہی لکھ دینا زیادہ مناسب ہے۔ داغ ساماں مثل انجم انجمن وہ شخص کہ داغ جسکا سرمایہ و ساماں ہو موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے بعد اسکے یہ سمجھئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے۔ دہقاں کو بونے جوتنے پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و عنا ہے مزارع کا۔ وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے۔ وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج ہے　پہلے بھی اسی مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔ اسمیں کچھ تغیر ہے۔ حاصل اسکا بھی یہی ہے۔

؎ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی　　ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

غنچہ تاشگفتنہا برگ عافیت معلوم ‏ باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے

یعنی کلی جب تک کھلے کھلے سازو برگ عافیت کا حاصل ہونا یعنی آفت سے اوسکا محفوظ رہنا کہاں سے معلوم ہے جب یہ حال ہوا تو گل کہ باوجود دلجمعی پریشانی ہے اور غنچہ کو دلسے تشبیہ ہے اور جمعیت دلکی صورت بھی اُس سے ظاہر ہے اسیطرح گل شگفتہ کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا پریشانی کی صورت ظاہر کر رہا ہے اور گل کی خاموشی اور برجا ماندگی خواب کا عالم دکھارہی ہے غرض یہ کہ تینوں حالتیں گل پر طاری رہتی ہیں تو باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں رہتا ہے اور سبب پریشانی کا یہ ہے کہ اُسے اندیشہ ہے کہ دیکھیے سازو برگ عافیت اس دار بلا میں ممکن ہوتا ہے یا نہیں ۔ ایسا ہی مضمون ہے جسے دوسرے لباس میں یوں جلوہ گر کر چکے ہیں ۔

ع دام ہر موج میں ہے حلقہ صدکام نہنگ ‏ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

ہم سے رنج بیتابی کسطرح اٹھایا جائے ‏ داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

مطلب یہ کہ اس رنج کی تاب ہمسے نہ ہو سکے گی اور یہ ہلاک کر دیگا دست عجز سے وہ ہاتھ مراد ہے جو صدمہ کے دفع کرنے سے عجز رکھتا ہے ۔ اسی سبب سے اُسے خس سے تشبیہ دی ہے اور داغ کو شعلہ سے پشت دست زمیں پر رکھنا عاجزی کرنے کے معنی پر ہے یہ ظاہر ہے کہ شعلہ کی آنچ کو خس نہیں اٹھا سکتا وہ اُسے جلا کر فنا کر دیتا ہے ۔ اور خس بدنداں گرفتن بھی اظہار عجز کے معنی پر ہے یہ دوسرا پہلو اس شعر کے معنی میں نکلتا ہے یعنی میرے دست عجز کا داغ شعلہ خس بدنداں ہے کہ میری طرف سے اظہار عجز کر رہا ہے کہ رنج بیتابی اس سے نہ اُٹھ سکے گا ۔

یہ وہی اشعار ہیں جو مرزا مرحوم نے بیدل اسیر و شوکت کے رنگ میں کہے تھے اور جنمیں سے چند شعر اس دیوان میں باقی رہ گئے ہیں ۔

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب ‏ ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ہم جنگلوں میں خاک اُڑاتے پھرتے ہیں اور گھر تنا ویران ہو گیا ہے کہ وہاں در و دیوار

سبزہ چھا رہا ہے گویا بہار آئی ہے۔ اس سے دو پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایسے دیوانہ ہیں کہ بہار کو چھوڑ کر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور بہار کی بھی پروا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ گھر کو چھوڑے ہوئے اتنا عرصہ گذر گیا کہ اب وہ جنگل بن گیا ہے۔ مقبل شعر کہا ہے۔ اس مضمون کو بھی مختلف پیرایوں میں مصنف نے کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً

اگا ہے گھر میں سبزہ میری ویرانی تماشہ کر ۔۔۔ مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے ۔۔۔ بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

چاہتا ہوں کہ اُسکی سادگی پر اپنی جان دیدوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں کہ وہ ہاتھ میں قتل کرنے کے لئے خنجر لئے ہوئے ہے اور میری سادگی پر مر جانے کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے۔ سادگی سے مراد یہی ہے کہ خنجر اُسکے ہاتھ میں نہو۔ پھر اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ کئی مرتبہ سادگی پر مرنے کا ارادہ کر چکے ہیں مگر وہ ایسا ظالم ہے کہ جب دیکھتا ہے خنجر ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ایک جگہ صاف الفاظ میں یوں کہہ چکے ہیں

٥ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

گویا مصنف کے نزدیک سادگی خنجر سے زیادہ قاتل ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا ۔۔۔ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

میں اُسکی لذت تقریر میں ایسا محو ہوں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے دل میں تھی۔ یا یہ کہ جو بات وہ کہتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اسی بات کے سننے کی مجھے حسرت ہے۔ یا یہ کہ اوسکی ہر ایک بات اتنی دلفریب ہے کہ اوسکے ہونٹوں سے نکلتے ہی میرے دل میں اُتر جاتی ہے۔

گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے باایں ہمہ ۔۔۔ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

اگرچہ میرا ذکر برائی سے کیا جاتا ہے مگر باوجود ان سب باتوں کے میرا ذکر مجھ سے بہت اچھا ہے کہ اُس محفل میں وہ پہونچ تو گیا۔ میں تو کسی طرح وہاں جا ہی نہ سکا۔

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی — یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

اے ہجوم یاس و ناامیدی میرے حال زار پر ترس کھا اور میرے دل میں تنا اژدحام نکر۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ ہماری سعی بے حاصل ہے۔ مگر ہمکو اسی میں اک لطف آرہا ہے۔ تو اسے پامال نکر۔

رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے — اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

میں جہاں تھک کر بیٹھ جاتا ہوں وہی اپنی منزل خیال کرتا ہوں اور میری واماندگی کو اسی منزل سے جو فی الحقیقت منزل نہیں ہے عشق ہے۔ اسی کی وجہ سے جو قدم منزل پر پڑا ہے وہ پھر اُٹھ نہیں سکتا۔

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی — فتنۂ شور قیامت کسکی آب و گل میں ہے

یہ خاص مصنف کا طرز بیان ہے اور مضمون ایسی خوبصورتی سے ادا کرنے میں مرزا غالب مرحوم کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ کہتے ہیں کہ اچھا آپ ہمکو فرماتے ہیں کہ تیرے دلمیں تو ایک دوزخ بھری ہے اور وہ بھڑک رہی ہے مگر یہ بھی تو مہربانی کرکے بتادیجیے کہ فتنہ شور قیامت کون ہے وہ حضور ہیں نہ آپ سراپا حشر ہوتے نہ ہمارے دل میں دوزخ ہوتی۔ یعنی دوزخ تو یقینی قیامت سے کو بھڑکائی جائیگی۔ اسی انداز بیان کا ایک شعر مصنف کا فارسی میں ہے،

س بیخود بوقت ذبح طپیدن گناہ ما — دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہ کیست

ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب — رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

غالب کا دل دل نہیں ہے بلکہ طلسم پیچ و تاب ہے اور اسی میں تیری تمنا ہے لہذا اگر تو غالب کے دل پر رحم نہیں کرتا تو نہ کر اپنی تمنا پر تو رحم کر کہ کس مشکل میں ہے۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی — دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

تیری نگاہ کا تیر ایسا دلدوز تھا جو جگر دوز بھی ثابت ہوا اور تیری ایک نگاہ دلسے

لیا۔ جگر تک چلی گئی چونکہ دونوں اُسکے منتظر تھے لہذا دونوں رضامند ہوگئے۔

شق ہوگیا ہے سینہ خوشا لذت فراق تکلیف پردہ داریٔ زخم جگر گئی

لذت فراق بڑی اچھی چیز ہے جس سے ہمارے چھاتی شق ہوگئی ہے اور ہمیں زخم جگر کی پردہ داری سے نجات مل گئی۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اب وہ شراب جوانی کا نشہ باقی نہیں رہا ہے اب لہذا ہمکو بیدار ہونا چاہیئے بادۂ شبانہ استعارہ ہے جوانی سے اور سرمستیاں جوانی کے افعال سے خواب سحر بھی جوانی کی بیخبری استعارہ کیا ہے اسواسطے کہ صبح کی نیند میں بھی ایسی ہی غفلت ہوتی ہے جیسی کہ جوانی میں

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

میرے خاک یار کی گلی میں اڑتی پھرتی ہے۔ تیرا اے ہوا میں تیرا ممنون ہوں کہ میرے دل سے بال و پر کی ہوس جاتی رہی۔ یعنی ظاہر ہے کہ اگر تو مجھکو نہ اڑاتی تو بال و پر کی حسرت ہوتی ہے۔

دیکھو تو دلفریبیٔ انداز نقش پا موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

گل کترنا۔ کوئی تعجب کا کام کرنا۔ یا ایسا کام کرنا جس میں فتنہ و فساد ہو۔ یہاں پہلے معنی لئے گئے ہیں مصنف کہتا ہے کہ ذرا اُسکے انداز نقش پا کی دلفریبی دیکھئے کہ اُسکی موج خرام نے رستہ میں کیسے گل کترے ہیں۔ یعنی قدم قدم پر چمن زار بنا دیا ہے۔ کہ دل کے دل اور سیر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

میرے نظارہ نے بھی وہاں نقاب کا کام کیا۔ اسطرح سے کہ جب وہ رخ پر پہونچا تو

مست ہوگیا اور وہیں منتشر ہوکر ڈھیر ہوگیا - اس صورت سے نظارہ نقاب بنا - بہت خوب شعر کہا ہے اور اسمیں عاشق کی محرومی کا سلسلے وجہ الکمال نقشہ کھینچ دیا ہے - یعنی جب نظارہ جمال یار کا نقاب ہے تو پھر اب اوسکے دیکھنے کی کیا توقع ہے -

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　　اب آبروے شیوۂ اہل نظر گئی

یعنی اب بوالہوس بھی عاشق بن گئے تو اصلی عاشقوں کی کیا عزت رہیگی -

حالی؎ فریاد کہ عاشق زہوسناک ندانی　　　در پیش تو استاد و نو آموز مساویست

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا　　　کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

دی روز گذشتہ کل - اور فردا آنے والی کل - جس سے شعرا کے یہاں اکثر قیامت مراد لی جاتی ہے کہتا ہے کہ کل جب تم گئے تو ہماری نظر سے - فردا اور دی کا فرق مٹ گیا - اور گذشتہ کل ہی فردائے قیامت ہوگئی -

مارا زمانہ نے اسد اللہ خاں تمھیں　　　وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

ہاے اسد اللہ خاں زمانہ نے تمکو مار دیا ارے اب وہ تمھارے ولولے اور تمھاری وہ جوانی کیا ہوگئی اسد اللہ خاں اسوجہ سے کہا ہے جس سے اسوقت کا سطوت جبروظاہر ہے بہت ہی خوب شعر کہا ہے - اسکی صفائی اور چستی بندش نے اسمیں کوٹ کوٹ کر مضموں بھر دیا ہے -

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے　　　حوران خلد میں تری صورت مگر ملے

ہمکو تسکین دل کی فکر نہیں ہے دل کو تسلی ہو یا نہ ہو - چاہتے یہ ہیں کہ بہشت کی حوروں میں کوئی تیری سی صورت ملجائے - اگر ایسا ہو تو تسکیں دل نہ سہی ذوق نظر تو ہوگا - ہم اسی پہ قناعت کرینگے -

اپنی گلی میں مجھکو نہ کر دفن بعد قتل　　　میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

تو اپنی گلی میں مجھے دفن نہ کر ورنہ تو دنیا میں قاتل مشہور ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں نہیں چاہتا کہ تیرے پاس رقیب آئیں اور میری قبر کا پتہ پوچھتے پوچھتے آئیں گے میرا رشک اسے گوارا نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ تیرے نام کے ساتھ میں اپنا نام رکھنا نہیں چاہتا۔ یعنی تیرے وجود کے سامنے میں اپنی ہستی اور اپنی قبر تک کے نام مٹا دینے کے واسطے بھی تیار ہوں۔

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جسقدر ملے

گویا معشوق ساقی بزم ہے اور یہ بلانوشی اور خم آشامی پر اتر آئے ہیں وہ دو چار جام ان کو پلا چکا اور ان کا دل سیر نہیں ہوا برابر سوال جاری ہی۔ وہ کہتا ہی کہ بس جتنی تو پیتا ہے اُسکے موافق ہم تجھکو پلا چکے اب نہ دینگے۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

اے ندیم خیر تجھ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر اتنا کہ اگر کہیں نامہ بر ملجائے تو فورا ہمارا سلام کہدینا۔ کہ واہ خوب ہمارے خط کا جواب لائے کیا خوب شعر کہا ہے اور بھی کئی پہلو اسمیں موجود ہیں

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

مجنوں کی تعریفیں کیا ہمارے سامنے بیان کرتے ہو۔ وہ آزاد تھا کہ جنگلوں وغیرہ میں نکل گیا۔ مگر ہم کو تو غم پنہاں روک روک کر رکھتا ہی اگر اُس سے ذرا ہمیں فرصت ملے تو ہم بھی تمکو بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا۔ اس سے دو مطلب پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مجنوں کی حرکات کا تماشہ تم کو دکھائیں۔ ایک یہ کہ ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اور ہم کیا کرتے ہیں گویا مجنوں نے ہمارے مقابلہ پر کچھ بھی نہ کیا تھا۔

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام کی پیروی کریں۔ ہم ان کے ساتھ رہنے کو صرف اپنا ہم رتبہ سمجھنے پر انحصار کئے ہوئے ہیں۔ جیسے ہم ویسے وہ۔ حاصل یہ کہ ہم نے خضر کے برابر جنگلوں کی سیر کی ہے۔

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا ۔ تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار ذرا دیکھنا اگر تمکو کہیں غالب مل جائے ۔ اسمیں قید دیکھنا کثیر المعنی لفظ ہے جس سے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ ذرا اسکی حالت زار دیکھنا ۔ یا ذرا دیکھنا وہ آج کس رنگ میں ہے ۔

کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۔ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اگر ہماری زندگی کچھ دنوں باقی رہی تو ہم نے بھی اب اپنے دل میں کچھ اور ٹھان رکھی ہے دوسرے مصرع سے بہت سے معانی نکلتے ہیں ۔ اور یہ کمال فصاحت ہے ۔ بحسب الارشاد جناب مولانا نظم صاحب کہ اسمیں المعنی فی بطن الشاعر ہے ۔ کیونکہ جو الفاظ دوسرے مصرع میں لائے گئے ہیں یہ زبانزد عوام ہیں کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو ہمارا بھی ایسا ارادہ ہے یعنی تمکو کسی نہ کسی صورت سے اسکا بدلہ دینگے ۔ یا یہ کہ ہم بھی مر جائینگے ۔ اور اس قسم کے ہزارہا الفاظ مروج اور داخل روزمرہ ہیں ۔ جیسے اچھا ہم تو تمکو مزا چکھا دینگے ۔ یا ہم بھی تمکو دکھا دینگے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکی بندش نہایت چست ہے مگر غلطی کو چستی بندش نہیں مٹا سکتی ۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں ۔ سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

یعنی سوز غم آتش دوزخ سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور حرارت میں بڑھا ہوا ہے

بارہا دیکھی ہیں انکی رنجشیں ۔ پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

ہم نے انکی رنجشیں کئی مرتبہ دیکھی ہیں مگر اسمرتبہ بیطرح خفا ہوئے ہیں ۔ خدا ہی خیر کرے آج رنگ بیڈھب ہے ٹپک رہا تھا کئی دن سے آبلہ دل کا ۔

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر ۔ کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

نامہ بر خط دیکر میرا منہ دیکھ رہا ہے کچھ نہ کچھ پیغام انہوں نے اور بھی کہا ہے ۔

یعنی ضرور مجھے بڑا بھلا کہلا بھیجا ہی۔ یا یہ کہدیا ہی کہ اب تو میں نے جواب دیدیا ہی آئندہ سے میرے پاس کوئی خط نہ لکھنا وغیرہ وغیرہ مصرع ثانی سے بہت سے پہلو نکل سکتے ہیں۔

قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم   وہ بلائے آسمانی اور ہے

ستارے اکثر عمروں کو قطع کرتے ہیں۔ یعنی ان کی گردش شبانہ روز سے زندگی کا خاتمہ ہوتا ہی گر میرا معشوق کچھ اور ہی ہے۔ وہ زندگی کو بھی موت سے بدتر بنا دیتا ہے۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام   ایک مرگ ناگہانی اور ہے

غالب اوس کے عشق میں اور تو سب بلائیں ہم اٹھا چکے ہیں اب ایک یہ باقی رہ گیا ہی کہ اسی صدمہ میں کسی دن یکایک موت آجائے۔

تمام غزل کے اشعار میں چستی بندش اور روزمرہ زبان وغیرہ کی داد نہیں دیجا سکتی۔ جو لوگ غالب کو مشکل گو تصور کرتے ہیں اونکو عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یا جو لوگ بزعم خود غالب کا اتباع کرتے ہیں اور موٹے موٹے الفاظ ٹھونس دیتے ہیں اونکو ایسی غزلیں دیکھنی چاہئیں۔

کوئی امید بر نہیں آتی   کوئی صورت نظر نہیں آتی

میری کوئی امید پوری نہیں ہوتی نہ کوئی امید پوری ہونیکی صورت معلوم ہوتی ہی یا یہ کہ اتنی امید بھی پوری نہیں ہوتی کہ کوئی صورت (یعنی معشوق کی صورت) نظر آجائے۔ یا کوئی صورت نظر نہیں آتی جس سے امید پوری ہونے کی امید ہو۔

موت کا ایک دن معین ہے   نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

موت تو یوں نہیں آتی اوسکا ایک وقت مقرر ہی وہ اسپنے وقت معینہ پر آئیگی مگر نیند کو آنے میں کیا عذر ہی جو رات بھر کیوں نہیں آتی یا یہ کہ موت اپنے وقت پر آکر رہیگی۔ آخر نیند اسکے فکر میں کیوں اڑ گئی ہے۔

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی   اب کسی بات پر نہیں آتی

میرا غم شب و روز ترقی پر ہے پہلے یہ حالت تھی کہ اور کسی بات پر نہیں مگر اپنے حال کی دیوانگی پر ضرور مجھے ہنسی آ جاتی تھی اب یہ عالم ہے کہ او سپر بھی ہنسی نہیں آتی - اس شعر کی تعریف غیر ممکن ہے -

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یہ نہیں ہے کہ میں زہد و اتقا کے ثواب سے ناواقف ہوں نہیں اسکے ثواب کو جانتا ہوں - مگر بد قسمت ہوں طبیعت افعال بد کی طرف رجوع ہوتی ہے ادھر طبیعت کو رغبت نہیں ہوتی - اس سے اِس مسئلہ پر مصنف نے روشنی ڈالی ہے - کہ ایمان کے لئے کچھ تصدیق بالقلب ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اقرار باللسان بھی ضروری ہے -

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

پہلے مصرع کی تعریف نہیں ہو سکتی جس سے کئی پہلو نکلتے ہیں یعنی - میرا خاموش رہنا ہی اچھا ہے اسمیں مصلحت ہے ممکن ہے کہ میں کچھ کہوں اور اسمیں دلکی کوئی شکایت اور گلہ لب پر آ جائے اور وہ ناراض ہو جائیں یا یہ کہ میری کون سنیگا - یا معشوق نے مجھکو منع کر دیا ہے - یا عشق نے مجھ میں بولنے کی طاقت باقی نہیں رکھی ہے - غرضکہ ایسے ہی کچھ اسباب ہیں کہ خاموش ہوں ورنہ میں بھی زبان رکھتا ہوں -

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی

اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں کہ آج وہ کیوں نہ رویا - چونکہ معشوق کو میرا اس صورت سے نالہ و فریاد کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے اس لئے مجھے مجبوراً رونا پڑتا ہے - یا اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھے یاد کرتے یعنی بلاتے ہیں اور مجھکو تاکید نالہ و فریاد کرتے ہیں - یا مجھپر ستم کرکے نالہ کشی کرنے پر مجبور کرتے ہیں - مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مجھے یاد بھی کرتے ہیں تو میرا دکھ درد بڑھانے کے لئے یاد کرتے ہیں -

داغ دل گر نظر نہیں آتا بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

اگر تجھے میرا داغ دل کھائی نہیں دیتا تو کیا تجھے داغ کی بو بھی نہیں آتی - یعنی میری محبت سے انکار ہی تو کیا تو میرے انداز مجنونانہ سے نہیں پہچان سکتا -

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہمکو بھی   کچھ ہماری خبر نہیں آتی

یعنی اب ہمارا یہ حال ہی کہ اپنے حال کی بھی خبر نہیں دوسرونکی تو کیا خبر ہے -

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی   موت آتی ہے پر نہیں آتی

میں کثرت شوق و انتظار موت سے مرا جاتا ہوں - مجھے موت آتی ہو مگر موت نہیں آتی -

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب   شرم تمکو مگر نہیں آتی

کیوں غالب کعبہ کا جو ارادہ کر رہے ہو وہاں جاتے ہوے تمہیں شرم نہیں آتی کہ ساری عمر بت پرستی میں صرف کرتے رہے ہو اب تم ہرگز اس قابل باقی نہیں رہے ہو کہ تم کعبہ جاؤ ذرا شرم کرو -

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اے دل ناداں تجھے یہ کیا ہوگیا ہی آخر تیرے اس مرض کی تیری اس وحشت کی کیا دوا کروں - یہ بطور ملامت ہے دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ حضرت دل آپ جو مجھ سے کہتے ہیں کہ میرا علاج کر میری خبر لے - پہلے تو یہ بتا کہ تجھکو ہوا کیا ہے کہ جس کی کچھ دوا کیجائے - یا خیر تجھے کہ آپ اپنی حالت کو مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں تو اس مرض کی دوا ہی کہاں کہ میں علاج کا ارادہ کروں تیسرا پہلو یہ ہی کہ دل سے پوچھتا ہی کہ کم بخت تو اپنا مرض تو بتا - تجھے یہ کیا ہوگیا جو تیری حالت شب و روز تباہ ہوتی جاتی ہے کچھ اپنے مرض کی روداد بتا کہ اوسکا علاج کروں تو تو چھپاتا ہے -

ہم ہیں مشتاق اور وہ بےزار   یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

یہ سنا ہی کہ دنیا میں دلکو دل سے راہ ہوتی ہی - مگر یہاں عجب حالت ہی کہ ہم مرسکے

مشتاق ہیں اور وہ ہمسے بیزار ہے۔

مومن ~ ہم اُسکو چاہیں وہ ہم سے خفا ہو — ولا یہ بھی تو ہے قدرت خدا کی

یں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

عاشق بر بنائے رعب حسن بزم معشوق میں اسقدر خاموش رہا ہے کہ معشوق اُسکو گونگا سمجھنے لگا ہے اُس شبہ کے مٹانے کے لیے کہتا ہے کہ جو تم نے سمجھا ہے دراصل یہ بات نہیں ہے بلکہ زبان میرے منھ میں بھی ہے کاش کسیروز تم میرا مدعائے دل پوچھو تو پھر میں تمسے بیان کردوں

یا یہ کہ غیر کا حال تم پوچھتے ہو کاش تم کسی دن مجھ سے بھی میرا مدعائے دل پوچھو تو تمسے کچھ کہوں۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اے خدا جب تیرے سوائے اور کوئی نہیں ہے تو پھر آخر یہ ہنگامہ ہستی کیا ہے۔ اور یہ اسقدر دلفریب کیوں ہے۔

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

یہ حسیناں جہاں کیسے ہیں اور یہ انکے ناز و ادا آخر کیا بلا ہیں۔

شکن زلف عنبریں کیوں ہے — نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

زلف پیچدار کی شکن اسقدر عنبریں کیوں ہے اور آنکھ سرمہ سا کیوں ہے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

یہ لہلہاتا سبزہ۔ یہ رنگ برنگ کے پھول۔ کالی کالی گھٹائیں یہ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں یہ کیا چیز ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی چیزوں کو نہیں دیکھتے ہیں انکو دیکھنا چاہیئے اور متوجہ ہونا چاہیئے کہ جو دلفریبیاں زمانہ میں ہیں وہ سب ہی اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ اور اگر کچھ نہیں ہے تو آخر یہ کیا بلا ہیں۔ نہیں یہ سب صنعتیں صانع نے چشم حقیقت بیں کے لئے پیدا کی ہیں کہ ان کو دیکھکر انسان صانع حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ہمکو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

افسوس مجھکو ایسے جفاکار سے امید وفا ہے جو وفا کا نام بھی نہیں جانتا - یا یہ کہ وہ کمسن ہے اور وہ ہنوز جفا و وفا کو نہیں پہچانتا -

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں نہیں جانتا کہ دعا کیا بلا ہے بس تم پر جان دے سکتا ہوں برعکس دوسروں کے جو محض زبانی جمع خرچ سے کام نکالنا چاہتے ہیں - یا یہ کہ میں اپنے مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں لے تو اپنی جان دے دیتا ہوں

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

گویا خود ایک فقیر ہیں۔ و معشوق سے کہتے ہیں کہ بھلا کر خدا تیرا بھلا کرے گا - یہی فقیر کی صدا ہے اور وہ بھی بے سبب کہتا ہے -

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

غالب اگرچہ بالکل نکما اور ناکارہ ہے - مگر بندۂ بیدرم ہے اور یہ مشہور ہے کہ مفت راچہ گفت -

کہتے تو ہو تم سب کہ بُت غالیہ مو آئے اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

اے ستمگرو، تم سب یہ کہتے ہو کہ کسی نہ کسی صورت سے اگر وہ بُت غالیہ مو آجائے تو غالب کو کچھ نہیں چاہیے - مگر کیا اچھا ہو کہ ہم تمہاری زبان سے گھبرا کر یہ نکلے کہ اسے لو وہ آئے وہ آرہے ہیں - تو مجھے ابھی آسکیں اور آرام ہو جائے - ظفر کا مطلع اسی قافیہ میں ہے

سو یاد آئے اب الٹی ستم عربدہ جو آئے ایسا نہ ہو یارب کہ نہ یہ آئے نہ وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذبِ محبت کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

لے جا یہ الفت تو دیکھتا ہے کہ میں نزع کی کشمکش میں ہوں اور مجھ میں طاقت گویائی باقی نہیں ہے مگر تو میرا اتنا کام کر دے کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے یہاں آجائے چاہے میں اوس سے کچھ کہہ سکوں یا نہ کہہ سکوں کم از کم اوسکو دیکھکر اپنے دل کو تسکین دوں ظفر اسی قافیہ کو لکھتے ہیں۔

آئے بھی تو آتے ہی لگے پھیرنے چتون — کیا آئے وہ گردن پہ چھری پھیرنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم — آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

میرے معشوق کا آنا بھی ایسا آنا ہوتا ہے جسے نہ آنے سے مشابہ کر سکتا ہوں شعلہ و سیماب و برق کی سی اوسکی حالت ہے جیسے انھیں قیام نہیں ویسے ہی اُسے بھی نہیں۔ لہذا اوسکا آنا ہی میری سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ وہ آئے بعض نسخوں میں (آنا ہی) مصدر کے بجائے حال یعنی آتا ہی ملتا ہے۔ وہ بھی صحیح ہے اوس صورت میں یہ معنے ہیں۔ کہ میرا عالم وہی شعلہ و سیماب کا سا ہے کوئی کمی نہیں ہوئی اس سے میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وہ نہیں آتا۔ اب چاہے آہی جائے مگر میرا یہی خیال ہے۔

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

شراب پینے سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قبر کی پرسش سے بچینگے۔ یوں تو نکیرین نہ بھاگینگے مگر چونکہ وہ نور ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں میرے منہ کی بدبو سے بھاگ جائیں گے اور پاس نہ آسکینگے۔ اور یہ ضرور ہے کہ شرابی کے منہ سے بو آئے مولانا نظم نے لکھا ہے کہ منہ سے بو آنے کا مضمون نظم کرنے کے قابل نہ تھا۔ بیشک یہ صحیح ہے۔ اسمیں بڑا نقصان تو یہ ہے کہ فرشتوں کی عاجزی وغیرہ متصور ہے دوسرے مضمون نہایت رکیک ہے۔ کم از کم ایسے مضامین سے احتیاط لازم ہے مگر غالب نے تو خیر اسیقدر لکھا ہے بعض لوگ تو خدا جانے کیا کیا لکھ جاتے ہیں مثلاً۔

آتش — پوچھتا ہے طنز سے کیا باندھی ہے کس پر کمر — باندھی ہے سیر کر کھولوں ترا شلوار بند

" — حسرت جلوہ دیدار بہت ہے مجھکو — چاہیے میرے لئے آئینہ خانہ شب وصل

" — مرتے ہیں رشک کے مارے پس دیوار رقیب — شور کرتا ہے جو پازیب کا دانہ شب وصل

" — کوچۂ تنگ میں ملتا ہے تو کہتا ہے وہ شوخ — مرد ہے وہ کہ جو ہمکو سر میداں روکے

یہ مضامین اسقدر رکیک ہیں کہ آجکل شاعری میں انکی گنجایش نہیں ہے نہ کبھی پہلے تھی۔ چنانچہ

کامل شاعروں کے دواوین اسکے شاہد ہیں - اب بالکل قابل ترک ہیں -

جلاد سے لڑتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جائے

ہم ہر شخص میں تجھی کو دیکھتے ہیں لہذا نہ جلاد سے لڑتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں گویا تو نے اپنا بھیس بدل لیا ہے - مگر اس تبدیل لباس سے ہم دھوکا نہیں کھاتے -

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را مے شناسم

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اے اہل طلب جب باوجود تلاش وہ ہمکو نہ ملا تو ہم بسقدر حیران ہوئے کہ خود کھوئے گئے اور اس صورت میں اچھے رہے - ورنہ لوگ یہ طعنہ دیتے کہ ڈھونڈھا اور نہ پایا - ہاں - تاکید و تنبیہ کے لئے ہے یعنی ایسا ہی چاہیے -

اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

ہمارا شعار یہ ہے کہ آرام سے نہ بیٹھیں اسکو ڈھونڈھنے گئے تھے وہ نہ ملا کعبہ کو چلے گئے - گویا کعبہ کا جانا کسی ثواب کے حصول کی نیت سے نہ تھا - بلکہ ایک وقت گذارنا مقصود تھا یا ہرزہ گردی گویا ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھکو ڈبو آئے

میرے دوستوں نے اس سے میرے نالہ کی بے اثری کے بارہ میں تقریر کی - کہ وہ غریب رات دن روتا ہے اور اس پر اس کو یہ ثابت ہوگیا کہ وہ بے اثر ہیں - یعنی سمجھے کہ وہ اتنا روتا ہے اور پھر بھی ہمپر کوئی اثر نہیں ہے تو یقیناً نالہ کی بے اثری کا اظہار اس پر ہوا - تو اس حساب سے دوست تو اچھے رہے کہ انہوں نے میرے اوپر اپنا احسان ثابت کردیا - مگر مجھے ڈبو دیا - یعنی کبھی کبھی جو میں اسکو اپنے نالہ و فریاد کے اثر کی دھمکی دیتا تھا اب وہ بھی گئی -

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب — ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

اُس محفل کی کیا بات ہے ہم بھی وہاں گئے تھے اور غالب تیری تقدیر کو رو آئے یعنی اسپر رنج کر آئے کہ ہائے ایسی انجمن ناز میں اور اسکا گذر نہیں - یا یہ کہ اوس سے قصہ بیان کر آئے ظفر مرحوم نے یہی قافیہ کو یوں کہا ہے ؎

خوش ہونا کہاں جبکہ نصیبوں میں ہو رونا — ہم شمع صفت محفل شادی میں بھی رو آئے

پھر کچھ اک دلکو بےقراری ہے — سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر دلکو کچھ اک بیقراری سی ہے ہمارا سینہ زخم کاری کو ڈھونڈھتا ہے۔

پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمد فصل لالہ کاری ہے

فصل بہار کی آمد ہے لہٰذا میرے ناخن پھر جگر کھودنے لگے - یا یہ کہ جگر کے زخمی ہونے سے لالہ کاری بنائی ہے - جگر کھودنا - جگر کاوی کا ترجمہ ہے۔

قبلۂ مقصد نگاہ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے

پھر اُسی عماری کا پردہ ہمارا نیاز کشی کا قبلہ اور کعبہ بنا ہوا ہے۔

چشم دلال جنس رسوائی — دل خریدار ذوق خواری ہے

دل ذوق خواری اور رسوائی کا خریدار بننا چاہتا ہے اور آنکھ اوسکی دلالی کر رہی ہے ظاہر ہے کہ آنکھ ہی پھنساتی ہے۔

وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ بیقراری ہے

وہی طرح طرح کے نالہ کرنا - اور وہی سونسو طرح سے بیقرار ہونا - پھر شعار ہو گیا ہے۔

دل ہوائے خرام ناز سے پھر — محشرستان بیقراری ہے

خرام ناز کی خواہش نے پھر دل میں قیامت برپا کر رکھی ہے۔ چونکہ خرام ناز کا کام قیامت برپا کرنا ہے لہٰذا اُسکے خیال نے بھی قیامتیں اٹھا رکھی ہیں۔

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے — روز بازار جاں سپاری ہے

جلوہ یار نے ظاہر ہو کر پھر بازار جاں سپاری عشاق کو آب و تاب اور رونق دی ہے اور جاں سپاری کا بازار گرم ہے۔

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر اُسی بیوفا پر ہم اپنی جان دیتے ہیں پھر ہماری زندگی کا وہی طرز ہے۔

پھر کھلا ہے درِ عدالت ناز — گرم بازار فوجداری ہے

عدالت ناز کے پھر اجلاس ہو رہے ہیں اور فوجداری کے مقدمات روزانہ دائر ہوتے ہیں یا پیش ہوتے ہیں۔ یا فوجداری کی وارداتیں روز ہوتی ہیں۔

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

آجکل زلف سرشتہ دار یعنی پیشکار ہے اور اُسکے ظلم و ستم سے جہان میں ایک اندھیر ہو رہا ہے سرشتہ اور اندھیر وغیرہ یہ سب زلف کے مناسبات سے ہیں۔

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

سوال دنیا اصطلاح وکلا ہے۔ عدالت میں درخواست کو کہتے ہیں جو مقدمہ کے دائر کرنے کے وقت دیتے ہیں۔ مقدمہ دائر کرنے والے یا درخواست دینے والے کو سائل اور جب درخواست دیتے ہیں یا حکام درخواستیں لیتے ہیں اوس وقت کو سوالخوانی کا وقت کہتے ہیں یعنی پارۂ دل نے پھر آہ و زاری و فریاد کے خلاف درخواست دی ہے۔ ایک فریاد یعنی گریہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب — اشکباری کا حکم جاری ہے

بسی ورخواست کے اور گواہ عشق پھر طلب ہوئے ہیں - اور پھر اشکباری کا حکم جاری ہوا ہے۔ یعنی آنسو پھر طلب ہوئے ہیں۔

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اُسکی روبکاری ہے

دل اور مژگاں کی جو خصومت تھی آج پھر وہ مقدمہ پیش ہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ — کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

اگرچہ مقطع اس قطع سے علیحدہ معلوم ہوتا ہے مگر دراصل یہ بھی اسی میں شامل ہے گویا پوچھا گیا ہے کہ اگر تمکو مژگاں نے ستایا ہے - تو تم یہ بتاؤ کہ بیخود کیوں ہو معلوم ہوتا ہے کہ قصور تمہارا ہے اور تم اسکو چھپاتے ہو - یعنی تمکو عشق ہے - اوسی وجہ سے تمکو بیخودی ہے اور اس حالت میں مژگاں کا کوئی قصور نہیں ہے - اگرچہ اس قطعہ میں جو الفاظ ہیں وہ اردو کے ہیں مگر چونکہ وہ الفاظ زبان فارسی سے لیکر اپنے یہاں کے خاص خاص معنوں میں مستعمل کر لیئے گئے ہیں اسی وجہ سے اونکی ترکیب فارسی الفاظ کے ساتھ ناجائز نہیں کہی جا سکتی - پھر کے لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایسا اکثر مرتبہ ہو چکا ہے۔

جنوں تہمت کش تسکیں نہو گر شادمانی کی — نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

اے جنون چونکہ ہم نے کچھ خوشی کی ہے تو تجھ پر اس سے تسکین کی تہمت جو تیرے لیئے باعث ننگ ہے نہیں رکھی جا سکتی - بلکہ اگر ہم نے لذت زندگی کچھ اٹھائی ہے تو وہ اس لیئے اٹھائی ہے کہ کچھ دیر بعد جو وہ ہمسے چھن جائیگی یا ہم اسکو چھوڑ دینگے تو وہ اور بھی ہمارے زخم دل کے لیئے باعث نمک پاشی ہو جائیگی - اور یہ ظاہر ہے کہ جو عیش فانی ہو - وہ اور بھی باعث تکلیف ہے۔

دوسرے یہ کہ اے جنوں تسکیں کی تہمت میری شادمانی کرنے سے تجھپر نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ لذت زندگانی کو دیکھکر میں اُن لذتوں سے خوش نہیں ہوتا جو اس میں موجود ہیں بلکہ اس کا افسوس کرتا ہوں کہ یہ مجھکو میسر نہیں ہیں - اور اس سے میرے دلپر نمک چھڑکا جاتا ہے - اور یہ نمک پاشی میرے ایذا دوست دل کے لیے باعث شادمانی - اور اس

شادمانی سے تو متہم بہ شادمانی حقیقی نہیں ہو سکتا۔

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیٔ آزادی
ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

کشاکش علائق ہستی سے سعی آزادی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ یعنی کوئی اس سے آزاد نہیں رہ سکتا۔ جیسے کہ پانی جسکی روانی آزادی سے تعبیر کیجا سکتی۔ مگر اُسپر بھی زنجیر ہائے تموج میں گرفتار رہتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہاں کی آزادی بھی گرفتاری ہے۔

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلاں ہے
شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

ترا دیوانہ مرنے کے بعد بھی لڑکوں کی زیارت گاہ بنا رہا۔ اور میری قبر پر پتھر مارتے رہے جن کے شراروں سے گویا میری قبر پر پھول چڑھائے۔

نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیداد دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح محشر کی

جو اپنے معشوق کی فریاد کرنے کا ارادہ کرے اگر اُسکو ملامت کیجائے تو بجا ہے اور یہی اوسکی سزا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح محشر خندۂ دنداں نما ہو کیونکہ وہ فریاد اور عدالت کا دن ہے اسی مضمون کو مصنف نے مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے جیسا کہ ایک جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ جس وقت کہ لیلیٰ کے فصد کھلی تو یہاں مجنوں کے خون نکلا۔ اوسکی تلمیح کر کے مصنف نے یہ شعر لکھا ہے کہتا ہے کہ اتحاد حسن و عشق کی یہ تاثیر ہے کہ اگر دشت نجد میں دہقان بجائے دانہ کے نوک نشتر بوے تو یقین ہے کہ لیلیٰ کی رگ میں اوسکا اثر محسوس ہو۔ کیونکہ وہ نوک نشتر مجنوں کے پاؤں کو زخمی کر دیگی۔ اِدھر اسکے خون نکلے گا اُدھر اُسکا جسم مجروح ہوگا۔ یا یہ کہ رابطہ حسن و عشق اسی کا نام ہے عاشق کی ادنےٰ تکلیف معشوق کو اور معشوق کی عاشق کو محسوس ہوتی ہے۔ خاک دشت مجنوں کو مجنوں سے صرف اسقدر تعلق ہی کہ وہ اسپر سے گذرتا ہے۔ مگر اُس خاک میں اگر دہقان نوک نشتر چبھو دے تو لیلیٰ پر اُسکا اثر پہونچے گا۔ مولانا نظم لکھتے ہیں کہ ممکن ہے مصنف نے دست ہاتھ کے معنے میں لکھا ہو۔ مگر واضح ہو

کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اُس سے نہ لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ نہ لفظ خاک با معنی رہتا ہے۔

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تھا
ہوئی محفل کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

پروانہ کا پر شاید کشتی مے کے لئے بادبان تھا۔ جو گرمیٔ محفل کی دلیل تھا۔ اور محفل کی گرمی روانی دورِ ساغر کا باعث تھی تو اس صورت میں پر پروانہ بادبان کشتی مے ٹھہرا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں محفل گرم ہوتی ہے وہاں پروانہ ضرور پہونچتا ہے اور اس صورت میں پروانہ گرمیٔ محفل کی دلیل ہی نہیں ہے بلکہ اس لزوم موجودگی سے وہ باعث گرمیٔ محفل کے درجہ پر پہونچ گیا ہے۔

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اُڑ گئی اُڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

اُڑنے سے پہلے میرے شہپر کی طاقت اُڑ گئی ہے جس نے مجھے مجبور کردیا اور اب اُڑ نہیں سکتا ہوں اس وجہ سے شوق پرفشانی کے وہ بیداد مجھ پر ہو رہے ہیں کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔

کہاں تک روؤں اُس کے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

اُس کے خیمہ کے پیچھے کہاں تک روتے جاؤں۔ اے خدا میری قسمت میں کیا کوئی پتھر کی دیوار نہ تھی کہ جس سے اپنا سر پھوڑ کر مر رہتا اور اس رونے کی زحمت سے نجات پاتا۔

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اُتنے ہی کم ہوئے

اپنی بے اعتدالیوں کے سبب سے سب کی نظر میں ہم سبک ہوگئے ہیں یوں سمجھئے کہ جتنے ادھر بڑھتے گئے اسی قدر ہمارا وقار کم ہوتا گیا۔

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہمارے آشیانے کے بہت قریب ہی صیاد نے جال بچھا دیا۔ یہانتک کہ ہم اُڑنے کا ارادہ کررہے تھے کہ جال میں پھنس گئے اور اُڑنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ ایسا ہی کسی اور شاعر کا شعر ہے

صیاد نے کسو تت لگایا ہے نشانہ
جب اُڑنے کو ہم شاخ پہ پر تول رہے تھے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

ہماری ہستی مفقود ہے گر وہ محض برائے نام ہے۔ اور اتنی ہے کہ ہم اپنی ہستی کی قسم کھا سکتے ہیں یعنی بس قسم کھانے کے لئے باقی ہیں ورنہ بالکل فنا ہو چکے۔

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

جو لوگ مدتوں عشق کی سختیاں کھینچتے رہے وہ سراپا الم بنگئے اور اب انکا وجود بالکل غیر مرئی اور نامحسوس ہے۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں — ہر چند اسمیں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

جنوں کی حکایات خونچکاں لکھنے میں اگرچہ ہمارے ہاتھ تک قلم ہوئے مگر ہم لکھتے ضرور رہے۔ یعنی ان حکایتوں کا لکھنا ہمکو اسقدر پیارا تھا کہ ہاتھ قلم ہونے منظور کئے مگر یہ منظور نہ کیا کہ ہم یہ حکایات نہ لکھیں اور یہ بھی ایک جنون ہے۔

اللہ رے تیری تندیٔ خو جسکے بیم سے — اجزائے نالہ دلمیں مرے رزق ہم ہوئے

اللہ ری بدمزاجی اور تندی خو جسکی دہشت اور خوف سے میرے نالہ کے اجزا دل کے دل ہی میں تحلیل ہوگئے اور ایک دوسرے کے رزق بن گئے۔

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق — جو پاؤں اٹھ گئے وہی انکے علم ہوئے

اہل ہوس کی فتح یہی ہے کہ وہ میدان عشق سے بھاگ جائیں اونکے جو پاؤں اٹھ گئے گویا وہی ان کے علم بلند ہوئے ہیں۔ پاؤں اٹھنا محاورہ ہے جو بھگنے کے معنے میں ہے۔

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

عدم میں چند نالے کھینچنے کیلئے ہماری سپرد ہوئے تھے جو ہم وہاں ختم نہ کر سکے اور نہ کھینچ سکے اور وہاں کے رہنے کی مدت ختم ہوگئی وہ یہاں بصورت نفس تبدیل ہو گئے۔ حاصل یہ ہے کہ ہم جو

زندگی محض نالہ سی سکے سے ہے ۔اور یہ جسکو لوگ سانس سمجھے ہوئے ہیں سانس نہیں ہیں بلکہ نالہ ہیں

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

عاشقی اور دل لگی کی عادت ان بُرے حالوں یعنی فقیری میں بھی نہ چھوڑی ۔ہم فقیر ہوئے تو اہل کرم کے عاشق ہو اور انکی تلاش میں مارے مارے پھرے ۔

بدگر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی — تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

اگر میرے داغ دل کی شعلہ سوز عشق حفاظت نہ کرے ۔تو افسردگی اس زر داغ کو اڑا لیجائے کہ وہ اسکی گھات میں بیٹھی ہوئی ہے ۔یعنی ہم وہ بد نصیب ہیں کہ کسی صورت سے ہمارے آرام کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی ۔اگر داغ دل کی چمک دمک باقی ہے تو افسردگی پیدا ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی وہ بری ہے ویسی ہی یہ بری ہے یعنی افسردگی و جلا و داغ عشق دونوں یکساں ہیں۔ مولانا نظم لکھتے ہیں کہ تشبیہیں لطیف ہیں ماحصل شعر کا کچھ بھی نہیں ہے ۔ بحمد مصنف نے مضمون آفرینی کی ہے اور نہایت اچھا ماحصل اسکا نکالا ہے ۔

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانۂ جوانی — کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

میرا ایسے شخص سے کیونکر یہ امید رکھوں کہ جوان ہو کر وہ میرے دل کی تمنائیں پوری کریگا جسنے کبھی بچپن میں میری کہانی بھی نہ سنی حالانکہ بچپن کے زمانہ میں کہانی سننے کا سب بچوں کو شوق ہوتا ہے ۔

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا — کہ مرے عدو کو یا رب ملے میری زندگانی

بلا وجہ کسیکو دکھ دینا کچھ اچھا نہیں ہے ورنہ یہ دعا مانگا کرتا کہ اے خدا میری زندگی میرے دشمن کو دیدے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اسکو میری زندگی ملتی تو وہ بھی بلاؤں میں پھنس جاتا ۔ ایک جگہ اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے ۔ یہاں زندگی نہ دینے کی وجہ بلا وجہ کسی کو ستانا رکھا مگر وہاں دوسرا سبب ہے ۔

س دریغ از حسرت دیدار بود نہ جائے آں دارد کہ بے رویت بدشمن دادہ باشم زندگانی را

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

میرے ظلمت کدے میں شب غم کا جوش ہے۔ یعنی ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اور صبح کا کہیں نام و نشاں تک نہیں ہے بلکہ کوئی ایسی شئے بھی نہیں ہے جس سے صبح پیدا ہونے کے کچھ آثار ظاہر ہوں۔ اگر ہے تو شمع جو بجھی ہوئی ہے وہ دلیل سحر ہے کیونکہ شمع صبح کے وقت بجھ جایا کرتی ہے سو وہ خاموش ہے۔ پھر خیال کیجیے کہ جہاں دلیل سحر بھی سوید و معین تاریکی ہو اُس گھر کی تاریکی کی کیا حد ہے اسی مضمون کے دو شعر لکھے جا چکے ہیں ذوق مرحوم کہتے ہیں۔

س دود دل سے ہے یہ تاریکی مرے غمخانے میں شمع ہے اک سوزن گم گشتہ کاشانے میں

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند۔

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

نہ مدت سے کوئی وصال کی خوشخبری سنی اور نہ اُس کا جمال آنکھوں سے دیکھا۔ گویا آجکل کان اور آنکھ کی صلح ہو گئی ہے نہ آنکھ کو اب رشک کا موقع ہے نہ اُس کو اب سو رنہ ایک زمانہ میں کبھی جمال دیکھتے تھے کبھی مژدہ وصال سنتے تھے۔ اور آنکھ کان سے کان آنکھ سے دشمنی رکھتا تھا۔ بلکہ اسی مضمون کا شعر ناسخ کا ہے مگر حق یہ ہے کہ غالب مرحوم نے جس صفائی سے اسکو نظم کیا ہے کہ ناسخ کے یہاں اُس کا نام بھی نہیں ہے۔

ناسخ شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی برسوں ہوئے کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

حسن خود آرا کو مے نے بے حجاب کر دیا ہے اے شوق ہو وقت اجازت ہے کہ اپنے ہوش و حواس اسکے حوالہ کر دے یعنی تو بھی بیخود ہو جا۔

گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

موتی معشوقوں کے ہار تک پہونچتا ہے ذرا ستارۂ جوہری کا اوج اور بلندی دیکھئے ایک جگہ

یوں کہا ہے سہ تیرے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں ÷ ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں ÷
ذرا سے فرق سے دونوں مضامین میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست — بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

ہماری بزمِ خیال ایک ایسا میخانہ ہے جس میں شور و شر کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ یہاں دیدار شراب ہے حوصلہ ساقی ہے کہ ہر ایک کے اندازہ کے موافق اسکو شراب پلاتا ہے۔ نگاہ ایک مست مے نوش ہے کہ پیتی چلی جاتی ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں اضافت نہیں ہے۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

اے وہ لوگو کہ فرشِ خواہشِ دل پر ابھی ابھی آکر بیٹھے ہو۔ اور اس بزم میں تو وارد ہو۔ ذرا خبردار ہو اگر تمہیں نغمہ و سرود اور شراب نوشی کی تمنا ہے۔ یہ نوجوانوں سے خطاب ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

تم اپنے ارادہ کو پورا کرنا مگر جو تمہاری آنکھ میں نگاہِ عبرت موجود ہے۔ اور اگر تمہارے کان میں نصیحت سننے کا مادہ اور قابلیت ہے۔ تو مجھے دیکھو۔ اور میری نصیحت سنو۔

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بنغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

ساقی کو نہ دیکھو اسکا جلوہ ایمان و عقل کا دشمن ہے مطرب کے نغمہ بھی نہ سنو یہ تمکین و ہوش کے رہزن ہیں میر کہتے ہیں سہ خلوتِ دل میں کر دیا اپنے حواس میں خلل چشم بلائے چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

تم نے شب کو بھی بزم کی حالت دیکھی ہوگی کہ ہر گوشۂ بساط پر پھولوں کا انبار تھا۔ جس سے فرشِ انجمن باغبان کا دامن اور گلفروش کا ہاتھ معلوم ہوتا تھا۔

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

خرام نازِ ساقی کے دیکھنے اور چنگ کی مستانہ آواز سے نگاہ اور کانوں کو جنت کا مزا آرہا تھا

یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

رات یہ کیفیت تھی مگر صبح کے وقت جو آکر دیکھا نہ وہ خوشی کا عالم ہے نہ وہ چہل پہل ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اب بجائے اوس خوشی کے سامان کے ایک شمع خاموش محفل میں نظر آتی ہے جسکو صحبت شب کی جدائی کے داغ نے جلا دیا ہے اور وہ چپ بیٹھی ہوئی ہے۔

مصنف نے اس قطعہ میں سحر نگاری کی ہے۔ جواب نہیں ہو سکتا۔ بزم کے سرور کی بھی کیفیت دو شعروں میں دکھا دی ہے اور رنج و غم کا بھی فوٹو کھینچ دیا ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

یہ مضامین جو میں لکھتا ہوں یہ سب غیب سے میرے خیال میں آتے ہیں اور گویا خامہ کی صریر فرشتہ غیب کی آواز ہے۔ صریر خامہ کو نوائے سروش سے تشبیہ دینا لطف سے خالی نہیں ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے — طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

اب تو جلد آ اور میری خبر لے کہ میری جان اتنی بیقرار ہو گئی ہے کہ مجھ میں تاب انتظار باقی نہیں رہی ہے۔

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

ظاہر ہے کہ جنت حیات دہر کے بعد ملیگی۔ مگر مصنف کہتا ہے کہ اگرچہ باقتضائے زمانہ زندگی کے بدلہ ہم کو جنت دیجاتی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ اس خمار کے مقابلہ میں وہ شراب بہت کم ہے یعنی یہاں جسقدر تکالیف کا سامنا ہوا ہے اوس کی اس عیش ابد سے تسلی نہیں ہو سکتی

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھکو   ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

نالہ وفریاد مجھے تیری بزم سے نکالتی ہے۔ ہائے افسوس کہ رونے پہ مجھکو اختیار نہیں رہا۔ یعنی ضبط کی طاقت مجھ میں باقی نہیں ہے۔

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر   خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

ہمارے مرجانے پر تو خیال کرتا ہے کہ یہ رنجیدہ ہو گیا یہ گمان غلط ہے۔ ہماری خاک میں رنج وغیرہ کا بالکل نام ونشان بھی نہیں ہے۔ لہذا یہ خیال فضول ہے۔ خاک اور غبار کا تناسب خوب ہے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی   غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے

اگر معانی کا لطف حاصل کرنا چاہتا ہے تو دل سے حاصل کر کیونکہ بہار کا مزا بغیر آئینہ گل کے نہیں آسکتا یعنی گل ایک آئینہ ہے جس میں گل کی تصویر نظر آتی ہے اسی صورت سے دل آئینہ جیسمیں شاہدان معانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے   وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

خیر خدا کا شکر ہے کہ اسنے میرے قتل کرنے کا عہد تو کر لیا ہے مگر جو اور پیمانوں کی طرح یہ پیمان بھی بودا ہے تو افسوس ہے۔ نہایت خوب شعر ہے۔

تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب   تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

تو نے غالب مے نوشی سے قسم تو ضرور کھائی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے آج توبہ کی ہے کل توڑ دے گا۔

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے   کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے

غم کے بوجھ کی کثرت سے میری گردن اسقدر جھکی ہوئی ہے کہ میرے دامن اور نظر کے تار کا فرق معلوم کرنا بہت دشوار ہے۔ یعنی دونوں مل رہے ہیں۔

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی — سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

زخم کو رفو کرانے سے یہ مطلب ہے کہ سوئی سے جو تازہ زخم ہوں ان کی بھی لذت اٹھاؤں۔ کہیں اس رفو کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ دیوانہ کو اب درد کا خیال نہیں رہا۔ اسی مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب — چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

وہ گل جس باغ میں جا وہاں غنچہ کے چٹکنے کو خندۂ دل کی صدا سمجھنا چاہیے جس سے باغ کی خوشی کا پتہ چلتا ہے۔ گل خاص گلاب کے پھول کو کہتے ہیں۔ اور اسکی کلی دل سے مشابہ۔ اس کے چٹکنے کو شعرا خندہ اور گریہ دونوں سے استعارہ کرتے ہیں۔

پابہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد — خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے

میں صحرا نورد تھا اور اب پاؤں میں کانٹے چبھنے سے تھک کر بیٹھ گیا ہوں تو خار پا میرے واسطے آئینہ زانو بن گئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ زانو کو شعرا آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں۔ لطیف بات یہ ہے کہ میرے پاؤں میں ایسے کانٹے چبھے ہیں جنکا اثر زانو تک محسوس ہو رہا ہے یہاں زانو کو آئینہ سے استعارہ خاص اس وجہ سے کیا گیا ہے جس سے سرنگونی کا پتہ چلے۔

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت — ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے

میرے دل کی حالت کا ہم آغوشی کے وقت اندازہ کرنا۔ کیونکہ تیرا بال بال میرے دل سے آشنا ہے کیونکہ دل مدتوں تیری زلف میں اسیر رہ چکا ہے اس وجہ سے ہر ایک سر مو ہم آغوشی کے وقت نگاہ آشنا کا کام دے گا۔

ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ — ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

میں ایک ایسا باجہ ہوں جسمیں شکایتوں کا راگ بھرا ہوا ہے مناسب یہی ہے کہ لوگوں میں تو مجھکو نہ چھیڑے۔ ورنہ معلوم نہیں کہ میری زبان سے کیا کیا نکل جائے گا اسی مضمون کا دوسرا

شعر مرزا نے لکھا ہے ؎

پرہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا — اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

نیں سرودِ نغمۂ جانسوز مجذوبانِ عشق — چھیڑ دے اور چھیڑ کر اک دل لگی دیکھا کر

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے — جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

تو جس محفل میں ناز سے باتیں کرے۔ تو چونکہ تیری باتیں معجز نما ہیں اور انمیں جان بخشی کا اثر ہے اس لئے وہ کالبد جو صورت دیوار یعنی بالکل مردہ ہیں اونمیں جان آجائے تو تعجب نہیں ہے۔

سایہ کیطرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر — تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

اگر تیرا قد دلکش باغ میں آئے تو سرو صنوبر غایت عشق سے تیرے سایہ کی طرح ساتھ ساتھ پھریں

تب نازِ گرانمائگیِ اشک بجا ہے — جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

اشک اوس حالت میں اپنی گراں مائگی پر جتنا چاہیں ناز کریں جب دیدۂ خونبار میں لخت جگر آئے۔

دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اے ظالم تو مجھے شکایت کی اجازت دے کہ ذرا تجھے میرے ستانے میں لطف آئے۔ بیوجہ ستانے میں کوئی لطف نہیں ہے یعنی تو مجھپر ظلم کرے اور میں تیری شکایت کروں تو اور بھی تو مجھ پر ستم کرے اس شعر میں حد عاشقی کا اتمام سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی عاشق چاہتا ہے کہ معشوق کا جی خوش ہو اپنی تکلیف کا کوئی خیال نہیں ہے دیکھئے ایک جگہ رونیکی اجازت اس لئے حاصل کی ہے۔

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم — تیرے چہرہ سے عیاں ہو غم پنہاں میرا

اُس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارا — طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

اگر وہ چشم فسونگر اشارا کردے تو آئینہ طوطی خوش گفتار کی طرح باتیں کرنے لگے۔ کیونکہ اوسکی آنکھ کا اشارہ سحر کا مرتبہ رکھتا ہے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب ایک آبلہ پا وادی پرخار میں آوے

ایخدا کانٹوں نے پیاس کے مارے زبانیں نکالدی ہیں اور انکی زبانیں خشک ہو رہی ہیں ایسے میں کسی آبلہ پا کو بھیج دے کہ ان کی پیاس بجھے۔ در پردہ قید سے اپنی رہائی کی دعا ہے۔

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک آغوش خم حلقۂ زنار میں آوے

میں رشک سے کیونکر نہ مروں جب اسکے جسم نازک کو حلقۂ زنار اپنی آغوش میں لے حسب عادت شعراء مصنف نے اپنے معشوق کو ہندو قرار دیا ہے۔

غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

اگر حرص زر غارت گر ناموس نہو تو پھول اپنے وطن یعنی باغ سے نکل کر بازار میں کیوں آئے اور اپنی عزت کو برباد کرے یعنی پھول کو باغ سے بازار میں زر حاصل کرنے کے لئے لاتے ہیں اور اس وجہ سے گل غارت گر ناموس ہے۔ مولانا نظم نے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ گلاب کا کھلنا اور زرد گل کا کھلنا گیا ہے گویا زر کی ہوس میں ہاتھ پھیلانا ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ سر بازار آنا پڑا نہیں تو بربادی ناموس کا کیوں سامنا ہوتا۔ غنچہ کی طرح بند مٹھی چلا گیا ہوتا جب ہاتھ پھیلا کر زر دیا تو شاہد بازاری ہو گیا اور ناموس عزت برباد گئی۔

تب چاک گریباں کا مزا ہے دل ناداں جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

ایدل چاک گریبان کا لطف جب ہے کہ جب تار نفس بھی اسی تار گریباں میں الجھا ہوا آئے یعنی تار نفس کا بھی تار گریبان کے ساتھ خاتمہ ہو۔

آتش کدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

میرے سینہ کو راز نہاں عشق نے آتش کدہ بنا رکھا ہے اور میں اس سے یہ کہا جاتا ہوں خوف ہے کہ اگر وہ راز کھل جائے تو دنیا کو پھونک دے گا۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اوس کو سمجھیے　　جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اے غالب جو لفظ میرے شعروں میں وہ خزانہ معنی کے طلسم ہیں۔ یعنی میرے شعر کا ہر ایک لفظ کثیر المعنی ہے جس سے عجیب عجیب معانی پیدا ہوتے ہیں۔

حسن مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہی　　اُس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

ہم اسکو مانتے ہیں کہ چودھویں کے چاند کا حسن اچھا ہی مگر میرا معشوق خورشید جمال اُس سے بہت اچھا ہی اسلیے کہ اندھیرے تو بود ماہ را۔

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہی ہر لحظہ نگاہ　　جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

بوسہ جو دل کی قیمت ہو اُسکے دینے میں تو لیت لعل کرتے ہیں اور دل کو تاکتے ہیں جی میں کہتے ہونگا کہ اگر مفت ملجائے تو مال اچھا ہی۔

اور بازار سے لے آئینگے گر ٹوٹ گیا　　ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

یعنی ایسی چیز کی کیوں جستجو کیجائے جسکی جستجو کی تکلیف اوسکی عیش سے زیادہ ہو ساغر جم کو کیوں ڈھونڈھیں

س ہم اپنی خشک دوٹی بے بگھاری دال کے صدقے　　ہمارا مٹی کا پیالہ طوس سے اچھا ہے اگر ٹوٹ جائے تو حرج نہیں دوبارہ بازار سے مل سکتا ہی اور وہ خراب ہونے ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد میں میسر نہیں ہو سکتا۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرع یوں ہے س اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا۔ مضمون دونوں کا ایک ہے اسی مضمون کا منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کا شعر ہی جسمیں زبان کی شوخی کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا ہے بصاف یہ ہی کہ منشی صاحب کا شعر اس سے کم نہیں ہے۔

س ساغر جم ہی پہ موقوف نہیں بادہ کشی　　ٹوٹا پھوٹا کوئی مٹی کا پیالہ ہوتا۔

بے طلب دیں تو مزا اسمیں سوا ملتا ہی　　وہ گدا جسکو نہو خوئے سوال اچھا ہے

ان دونوں مصرعوں میں تقابل سائل و مسئول عنہ کیا گیا ہی۔ یعنی جو لوگ بغیر مانگے بھیک

دیدیتے ہیں اوسمیں اُن کو اُس سے زیادہ مزا آتا ہے کہ مانگنے سے سائل کو کچھ دیں - ایسے ہی وہ فقیر جسے مانگنے کی عادت نہو مانگنے والے سے لاکھ درجہ بہتر ہے - مطلب کہ سائل کو سوال اور تونگر کو انتظار سوال نہ کرنا چاہیئے -

نظم صاحب اُسکا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ مانگنے سے ملا تو کیا رہ گئی جو قسمت میں ہے، وہ ملے کا ضرور اگر بے سوال ملا تو کیا پوچھنا اوس ملنے سے کیسا دل خوش ہو جاتا ہے - سوال کی مذمت کیا اچھی طرح سے کی ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق　　　وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اسمیں اپنی بدقسمتی کا اظہار مقصود ہے کہ جب وہ رحم کھاکر میرا حال زار دیکھنے کے لئے آتے ہیں تو میرا چہرہ بحال ہو جاتا ہے - اور اس حالت میں وہ میرے درد و غم کو محض بناوٹ سمجھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں - یہ مضمون نہایت لطیف ہے اور خوب لکھا ہے - فارسی کا ایک شعر اسی مضمون کا ہے -

ع　باوجیکہ میر سم آسودہ میشوم از دور　　　ندیدہ حال مرا وقت بیقراری حیف

ع　مرے دل کے دھڑکنے کا اُنھیں کیونکر یقیں آئے　　　ٹھہر جاتا ہے دل جب تھا وہ سینہ پر دھرتے ہیں

غالب کا یہ قافیہ نہایت مقبول ہے - اور اس شعر کو عوام نے بیت الغزل مان لیا ہے - مرزا داغ نے اس قافیہ کو خوب لکھا ہے سلاست زبان نے چار چاند لگا دیئے ہیں -

ع　آپ پچھتائیں نہیں ظلم سے توبہ نہ کریں　　　آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض　　　اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

گویا عاشق اپنے زعم میں نفع نقصان دنیا کو محض معشوقوں کی جفا و وفا تک محدود سمجھتا ہے اسی بنا پر کہتا ہے کہ دیکھئے ایک نجومی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ سال اچھا ہے اب دیکھئے بتوں یعنی معشوقوں سے عاشقوں کو کیا فائدہ پہونچتا ہے - یہ ہوا تو کچھ بھی نہیں -

ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا　　　جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

مصنف دعوےٰ کرتا ہے کہ کمال جیسا بھی ہو وہ اچھا ہے اور اُسکے ثبوت میں فرہاد کا مشہور قصہ پیش کرتا ہے کہ دیکھو فرہاد کا شیریں سے ہمکلام ہونا سخت دشوار تھا - مگر تیشہ نے

اوسکو ہُش سے ہمکلام کرایا۔ یعنی اوسکو کوہکنی میں کمال تھا۔ اور کوہکنی کے لیئے تیشہ ضرور چاہیئے۔ لہذا کمال کسی شے کا کیوں نہ ہو وہ اچھا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی　　کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

مولانا نظم نے اس شعر میں تین نقص نکالے ہیں۔ پہلے مصرع کو گنجلک دوسرے میں تنافر تیسرے مضمون کچھ نہیں۔ اور یہی اسکی شرح کی ہی۔ تنافر بعض حروف کے یکجا جمع ہونے سے ہوتا ہے مگر مسلّم تنافر کا یہ کلیہ ہے کہ جو طبیعت پر گراں گذرے وہی تنافر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ جیسے کہ چند اضافتیں متواتر جمع ہونا بڑا ہے مگر بعض جگہ کثرت اضافت لطف دیجاتی ہے۔ معانی شعر میں پہلے بیان کیئے جو اخلاقی ہیں۔ نہ پہلے مصرعہ میں کوئی زیادہ گنجلک معلوم ہوتی ہے کہ سمجھنے والا سمجھے

قطرہ دریا میں جو ملجائے تو دریا ہو جائے　　کام اچھا ہی وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اسمیں بھی مصنف نے ایک اخلاقی سبق دیا ہی۔ یعنی جو کام کہ اُس کا مآل اچھا ہو وہ اچھا ہے جیسے کہ قطرہ خود کو دریا میں ملکر مٹاتا ہی مگر اوسکا انجام اچھا ہوتا ہے کہ دریا بنجاتا ہی۔

ع　عشرت قطرہ ہی دریا مین فنا ہو جانا　　درد کا حد سے گزرنا ہی دوا ہو جانا

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز　　شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

خضر سلطان نا　بہیفرزند بہادر شاہ ظفر مرحوم کا اوسکی مدح میں یہ شعر ہی۔ تازہ نہال سے نوجوانی مقصود ہے اس شعر میں خضر۔ سرسبز باغ تازہ نہال وغیرہ الفاظ مناسب ہیں جو بحسن و خوبی نظم ہو گئے ہیں یا کئے گئے ہیں۔

ہم کو معلوم ہی جنت کی حقیقت لیکن　　دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

غالب جنت کی حقیقت ہمکو معلوم ہی۔ اور وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اُس سے دل خوش رہتا ہے۔ یعنی جنت محض اک سبز باغ ہی جو اکثر زاہد دکھاتے ہیں۔ فارسی میں اس مضمون کو یوں فرماتے ہیں۔

ع　فردوس جوئے عمر تو سواس دادہ آہ　　سرمایہ نیز در سر این سود میرود

ع　غالب خوشست فرصت ہوم ذکر میش　　تارسے کہ نیست در سر این بود میرود۔

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

بمثل شعر کہا ہے۔ کہ اے ظالم اگر میرے مرجانے سے تیری تسلی نہ ہوئی اور تو ہنوز اور امتحان کی فکر میں ہے تو میں بھی خوش ہوں خوشی سے اور امتحاں سے میں تیار ہوں۔ ایک شاعر مرنے کے بعد اپنی تباہی کا یوں اظہار کرتا ہے۔

فلک را کار ہا باقی است با مشت غبار من
کہ بازی گاہ طفلاں میکند خاک مزار من

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

اگر میرے شوق کو گلچینی گلستان تسلی حاصل نہیں ہے تو یہ کیا کم ہے کہ خار زار حسرت دیدار کو میسر ہے بہر حال کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔ حالی۔

یارب طرب وصل ہو یا ہو طلب وصل
جس دن کہ یہ دونوں نہ ہوں وہ دن نہ دکھانا

مے پرستاں خم مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

اے میکشو ساقی ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ وہ جام بھر بھر کر پلاتا۔ اب ساقی نہیں ہے تو خم مئے منہ سے لگا کر آپ پی لو۔ ایک دن ساقی نہ ہوا نہ سہی مطلب پینے اور جی بھر کر پینے سے ہے

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلےٰ نہ سہی

آہ شعلہ بار قیس سے چشم و چراغ صحرا روشن ہو رہے ہیں۔ اگر یہ شمع سیہ خانہ لیلےٰ میں نہیں نہ سہی۔ لیلےٰ چونکہ رات کو کہتے ہیں اور لیلےٰ سیہ فام بھی اسواسطے سیہ خانہ کہا گیا یعنی اُسکے سیہ خانۂ دل کے لیے یہ شمع نورانی کام نہیں دیتی تو نہ دے کچھ پرواہ نہیں ہے۔ جنگل تو اس سے آباد ہو رہا ہے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یہ شعر بہت خوب کہا ہے۔ یعنی گھر میں ایک ہنگامہ ہونے سے گھر کی رونق ہوتی ہے اگر نغمۂ شادی نہ ہو تو نوحۂ غم میں بھی ایک شان نکلتی ہے۔ یہ کمال مجبوری عاشق کا خیال ہے۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا   گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

نہ کسی سے داد ملنے کی پروا ہے نہ صلہ و انعام کی خواہش ہے۔ لوگ میرے اشعار کو بے معنی قرار دیتے ہیں تو دیں اور کوئی مجھے دیتا ہو تو نہ دے۔

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو   نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

غالب اگر یہ صد ہائے عشق و محبت نے تم کو عمر طبعی تک نہ پہونچنے دیا۔ اگر خیر نہ سہی یہ کیا کچھ کم ہے کہ جسقدر عمر ہوئی وہ معشوقوں کی صحبت میں بسر ہوئی۔ طبعی۔ اور طبیعی دونوں ایک معنے میں مستعمل ہیں۔

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے   کہ اپنے سایہ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

یہ عجب خوشی ہے کہ ہم جلاد کے آگے جا رہے ہیں۔ کہ سایہ کی وجہ سے ہمارا پاؤں سے دو قدم آگے ہے اور اس سے ہماری خوشیٔ قتل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت   فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

روز ازل کاتب تقدیر نے چاہا تھا کہ خراب بادہ الفت مجھے لکھ دے۔ لیکن صرف خراب لکھا تھا کہ آگے قلم نہ اوٹھ سکا۔ لہذا اب میری خرابی کو خرابی الفت کوئی نہیں سمجھتا۔ محض خراب و سرگشتہ سمجھتے ہیں۔

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی   وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

زمانہ کے غموں نے سب ہمارا نشہ ہرن کر دیا۔ وگرنہ عشق میں جو ہمکو رنج ہوتے تھے اس سے حصول لذت کرتے تھے مگر غم زمانہ نے سب بھلا دیا۔

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا   کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

خدا کے لیے کوئی ہمارے اس شوق کی جسنے ہمکو مجنوں بنا دیا ہے داد دینا۔ کہ وہ نامہ بر کو

خط دیتے ہیں۔ ادھر جواب کے شوق میں اُسکے دروازہ پر نامہ بر سے پہلے جا پہونچتے ہیں۔ مضمونِ شعر نہایت اچھا ہے لیکن زبانِ شعر نامانوس ہے اس وجہ سے لوگوں کی توجہ ادھر نہیں ہوتی۔

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بخم آگے

یہ ساری عمر جو تمہارے ہاتھوں سے ہم نے پریشانیاں اٹھائی ہیں خدا کرے اے گیسوے خمدار تیرے آگے آئے۔ آگے آنا۔ نتیجہ اٹھانا۔ بدلہ پانا۔

دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو دم آگے

ہم دل و جگر میں یہ نہ سمجھے تھے کہ موجِ خوں جوش زن ہے بلکہ سانس سمجھتے تھے اب معلوم ہوا کہ یہ موجِ خوں تھی جسے غمِ عشق نے لہو بنا کر بہادیا اور وہ دل و جگر کا خون ہے۔ سانس نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خون کی روانی وغیرہ سے انسانی زندگی ہے۔ اور سانس بھی اسکا کرشمہ ہے۔ ہرچند کہ سانس کا مقام پھیپھڑا ہے مگر شاعروں کے یہاں سب کام قلب و جگر و سینہ لیا جاتا ہے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

اللہ اللہ زمانہ کا کیا انقلاب ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ وہ میری جان کی قسم کھاتے تھے اور ایک آج یہ وقت ہے کہ وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم بھی اُسکے جنازہ پر ضرور آئینگے۔ یا آج انھیں جنازہ پر آنے سے انکار ہے۔

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیئے تو گلا ہوتا ہے

شکوہ کا اگر نام بھی لیتا ہوں تو وہ بے وفا خفا ہو جاتا ہے بلکہ اتنی بات کے کہنے سے بھی گلا کرتا ہے یا یہ کہ یہ بھی جو میں کہتا ہوں تو یہ بھی گلہ سمجھا جاتا ہے مضمونِ شعر اور بندش نہایت چست ہے اسی مضمون کو غالب کے شاگردِ رشید جناب سخن دہلوی نے کہا ہے

یوں کسی پر کوئی سرگرم جفا ہوتا ہے
پھر کہیں اے یار جو کہیئے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

ابھی دو غزلوں پہلے میں اس مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔ کہتا ہے کہ میں شکووں سے ایسا بھرا ہوا ہوں جیسے راگ سے باجا بھرا ہوتا ہے۔ اک ذرا چھیڑ دیجئے پھر مزا دیکھئے۔

مصحفیؔ ۔ شیشہ کیطرح ہے ساقی ۔ چھیڑ تا مت کہ بھرے بیٹھے ہیں

تو سمجھتا نہیں ہے حسن تلافی دیکھو ۔ شکوہ کے نام سے سرگرم جفا ہوتا ہے

اگرچہ میرے شکوے کو وہ کم سنی یا نہ سننے کی وجہ سے سمجھتے نہیں ہیں۔ مگر اسکی تلافی اس صورت کرتے ہیں کہ جفائیں کرنے لگتے ہیں بقول مومن

۔ اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال ۔ سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

مکوکب یعنی کوکب دار عشق کی راہ میں کم بخت آسماں کی ایسی سست چال ہے جیسے اس کے پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے ہیں ستاروں کو چھالے قرار دیا ہے۔ اور سست روی اس سے ثابت کی ہے سست رفتار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آسماں کی گردش سے رات دن ہوتے ہیں۔ مگر جدائی کے دن اور راتیں پہاڑ سی ہوتی ہیں اور درازی کی وجہ سے انکا کاٹنا دشوار ہوتا ہے۔

کیوں نہ ٹھیریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم ۔ آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

آخر ہم پر ظلم و ستم کیوں نہ ہوں۔ اگر ہم ستمگر کا کوئی تیر خطا ہوتا ہے تو ہم خود اسکو اٹھا کر لا دیتے ہیں کہ یہ پھر ہمارے سینے پر لگا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

تا منفعل ز رنجش بیجا نہ بینمش ۔ ہے آرم اعتراف گناہ نبودہ را

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ ۔ کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

اگر پہلے سے ہم اپنے بدخواہ ہوتے تو بڑا اچھا تھا۔ کہ اپنا بھلا چاہتے ہیں تو برا ہوتا ہے برا چاہتے تو بھلا ہوتا۔

مومنؔ ۔ ہنگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی ۔ آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب　　لب تک آتا ہی جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

پہلے میرے نالے کی یہ کیفیت تھی کہ عرش تک جاتا تھا۔ مگر اب یہ زمانہ ہی کہ جو بڑا رسا ہوتا ہی وہ لب تک آتا ہی۔ یعنی اب حد سے زیادہ ضعیف ہوگیا ہوں سالک۔

۵ واے اس ضعف کہ سنتے تھے فرشتے او جو　　یاں سنائی نہیں دیتی مری فریاد مجھے

خامہ میرا کہ وہ ہی باربدِ بزم سخن　　شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

غزل لکھتے لکھتے قطعہ لکھدیا ہی۔ کہتے ہیں میرا قلم کہ وہ بزم سخن کے لئے ایک باربد ہی بادشاہ کی یوں مدح سرائی کرتا ہی۔ باربد ایک گویّے کا نام ہی۔ جو اپنے فن میں نہایت کامل تھا۔

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم　　تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

اے وہ بادشاہ کہ ستارے تیری سپاہ اور آفتاب تیرا علم ہی جیسا تو بزرگ ہے ویسا کون بیان کرسکتا ہے۔

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجیے　　تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

اگر ساتوں ولایتوں کا محصول فراہم کیں تو وہ تیرے لشکر کے نعل کی قیمت ہی۔

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہی ہلال　　آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

یہ چاند جو ہر مہینہ میں گھٹ کر بدر سے ہلال ہوجاتا ہی یہ اسوجہ سے ہے کہ تیرے آستانہ پر پیشانی گھستے گھستے اسکا یہ حال ہوتا ہے۔

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں　　یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

میں جو گستاخانہ اور بے تکلفانہ اچھی اچھی غزلیں پڑھتا ہوں اسکی کوئی اور وجہ نہیں ہے بلکہ تمہارے کرم نے ہمکو گستاخ کردیا ہے۔ (?) بتکہ ہمیشہ تو مارا کرو گستاخ

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف   آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اے غالب میرے رونے اور شور انگیز نالوں سے تو بدمزہ نہ ہونا۔ آج درد دل کچھ بڑھ گیا ہے جو میں یوں اس تلخ نوائی پہ مجبور ہو گیا ہوں۔ اور مجھ سے اور دن کی طرح ضبط نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے   خطا معاف یہ انداز گفتگو کیا ہے

آپ جو ہر ہر بات پر مجھ سے فرماتے ہیں کہ تو ہے کیا چیز۔ ذرا معاف فرمائیے آپ نے یہ کیا گفتگو کا طرز و طریقہ اختیار کیا ہے۔

نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا   کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

تندخوئی کے سبب سے میں خیال کرتا تھا کہ وہ شعلہ ہوگا۔ مگر دیکھا کہ شعلہ میں یہ کرشمے نہیں ہیں تو میں نے شوخی دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ وہ برق ہے مگر دیکھتا ہوں تو اس میں وہ ادائیں نہیں جو اس تندخو میں ہیں اس خیال کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا اللہ کوئی کچھ بتاؤ کہ وہ شوخ تندخو کون ہے۔ اور اسے میں کیا کہوں۔

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے   وگرنہ خوف بدآموزیٔ عدو کیا ہے

مجھے اس بات کی مطلق فکر نہیں ہے کہ دشمن تمہیں پٹیاں پڑھاتا ہے۔ مگر اس کا رشک ضرور ہے کہ وہ تم سے باتیں کرتا ہے۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن   ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

کوئی ہماری جیب و گریبان کے رفو کی کیوں فکر کرے ہمارا پیراہن لہو سے بدن پر چپکا ہوا ہے یہی کافی ہے فارسی میں یوں کہا ہے ؎

برتن چسپیدہ بادم از زخم خونابہ پیراہن   خراش سینہ سطر بخیہ شد چاک گریباں را

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا   کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

دل رہی نادانی کہ میرا جسم جلا دیا ہے اور دل کو ابھی ڈھونڈھ رہے ہیں اور خاک میں ڈھونڈھ رہے ہیں کہ وہ نہ جلا ہوگا۔ کیا شیوۂ نادانی ہے ارے آخر یہ زحمت بیجا کیوں اٹھا رہے ہو جہاں جسم جلا ہے دل بھی جل گیا ہوگا۔ جناب نظم کہتے ہیں کہ کریدنا برا ہے۔ کیا معشوق مرغی تھا۔ مگر کہنا بہت اچھا ہے بجائے اسکے اس محل پر کوئی دوسرا لفظ رکھا جائے تو حقیقت کھلے

وہ چیز جس کے لئے ہمکو ہو بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

وہ چیز جس کی وجہ سے ہمکو بہشت کی تمنا ہو شراب کے سوا اسے کیا ہے۔ پھر افسوس ہے کہ جس چیز کی وجہ سے حصول بہشت کی ضرورت ہے اوسکو بہشت کے لئے چھوڑ دیں۔

لطیفہ مرزا کے شغل کا وقت تھا کوئی پارسا دوست تشریف لائے کہا ایں قبلہ و کعبہ یہ کیا آپ شراب پیتے ہیں۔ اس سے توبہ کیجیے۔ مرزا بولے نہیں کیوں۔ دوست صاحب نے فرمایا کہ ادنے نقصان اسکا یہ ہے کہ چالیس روز تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ جواب دیا کہ جب شراب پینے کو میرے پاس موجود ہے تو پھر اب دعا مانگنے کی ضرورت کونسی ہے۔

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

یہ مضمون بالکل پامال اور بتندل اور بے لطف ہے۔ یعنی میرا شیشہ پیالہ کوزہ سبو سے کیا کام چلے گا۔ اگر دو چار خم بھی مل جائیں تو ہم چڑھا جائیں گے۔ یا یہ کہ شیشہ و قدح دیکھکر پینے کو جی نہیں چاہتا اگر کہیں ایک دو خم دیکھ لوں تب پیوں۔

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے

اول تو مجھ میں طاقت گفتگو بھی نہیں رہی اور ہے تو اوس ستمگر سے کس امید پر کہوں کہ مجھے حسرت ہے کہنے کو نسے دن میری آرزو پوری کی ہے جو اب کرے گا۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

چونکہ آپ بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے ہیں تو اتراتے پھرتے ہیں وگرنہ غالب کو پوچھتا کون ہے۔

میں اُنھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں　　چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

میں انھیں چھیڑوں اور وہ سنکر خاموش ہو جائیں اور کچھ نہ کہیں بس یہی بڑی خیریت ہوئی کہ وہ اُس وقت پیے ہوئے نہ تھے ورنہ دُھریت اڑانے لگتے۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو　　کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میں نے مانا۔ کہ تم ہمارا قہر ہو یا بلا ہو لیکن یہ سب کچھ گوارا کرتا ہوں۔ لیکن اسے گوارا نہیں کرتا کہ تم دوسروں کے لئے ہو۔ کاش تم کسی حالت میں اور کچھ ہوتے مگر میرے لئے ہوتے۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا　　دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

اگر میری قسمت میں غم زیادہ تھا تو یا اللہ اسکے اُٹھانے کے لئے کئی دل دیے ہوتے۔ کہ اگر ایک نہ رہتا تو دوسرا اُسکی جانشینی کرتا۔ اس مضمون کو اگرچہ غالب نے بھی خوب کہا ہے مگر میر تقی میر کے یہاں اس سے بھی اچھا بندھا ہوا ہے۔ ایک شعر ایک دیوان ہے۔ اسکا جواب نہیں ہے۔

ع کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں　　ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں

آہی جاتا وہ راہ پر غالب　　کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

اے غالب تم مر گئے۔ ارے ابھی اور جیتے ایک نہ ایک دن وہ بھی راہ پر آہی جاتا۔ اسمیں مخشوق کے جور و ستم کی زیادتی۔ اور اسمیں اپنی زندگی کے گذر جانے کا حسرتناک سین دکھایا ہے۔ دوسرا اسمیں طعن و تشنیع کا پہلو نکلتا ہے۔ کہ کیوں نہ ہم نہ کہتے تھے کہ ابتدائے عشق میں مر جاؤ گے مگر تم نہ مانے اور بس امید پر جیتے رہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور راہ پر آجائیگا مگر آخر وہ راہ پر نہ آئے۔ اور تمھیں مرنا پڑا۔ کیوں مرے ابھی نہ ٹھہرے۔ کسی نہ کسی دن وہ راہ پر آہی جائیگا۔ خوب شعر کہا ہے۔

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے　　ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

اپنی حرماں نصیبی اور دوسروں کی خوش نصیبی کا نقشہ دکھایا ہے۔ کہ ہائے غیر تو شراب پئیں

اور ہماری کوئی بات ہی نہ پوچھے۔ کسی کا شعر ہے۔

سہ ساقی نہ دے جو جام سے وہ خام کے — بیٹھا تو پیے دے ہمیں ہر یک جام کے

سہ در خور اگر نسیم مے لالہ فام را — اے کاش تر کنند بہ بوئے مشام را

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ — ہتکھنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

ہم اپنے رنج و غم اور دل ٹوٹنے کی بابت آپ ہی سے کیا شکایت کریں۔ یہ سب آسمان کے ہتکھنڈے ہیں کیونکہ یہ نئی صورتیں ظلم و ستم کی نکالتا ہے معلوم نہیں تمہارے ہی ہاتھ سے رنج دلا دیا ورنہ اصل تمہارا کچھ قصور نہیں ہے

سہ تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو — ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

یعنی یہ ضروری نہیں ہو کچھ مطلب ہی ہو تب تمہیں خط لکھیں نہیں کچھ مطلب ہو یا نہ ہو خط ضرور لکھیں گے کیونکہ ہم تو محض تمہارے نام کے عاشق ہیں اسمیں اور نہیں تمہارے نام کی مشق تو ہوتی ہے۔

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم — دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

یعنی رات کو شراب پی زمزم پر بیٹھکر۔ اور صبح کو توبہ کر کے اسی کے پانی سے جامۂ احرام کے سے دھبے دھوئے۔ سہ خوب پی رات کو مے صبح کو توبہ کر لی — رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

دلکو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر — یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

میرے دلکو میری آنکھوں نے تمہارے عشق کے جال میں پھنسایا۔ غالباً یہ میری آنکھیں بھی تمہارے دام حسن کے حلقے تھے۔

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر — دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

بادشاہ کے غسل صحت کی خبر اڑی ہوئی ہے۔ دیکھیے کب حضور غسل صحت فرماتے ہیں اور

حکام کے اچھے دن کب آتے ہیں۔

عشق نے غالب نکما کر دیا — ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اے غالب ہمکو عشق نے بیکار کر دیا ورنہ ہم بھی کام کے آدمی تھے۔

پھر اس انداز سے بہار آئی — کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

یہ غزل نہایت ہی صاف کہی گئی ہے۔ یعنی پھر اس انداز سے بہار آئی ہے کہ آفتاب و ماہتاب تک تماشا دیکھ رہے ہیں۔

دیکھو اے ساکنان خطہ خاک — اسکو کہتے ہیں عالم آرائی

اے زمین کے رہنے والو دیکھو عالم آرائی اسکا نام ہے۔

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر — روکش سطح چرخ مینائی

کہ تمام آسمان کو مات کر رہی ہے بلحاظ سبزی کے۔ یا بہ لحاظ اس بات کے کہ بہار نے اسکا مرتبہ بلند کر دیا ہے۔

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی — بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ کی یہ کثرت ہے کہ جب زمیں پر اسکو جگہ نہ ملی تو کائی کی صورت میں پانی پر جم گیا

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے — چشم نرگس کو دی ہے بینائی

صرف سبزہ و گل کے نظارہ کے لئے نرگس کی آنکھ کو بینا کر دیا ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر — بادہ نوشی ہے بادپیمائی

جب موسم نے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا کر دی ہے تو شراب پینا بالکل فضول ہے۔

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب — شاہ دیندار نے شفا پائی

یہ خوشی کا عالم بیوجہ نہیں ہو بلکہ ایسا ہونا چاہیے کیونکہ بادشاہ قبلہ عالم نے صحت پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے — اگر پہلو تہی کیجئے تو جا میری بھی خالی ہے

میں تغافل کو دوست رکھتا ہوں۔ میرا دماغ عجز یہانتک بلند ہو کہ اگر مجھ سے آپ پہلو تہی کریں تو میں اس پہلو تہی کو سمجھوں کہ آپنے میرے لئے جگہ خالی کی۔ فارسی میں یوں کہا ہے۔

درآغوش تغافل عرض یکرنگی تواں دادن — تہی تا میکنی پہلو بما بنمودۂ جیسا را

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہونے سے — بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

اگرچہ دنیا آباد ہے مگر اہل ہمت اس میں نہیں ہیں۔ گویا یہ ایک میخانہ ہو جسمیں شراب نادار دہے جام و سبو بھرے پڑے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اہل ہمت کا نہ ہونا دنیا کے آباد رہنے کا سبب ہے۔ کیونکہ اگر دنیا میں سب اہل ہمت ہی ہوتے تو وہ سب دنیا کو ترک کر کے بیٹھ رہتے اور دنیا ویران ہو جاتی۔ جسقدر جام و سبو ہیں میخانہ میں شراب نہیں ہے جسقدر رکھے ہیں مصنف نے یہ بھی فائدہ اٹھایا ہے کہ جسقدر جام و سبو زیادہ ہونگے میخانہ کے خلو کی دلیل ہے اس سے میخانہ کی شان گھٹتی جائیگی اور کمہار کے گھر کی شان پیدا ہوتی جائیگی یعنی بجائے جام و سبو کے بھی اسی سرا بسر ہی ہوتی اگر جام و سبو نہوتے یا یہ کہ اہل ہمت کے نہونے سے دنیا آباد ہے کہ جام و سبو کو جسقدر بھر بھر کر دینگے میخانہ خالی ہوتا جائیگا یعنی یہ لوگ اگر میخانہ دنیا میں ہوتے تو دنیا کو لٹا دیتے اور ان کا جود وکرم دنیا کو آباد نہ رہنے دیتا۔

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

میری کہانی اول تو وہ سنتا ہی کب ہو۔ اور اگر سنے بھی تو کیا میری زبانی سنے گا۔ شعر بتہ دیتا ہے مگر پہلے مصنف نے مصرعہ اوسے کہا ہے۔

خلش غمزہ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

یہ کیوں پوچھتا ہے کہ میرے غمزہائے خونریز نے تیرے ساتھ کیا بدسلوکی کی۔ صرف یہ دیکھ لے کہ میری آنکھوں سے کسقدر جوئے خوں رواں ہے یعنی میرا دل ان سے خون ہوگیا ہے اور اسی وجہ سے میں خون روتا ہوں۔ دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ ہاں ہاں اچھا خلش غمزہ خونریز نہ پوچھ میری خونابہ فشانی کا تماشہ دیکھ۔ یہ بھی یا از راہ طنز کہا گیا ہے۔ یا بصورت عجز کہ اگر یہ نہ کرے تو یہ تو کر۔ بہر حال کچھ نہ کچھ چاہیئے۔

کیا بیاں کرکے مرا روئینگے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

میں مر جاؤں گا تو لوگ میری کونسی اچھی عادت کو بیاں کرکے روئینگے بس ایک آشفتہ بیانی ہی ایسی ہے جسے یاد کرینگے۔

ہوں زخود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

خیال حباب ایک جنگل ہے جس سے میں نکل گیا ہوں اواب۔ میری نشانی صرف یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گئے ہیں۔

یا یہ کہ میں خیال یار کے دشت ناپیدا کنار میں از خود رفتہ ہوگیا ہوں اور میری گم گشتگی اور از خود رفتگی کا نشان یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گیا ہے۔

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

میرا معشوق مجھ سے رک گیا یعنی خفا ہوگیا۔ اور اسکی رکاوٹ محض میری روانی یعنی حاضر جوابی و بذلہ سنجی سے تھی۔ غرض یہ کہ وہ میرا متضاد اور مقابل ہے کیونکہ بیان کر چکے ہیں۔

سہ زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رگ گیا روانہ ہوا

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

میری گراں قدری کچھ قابل تحسین نہیں ہے بلکہ ازراہ نفرت ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ پتھر گراں ضرور ہے۔ مگر اسیقدر از راہ ذریعہ قدر ہے کہ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے فارسی میں فرماتے ہیں۔

۵ ناکس ز تنومندی ظاہر نشود کس — چوں سنگ سرِ رہ کہ گراں ہست و گراں نیست

گرد باد رہ بیتابی ہوں — صرصر شوق ہے بانی میری

میں راہ بیتابی میں ایک بگولہ بنگیا ہوں۔ اور یہہ سب ہوائے شوق کا کرشمہ ہے جسنے میری یہ صورت بنادی ہے۔

ذہن اُسکا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری

یہ ایک معمولی اور مبتذل مضمون ہے کہ میں نے اُس کے ذہن کے معلوم کرنیکی کوشش کی مگر اس نکتہ کو معلوم نہ کر سکا۔ لہذا میری ہیچمدانی کا حال اکھل گیا۔ یا یوں سمجھے کہ ذہن معشوق ہیچ ہے اور میں اوس ہیچ کو معلوم نہ کر سکا لہذا ہیچمداں ٹھہرا

کر دیا ضعف نے عاجز غالب — ننگ پیری ہے جوانی میری

یعنی اگرچہ جوان ہوں مگر اسقدر ضعیف و نحیف ہوں کہ سو بڈھوں کا ایک بڈھا معلوم ہوتا ہوں ناطق

جوانی دو دنوں کی عمر ہی کا نام ہے ناطق — ہماری بھی جوانی کچھ جوانی میں جوانی تھی

نقش ناز بت طناز بہ آغوش رقیب — پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے

آغوش رقیب میں ہونیکی حالت میں اُسکی تصویر چاہتی ہے کہ مانی کے ہاتھ میں پائے طاؤس بجائے خامہ کے دیا جائے۔ تب مجھے کھینچے۔ یہ ظاہر ہے کہ طاؤس کے تمام اعضا سوائے پاؤں کے خوبصورت ہوتے ہیں یہاں اس وجہ سے ایسا کہا گیا کہ اُسکی تصویر بھی اچھا تصویر کا کھینچنا بھی کھینچنے والا بھی اُستاد۔ برا ہے تو یہ برا ہے کہ وہ آغوش رقیب میں سے پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت۔ زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت۔

مصنف نے یوں نہیں کہا کہ اُسکی تصویر اس صورت میں یوں کھینچی جائے بلکہ یہ کہا ہے کہ اُسکی تصویر کا یہ تقاضہ ہے کہ ہر وقت میرا کھینچنا اسطرح زیبا ہے۔ گویا میں رقیب کے پاس بیٹھنا بُرا نہیں جانتا بلکہ یہ قدرتی امر ہے کہ بُرا معلوم ہوتا ہے۔

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

تیری عادت ایسی بُری کہ میری حیرت سے مجھکو محو تماشا سمجھتا ہے۔ اور میرے غم کا ایسا افسانہ ہے جو چاہتا ہے کہ آشفتہ بیانی بھی اُسکے ساتھ ہو۔ یا یہ کہ میری حیرت تیرے لئے ایک تماشہ ہے اور اگر اس سے آشفتہ ہوں اور میرا غم مجھے مجبور کر دے تو تو آشفتہ بیانی سمجھتا ہے غرض دوگونہ رنج و عذاب ستیان مجنوں را بلائے فرقت لیلےٰ و محبت لیلےٰ۔ چپ رہوں تو مصیبت کچھ کہوں تو آفت

وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع — شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

میں وہ تپ عشق اور حرارت کی تمنا رکھتا ہوں کہ شمع کی طرح پھر شعلہ رگہائے جگر تک سرایت کرے۔ یعنی وہ شعلہ ہو کہ میرے جسم و جگر سب کو پھونکدے۔

گلشن کو تری صحبت ازبسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

چونکہ پھولوں کو تیرے پاس بیٹھنا اور تجھ سے ملنا اچھا معلوم ہوتا ہے لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ غنچے جو کھلتے ہیں یہ گویا جوش شوق میں تجھسے ملنے کے لئے آغوش کھولتے ہیں۔ بیدل۔

ف زجیب ہر مژہ آغوش سے چکدا اینجا — کہ جائے تو ہمہ در چشم دوستان خالی ہست

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالہ کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

واں کنگرۂ استغنا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور یہاں نالہ الٹا یہ دعوے کرتا ہے کہ یہ میری رسائی کے سبب سے ہوا ہے۔ یعنی میرے نالہ کا اگر اثر ہوتا ہے تو اتنا کہ وہ مجھ سے اور بھی مستغنی ہو جاتا ہے

ازبسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

غم مجھکو ضبط کے انداز سکھاتا ہے۔ اور ہر داغ سے چشم نمائی کا کام لیتا ہے۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

ایسا زخم ایسا ہو کہ اُسکی تدبیر چارہ گری ہو سکے میں ایسا زخم نہیں چاہتا - وہ زخم دشمن کی قسمت میں لکھدے - یعنی میرا درد لا دوا ہونا چاہیئے۔

ے دریوزہ راحت نتوانکرد ز مرہم — غالب ہمہ تن خستہ یار است گدا نیست

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دلمیں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

میرے لئے یہ اچھا ہے کہ میں اُسکی انگشت حنائی کا خیال اپنے دل میں رکھوں کم از کم اس سے اتنا فائدہ ہے کہ میرے جسم کا تمام لہو خشک ہو گیا ہے اس سے میرے دل میں ایک لہو کی بوند تو نظر آتی ہے یعنی وہ لہو کی بوند سے مشابہ ہے اس تشبیہ سے مصنف نے کئی فائدے اٹھائے ہیں۔ معشوق کی انگلی کی پور کی نزاکت اور تزئین اور اُسکو اپنے دل کے لئے لہو کی بوند بنانا - بلحاظ بلاغت معنی کے شعر کا لفظ لفظ با معنی ہے یعنی عاشق کے تباہ ہونے پر وہی معشوق کا خیال جسنے تباہ کیا ہے باعث آرام ہو جاتا ہے عاشق کو ہر حال میں معشوق کا خیال چاہیئے۔ معشوق کے ہر عضو بدنکو دل میں رکھے اس شعر میں معانی کا دوسرا پہلو بھی یہاں لطیف ہے - یعنی کوئی غمخوار دوست - یا خود اسکی عقل اسکو سمجھاتی ہے کہ اب اس خیال کو چھوڑ دے تیرے دل میں بالکل خون باقی نہیں رہا اب یہ خیال تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے گا اور اُسکے جواب میں یہ کہتا ہے کہ واہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اچھا نہیں ہے یہ خیال میرے لیے اچھا ہے - ابھی میرے دلمیں ایک خون کی بوند دکھائی تو دیتی ہے اسے بھی کیوں نہ صرف خیال انگشت حنائی کروں - لہذا جب تک خون کی ایک بوند بھی دلمیں ہے یہ خیال اُسوقت تک میرے لئے اچھا ہے - جب خون نہو تو پھر مجبوری ہے۔

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

تم عشاق کی بیحوصلگی - اور بے تابی - بیصبری سے کیوں ڈرے جاتے ہو - یہاں کون کس کی فریاد سنتا ہے یعنی دنیا کا تیرے زمانہ میں یکساں حال ہے - اگر کوئی تمہاری فریاد کرے بھی تو بیکار ہے اسمیں کسیو کا لفظ مصنف کے بھی متروکات سے ہے اور وہ خود بھی اسکو غیر فصیح اور بیجا سمجھتے تھے کسی صحیح سمجھتے تھے۔

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب — حسرت میں رہے ایک بت عربدہ جو کے

غالب اوس ناکام پر بڑا افسوس ہے۔ جو ایک عمر ایک معشوق ستمگر کی حسرت میں گذارے

دشنہ نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

یعنی معشوق ستمگر کے خنجر نے کبھی اوس مظلوم ناکام کے گلوئے مشتاق قتل کی بات تک نہ پوچھی ہو اور جس کے دشنہ جانستاں نے کبھی جگر کو منہ نہ لگایا ہو۔ دونوں محاورے نہایت ہی برمحل صرف ہوئے ہیں۔ یعنی چھری کا جگر کو منہ لگانا جگر کے ٹکڑے اڑانا۔ اور خنجر کا گلو کی بات پوچھنا اوسکو کاٹنا ہے۔ خنجر چونکہ بصورت زبان ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں محاورے لکھے ہیں۔ یعنی اوس ناکام کی حسرت بڑی حسرت ہے جسکی قتل کی آرزو بھی پوری نہو۔

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم — حیراں کیے ہوئے ہیں دل بیقرار کے

اس شعر میں بھی دو معانی پیدا ہوتے ہیں کہتا ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے کہ وہ آئینہ کی مدد کرتا اور اسکو آئینہ بناتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے دل نے جو مثل سیماب ہے ہمکو حیراں کرکے مثل آئینہ بنا دیا ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے کہ آئینہ کی مدد کرتا ہے۔ اور اسکو چمکاتا ہے۔ برعکس اسکے ہمارے دل بیقرار نے ہمکو حیران بنا دیا۔ اور پریشان کر دیا۔ یعنی ہم بیکار ہو گئے اور یہ گویا یہ ہی سیماب کی نئی تاثیر ہے۔ ورنہ دنیا میں تو یہ نہیں ہوتا ہے۔

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

گل نے اپنی آغوش کھول رکھی ہے کہ جلد سب سے رخصت ہو جائیں لہذا اے عندلیب اس کی نہ بھول کہ بہار ابھی موجود ہے۔ نہیں بلکہ گل رخصت ہو رہے ہیں اور بہار سدھار رہی ہے ایک جگہ فارسی میں بہار کے آمادۂ وداع ہونے کی یوں توجیہ کی ہے۔

س ہر دو برگ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری — بہار از حسرت فرصت بدندان میگزد لب را

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں — معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اگر وصل میں عالم تمکین و ضبط قایم رہا تو وہ وصال وصل نہ رہا۔ نہ ہجر ہو گیا۔ بلکہ معشوق کو شوخ اور عاشق کو دیوانہ رہنا چاہیئے تاکہ ضبط و تمکین کا نام تک نہ آنے پائے۔

اس سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں — شوقِ فضول و جراتِ رندانہ چاہیئے

کبھی نہ کبھی اسکے لب کا بوسہ مل ہی جائیگا۔ لیکن یہ فضول شوق اور رندانہ جراءت چاہیئے۔ باقی کچھ ضرور نہیں ہے بوسہ کے شوق کو شوق فضول اس لئے کہا ہے کہ مصنف اسکو بوالہوسی کہتا ہی نہ کہ عاشقی۔

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

دنیا میں جتنا چاہیئے اچھوں کو چاہیئے اگر اس چاہنے کے اثر سے یہ لوگ چاہنے لگیں تو بس پھر کیا ہی ہو المقصود وہو المراد اس سے اچھی کونسی بات ہے۔
دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرا معشوق ابتک یہ ونکو چاہتا ہی کاش اسکا یہ خیال ہو جائے کہ چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے۔ پھر مجھے کیا پرواہے۔ مصرع ثانی میں یہ کی ضمیر اس صورت میں جانب معشوق اور چاہیئے کا فاعل بھی معشوق ہی کو قرار دیا جائے گا۔

صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیئے

رندوں اور شراب خوار دنکی صحبت سے پرہیز ضروری ہے بجائے میکشی کے خود کھینچنا چاہیئے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے

میرا دل جو آپ کے عشق میں زار و بیقرار اور دیوانہ ہو گیا ذرا اب اس سے بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کے چاہنے کو اسنے سمجھا کیا تھا۔ مصرع ثانی میں سمجھنا بمعنی سزا دینا اور باز پرس کرنا استعمال کیا ہے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

بغیر فصل گل گریباں نہ پھاڑ۔ بس مزا یہ ہے کہ ذرا اُدھر سے گریباں دری کا اشارا ہو اِدھر سے بلے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ اُدھر لباس غنچہ پارہ پارہ ہوا اِدھر تم بھی اپنا گریباں چاک کر دو

غنچہ کی گریباں دری سے پتہ چلتاہے کہ بہ وقت گریباں پھاڑ نے کے لئے یہ اشارہ قدرت ہے یہ ایک نیا مضمون ہے ۔ یعنی مصنف نے یہاں مضمون میں یہ جدت کی ہے کہ فصل بہار میں گریباں چاک کرنا ۔ بہار کے لئے نہیں ہے بلکہ بہ مقتضائے ایمائے قدرت ہے۔

س خزاں میں چاک گریباں سے فائدہ اتنی   مزا بہار کا ہے اک ذرا بہار آئے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی   منھ چھپانا ہمسے چھوڑا چاہیئے

تو جو ہمارے اور اپنے عشق کے چھپانے کی غرض سے پردہ کرتے ہو یہ تمہارا امر زائد ہے ۔ لوگ اس لاگ میں اگر تک کا پہلو نکالینگے اور راز کھل جائے گا کیونکہ جس سے کچھ واسطہ ہوتا ہے اسی سے پردہ بھی کیا جاتا ہے ۔ لہذا آپ ہمسے پردہ کرنا چھوڑ دیجئے کہ ایک بے تعلقی ظاہر ہو

س بہ رہی از من و خلقے بہ گمان است ز تو   بے محابا شود بنشیں گراں برخیزد

ب حیا محتاج ہر راز محبت کھول دیتی ہے   نگاہ شرم میں شوخی کرے قربان پیدا کر

دشمنی نے میری کھویا غیر کو   کسقدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے

یعنی س وہ یوں دشمن کا دشمن ہے کہ کیوں دشمن ہوا میرا - اوسکی دشمنی کی کیا حد ہے جو اپنے دوست کے میرے معاندانہ تعلقات بھی نہیں دیکھ سکتا۔

س ذکر میرا ۔ بدی بھی اُسے منظور نہیں   غیر سے بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

آتش مرحوم اس مضمون کے خلاف فرماتے ہیں ۔ اور کیا خوب کہتے ہیں۔

س مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست   مرے احساں ہیں دشمن پہ ہزاروں

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی   یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے

ہماری کوشش سے ہمکو رسوائی نہیں ہو سکتی اگر ہم سعی بھی کریں تو ہمیں کامیابی محال ہے بلکہ یہ سب یار ہی کے اوپر دارومدار ہے ۔ وہ چاہے تو ہم رسوا ہو سکتے ہیں۔

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید   نا اُمیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

اوس شخص کی نا امیدی کو دیکھنا چاہیئے جسکی اُمید موت آنے پر وابستہ ہو ۔ یعنی موت کے

بحر وہ زمانہ ہی جسکے اندر کوئی اُمید پوری ہو ہی نہیں سکتی۔

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

ان حسینوں تو چاند کے ٹکڑوں کا چاہنے والا بھی ایسا ہی ہو۔

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسدؔ آپکی صورت تو دیکھا چاہیئے

جناب اسد بھی خوبرُوں پہ مرتے ہیں۔ ذرا آپ کا حلیہ تو ملاحظہ کیجئے۔ یعنی آپ اس قابل نہیں ہیں۔

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ہر قدم پر دوریِ منزل نمایاں ہوتی جاتی ہے اور چونکہ بیاباں میری منزل ہے لہذا گویا میری رفتار بیاباں کی رفتار بن گئی ہے کہ جسقدر میں اُسکی طرف بڑھتا ہوں وہ مجھ سے بھاگتا جاتا ہے۔

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

عنوان تماشائے دوست کا درس حالت تغافل یار میں اچھا ہے تاکہ اسپر یہ ظاہر نہو۔ اور اُسکے سوائے دوسروں پر بھی یہ راز نہ کھلے کہ نگاہ نے عنوان تماشا کا درس لیا یعنی کسیکو دیکھا اسوجہ سے نگاہ رشتۂ مجھے شیرازۂ مژگاں بنی ہوئی ہے یعنی مجھ سے ہی چھپی ہوئی اور اسکا یہ فعل اس لئے ہے کہ اسکا راز معشوق پر تو کیا مجھپر بھی نہ ظاہر ہو۔

مولانا نظم فرماتے ہیں۔ یعنی میرے نگاہ شیرازۂ مژگاں کا رشتہ بنکی ہی حاصل یہ کہ تغافل پسند ہونے کے سبب آنکھ سے باہر نہیں نکلتی اور تماشائے دنیا سے درس لینا بھی بہ تغافل ہی اچھا ہے اور عنوان کا لفظ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے لائے ہیں یعنی سارا تماشہ تو ایک طومار ہے اُسکے دیکھنے کا کسے دماغ ہے یہاں عنوان تماشا کے دیکھنے سے بھی تغافل کر

مولانا حسرت لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رشتہ شیرازہ مژگاں غیر محسوس ہوتا ہے بس مطلب یہ ٹھہرا کہ دیدار کے عنوان کا درس یا بخدمت استعارات محبوب کے دیدار کا لطف اُنی حالت

یہی ہے کہ ہم گلستہ دیکھیں اور اُسے ہمارے ہجر میں پھٹنے کا علم نہ ہو۔

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں ۔۔۔ صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

میری وحشتِ دل کی آگ سے شبِ تنہائی میں میرا سایہ بھی دھوئیں کی طرح بھاگتا ہے۔ اسی مضمون کو کہہ چکے ہیں۔

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ ۔۔۔ پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں ۔۔۔ کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

کہیں عشاق کے غم معشوقوں کو نہ سادگی نہ سکھا دیں۔ آئینہ خانہ آئینہ میری وجہ سے کتنا ویران نظر آتا ہے۔ یعنی ایک ہیں مر گئے ہیں اور سوگ میں اُسنے آئینہ وغیرہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے تو آئینہ خانہ میں سناٹا ہو رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ غمِ عشاق میں تمام معشوقانِ جہاں زینت کو ترک کر دیں تو ادب بھی غضب ہو جائیگا۔

یا نہ ہو کو صیغہ امر کا قرار دیکر غمِ عشاق کو مخاطب کیجیے۔ یعنی اے غمِ عشاق تو خوق کو سادگی نہ سکھا بلکہ ذرا دیکھ تو سہی تیرے اس فعل سے آئینہ خانہ میں کیسا سناٹا پڑا ہے یعنی میرے غم میں اُس نے زینت کو ترک کر دیا ہے۔

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں ۔۔۔ صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

میرے صحرائے جنوں کا جادہ میرے پر آبلہ پاؤں کے نقش سے رشتۂ گوہر کی طرح چمک چمک کر چراغاں کا عالم دکھا رہا ہے یعنی میرے آبلوں سے قدم قدم پر خون ٹپکا ہے جسنے یہ عالم پیدا کیا ہے۔ یا میرے آبلہ ایسے پُرسوز ہیں جن کے نقش تک جل جل کر چراغان کا منظر دکھا رہے ہیں۔

بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو ۔۔۔ پُر ہے سایہ کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

خدا کرے میری بے خودی کو بسترِ تمہیدِ فراغت نصیب ہو جسکی وجہ سے میرا گھر سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی میں سایہ کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوں اور میرا گھر

سایہ کی طرح مجھسے بھرا ہوا ہے تو اس صورت میں بے خودی فراغت کا دیباچہ ہوئی ۔ جس کی
وجہ سے بیٹھکر پاؤں پھیلائے پڑا ہوں ۔ اور میرا گھر بھرا بھرا معلوم ہوتا ہے ۔ اگر نہ ہوتی
تو خدا جانے کہاں مارا مارا پھرتا اور میرا گھر خالی اور ویران پڑا ہوتا ۔ مولانا ناطق صاحب
گلاوٹھوی نے ایک جگہ قناعت کا مضمون بھی ایسے ہی رنگ سے کہا ہے ۔

؎ کیا قناعت تھی حریفِ کلفتِ واماندگی — دشت میں جب تو پھیلا وطن ثابت ہوا

ہوچیو ۔ کا مخفف ہو جو مصنف نے استعمال کیا ہے یہ دونوں متروک ہیں ۔

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے — ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

اگر تو شوقِ دیدار میں مجھے قتل کر دے تو میری نگاہیں گلِ شمع کی طرح جیسے شمع سے
کاٹتے ہیں اور ہمیں سے دھواں اٹھتا ہے شوقِ دیدار میں چاروں طرف منتشر ہو جائینگی ۔
یعنی مرنے کے بعد اور بھی زیادہ شوقِ دیدار ہوگا ۔ یا گل جب شمع سے جدا ہوتا ہے ادھر ادھر
پریشان ہو جاتا ہے اسیطرح میری نگاہیں پھیل جائینگی اور ایک نگاہ سے نگاہیں
ہو جائینگی ۔

بیکسیہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے — سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

ہائے ہائے شبِ ہجر میں مجھے جب وحشت ہوتی تھی تو سایہ کیا کیا مجھے ڈرایا کرتا تھا وہی
شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشیدِ قیامت میں سایہ مجھسے پوشیدہ ہو رہا ہے
اور چھپا چھپا پھرتا ہے مولانا نظم یہ لکھتے ہیں کہ شبِ غم کی بیکسی اور اُداسی سے وحشت کی اگر
میرا سایہ مجھ سے بھاگا ہوا ہوا اور آفتاب قیامت میں جا کر چھپ رہا ۔ حالانکہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے
مگر میرا سایہ مجھ سے ایسا بھاگا کہ آفتابِ حشر میں نہاں ہو گیا ۔

مولانا حسرت لکھتے ہیں ؎ کسی کا کب کبھی روزِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے ۔ کہ تاریکی
میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے ۔

میرے نزدیک اسمیں ایک لطیف پہلو یہ بھی موجود ہے ۔ کہتا ہے کہ ہائے ہائے شبِ ہجر
کی بیکسی کا کیا عالم ہے اور اسمیں کیسی وحشت ہے ۔ جسنے میرے اوپر قیامت برپا کر رکھی ہے
اور میرا سایہ بھی اسی قیامت کے خورشید میں چھپا ہوا ہے ۔ سایہ کے پنہاں ہونے کی

یہاں کئی وجوہ ٹھہرائی جاسکتی ہیں۔خواہ میری بیکسی کے بڑھانے کے لئے۔خواہ میری وحشت دُور کرنے

گردش ساغر صد جلوۂ رنگیں تجھ سے　　آئینہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

بزم میں تیرے جلوۂ رنگیں گردش ساغر کا کام دے رہے ہیں اور میرے ہوش کا خاتمہ کر رہے ہیں اور میں اپنے دیدۂ حیران کی آئینہ داری کر رہا ہوں۔ یعنی تو اپنے جلوہ سے مجھے حیران کرتا ہے اور میں حیران رہتا ہوں مولانا ابوالکمال ہُنید میتھوی فرماتے ہیں ؎

کچھ نہیں کھلتے سوا جلوہ گہ یار کا راز　　کوئی حیراں کرے اور کوئی حیراں ہو جائے

جناب صفدر مرزاپوری سے فرق کیا عاشق و معشوق میں لیکن اتنا ہے کوئی دیوانہ بنا کوئی دیوانہ بنے

نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ　　ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

میری نگاہ گرم سے خس و خاشاک گلستاں میں آگ لگی ہوئی ہے۔اس شعر کے ظاہر معنے تو صرف یہی ہیں۔مگر در اصل یہ نہایت بلیغ شعر ہے مصنف کہتا ہے۔کہ میں کمال سرگرمی اور نہایت غور کے ساتھ گلستاں کا مطالعہ کر رہا ہوں تو گلستاں کے خس و خاشاک کو میری نگاہ گرم جلا رہی ہے اور ہر ایک پتے اور کانٹے کوڑے میں چراغاں کا عالم پیدا ہو رہا ہے یعنی باغ دنیا کا ذرہ ذرہ میری نظر میں کیفیت گلشن پیدا کر رہا ہے اور یہی گلشن چراغاں سے مشابہ ہے چراغاں سے اسکو مشابہ کرنے کی خاص وجہ یہ نکالی ہے کہ وہ بھی بہار دکھا کر آمادہ فنا ہے اور یہ سب پھول بھی بہار دکھا دکھا کر فنا ہونیوالے ہیں اور ان پھولوں یا چراغاں کا انجام خاک ہو جاتا ہے۔

نکتہ چیں ہے غم دل اُسکو سنائے نہ بنے　　کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وہ نکتہ چین ہے میرا اپنا غم دل اُسکو نہیں سنا سکتا۔میری تدبیر وہاں کیا کارگر ہوگی جہاں میں کوئی بات بھی نہیں بنا سکتا۔ اور اپنے مطلب کا کسی صورت سے اظہار نہیں کر سکتا۔ پہلے مصرع کے معنی یوں بھی نکالے جا سکتے ہیں۔کہ غم دل میری عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف ہے کہ تو اُسپر مجھے اظہار نہیں کرتا۔ اور جیسے اُسکو سنایا نہیں جاتا۔ یعنی ہم رعب حسن یا موقعہ نہ ملنے کیوجہ سے اُس سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ غم دل تو اپنے مطلب کے لئے نکتہ چینیوں میں مصروف مگر وہاں کی رنگت کو یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی بات بنائے

تو بن نہیں سکتی پھر بھلا کامیابی کیسی۔

میں بلاتا تو ہوں اُسکو مگر اے جذبۂ دل — اُس پہ بنجائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اے جذبۂ دل خیر میں اُسکو بلاتا تو ہوں مگر اب تو بھی کچھ ایسا کر کہ اُسکا آئے ہی بن پڑے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے — کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

میں اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ مجھ پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ وہ میرے ستانے کو ایک کھیل سمجھا ہوا ہے کہیں وہ بے پروائی سے اس کھیل کو چھوڑ نہ دے بلکہ کیا اچھا ہو کہ اُسکو میرے ستانے کی عادت پڑ جائے اور بغیر میرے ستائے چین ہی نہ آئے۔

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر — کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

غیر کو جو تو نے خط بھیجا ہے وہ ایسا اُس خط کو خوشی میں لئے پھرتا ہے۔ یا ہاتھ میں لئے پھرتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا ہے تو وہ اسکو چھپا نہیں سکتا۔ اور اُسے بتانا پڑے گا کہ فلاں کا خط ہے اور یہ تیری رسوائی کا باعث ہوگا۔

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا — ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

وہ بھلے ہیں مگر کمبخت نزاکت کا بُرا ہو کہ اگر وہ ہاتھ بھی آجائیں تو انہیں چھو بھی نہیں سکتے۔ مولانا نظم نزاکت کو غلط بتاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ نازک سے عربی والوں کے قیاس پر اہل فارس نے یہ مصدر بنالیا ہے فقط مگر ہم نہیں جانتے کہ کسی زبان کی نقل کر کے اپنی زبان کی توسیع کیلئے کچھ الفاظ وضع کر لئے جائیں تو اُسکے غلط ہونے کا کیا سبب ہے۔

اس شعر میں مصنف نے نزاکت کی مذمت کر کے اوسکی تعریف کی ہے۔ جو ایک نہایت لطیف مضمون ہے۔

ے اس حسن کا بُرا ہو یہ شکل ترتیب دست — چہرہ تمہارا لعاب ندے سے اسنے ملا دیا

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے — پردہ چھوڑا ہے وہ اُسنے کہ اُٹھائے نہ بنے

یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام جلوہ گری کسی ہی کی ہو کیونکہ نشے عالم امکان تیرا سبب ہی پردہ ڈال دیا ہے اگر در اصل یہ سب جلوہ گری اسکی ہے۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے تمکو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

موت کی راہ کیوں دیکھوں وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگی۔ مگر تمھارے آنیکا معنی کیونکر ہوں اگر تمھارے نہ آنے کا خیال بھی دل میں آجائے تو پھر تمکو کسی طرح سے بلاؤں۔

دوسرا احتمال اس شعر کے معانی میں یہ بھی موجود ہے کہ مجھکو اسوقت ضرورت تخفہ ہے کہ موت کا داعی ہوں کیونکہ مجھے اپنی زندگی کاٹنی دو بھر ہے۔ گر ایسی ضروری شے کے بلانے کو میں خیال کر اگر آپ کو بلانا نہیں چھوڑ سکتا۔

تیسرے معانی یہ بھی پیدا ہوتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے آنے سے مجھے شادی مرگ ہو جائیگی مگر پھر بھی آپ کو بلاتا ہوں اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم نہ آؤ کیونکہ اگر بلانا چھوڑتا ہوں تو آئندہ کو میرا منہ نہ رہیگا کہ تم کو بلا سکوں اور موت کا کیا ہے اوسکا آپ کے بلانیکی حالت میں یعنی انتظار کریں وہ تو آپ کے آنے پر آئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

چوتھے معنی یہ ہیں اور یہ سب سے بہتر ہیں مناسب حال ہیں کہ جب تک میں موت کا انتظار کرتا ہوں فضول ہے کہ اسکو چھوڑ دینا چاہیئے اور اسکو بلانیکی ضرورت نہیں جبکہ وہ تو خود بخود آئیگی اور اسکے یقینی ہونیکا اور جو خان شغل ہے اسکے ہاتھ یہ تدبیر ہے کہ تیرے چاہنے لگوں یعنی اس بات کی خواہش کروں کہ تم نہ آؤ اس خواہش کا نتیجہ لازمی یہ نکلیگا کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے اور میرا منہ نہ رہیگا کہ تمکو بلاؤں۔ اور پھر اس صدمے سے لازمی مجھے موت آجائیگی۔

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

یہ شعر پہلے شعر کا تتمہ معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم بصورت قطعہ کے یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک کشمکش میں ہوں کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتا۔ اور اسمیں مصنف نے اپنی مجبوریوں کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

غالب عشق پر کسی کا زور نہیں ہے یہ ایک ایسی آگ ہے نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے بجھ سکتی ہے یعنی اگر چاہیں کہ معشوق کے دل میں یہ آگ لگا دیں یا عاشق کے دل سے اس شعلہ کو بجھا دیں تو قریب قریب غیر ممکن ہے -

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے

جب گریبان تر ہے اور میرے جنون کو خواہش چاک پوری ہو تو میرا زخم دل گریبان بنکر چاک ہو یعنی جیسے گریبان صبح چاک ہوتا ہے اسیطرح زخم دل کا گریباں چاک ہو -

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجئے خیال دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

تیرے جلوہ کا وہ عالم ہے کہ اگر خیال کریں تو آنکھیں تو آنکھیں دیدہ دل کو بھی حیران کردے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یا رب کب تلک آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے

ہمارا دل شکستگی سے بھی مایوس ہو گیا یعنی چاہتے ہیں کہ وہ ہماری دلشکنی کرے تو وہ کو بھی منظور نہیں کرتا - ایخدا آبگینہ کب تک کوہ پر اپنے گرانجانی کا دکھڑا رو ئیگا اور کب تک کوہ کو اسپر رحم نہ آئیگا -

جناب نظم صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ شکستن نے شعر کو گہنا کر دیا ترکیب اردو میں فارسی اور الفاظ لیتے ہیں لیکن فارسی مصدر کا استعمال سب سے اور مصنف مرحوم کے سوا اور کسی کے کلام میں نظم ہوا تو ایسا نہیں دیکھا - فقط -

مولانا کی اس تحریر نے مجھے تعجب میں ڈالدیا - اگر غالب چاہتا - تو یہ کہہ سکتا تھا - ٹوٹنے سے بھی ہے دل نومید الخ مگر غرض مصنف کی صرف عبارت ہے - کم سے کم عبارت میں اکثر ایسا حسن پیدا ہو جایا کرتا ہے جو اردو کے الفاظ سے نہیں ہوتا - کہیں فارسی ترکیب کہیں مصادر وغیرہ مختصر [illegible] استعمال کرتے ہیں - مولانا نے یہ دو بھی مستقیم کیا ہے کہ یہ نکھیدیا ہے کہ کسی کے یہاں مصدر نہیں پایا جاتا کہ اردو میں استعمال کیا ہو - حالانکہ مومن ذوق میر سودا وغیرہ سب کے یہاں اس صورت سے نظم میں مصدر پائے جاتے ہیں - ملاحظ ہو -

میر سنسکی بند آنکھوں سے دو نوں تو نکلتے ایک اٹھیں اب کے طپید روز و شب خوب جگر کا لو ہیا

ولیہ کرنے لگا طبیعہ بن ناز رنگ چہرے سے گر گیا پرواز

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

اگر میکدہ کو اُسکی چشمِ مست کے مقابلہ میں شکست اُٹھانی پڑے تو شیشوں میں جو بال پڑیں وہ بھی دیدۂ ساغر کو حیران کر دیں گے۔ کیونکہ یہ بال ایک نگاہ مست کے اثر سے پڑے ہیں اور اسی لئے انمیں بھی وہ تاثیر ہنوز موجود ہے۔

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

خطِ عارض ایک عہدنامہ ہے جسکو الفت نے لکھا ہے کہ زلف جسقدر پریشانی کرے وہ سب مجھے منظور ہے یک قلم بلحاظ خطِ عارض - اور ذکر لکھنے کے نہایت مناسب لفظ ہے۔

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے مگر کہیں تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

وہ اتنا رحم کر سکتا ہے کہ خواب میں تسکینِ اضطراب دے سکتا ہے مگر مجھے میری بیتابیٔ دل سونے تو دے

ع گفتی کہ بخواب اندر تسکین دہمت امشب آنا تو کجا آئی چوں خواب نمی آید

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

باتوں باتوں اور مذاق مذاق میں تیرا رو دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔ کوئی تیری طرح تیغ نگاہ کو آب دینا کیا جانے۔ کوئی اور ایسا کر کے دکھائے تو سہی۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

ساقی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے تو خیر اپنا ساغر زریں ہمکو نہ دے مگر چلو سے تو پلا دے ہمیں تو کچھ حرج نہیں پیالے سے مطلب نہیں ہے ہمیں تو شراب سے کام ہے ذوق مرحوم کا اسی زمین میں مطلع ہے کیا خوب کہا ہے۔

کہیں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو — نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

اگر بوسہ نہیں دیتا تو نہ دے اپنے منہ سے انکار کر کے جنبشِ لب ہمارا کام تمام کر دے کہیں کہیں کے معنے پر ہے۔ مگر کوئی مزہ نہیں ہے۔

سے بوسہ سے نہیں سوال کچھ اور — اپنے منہ سے جواب دیدے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اسد میرا اپنی محرومی قسمت کا کیا ذکر کروں۔ کہ اس نے کبھی نہ کبھی مجھے پاؤں دبوانے کی خدمت کا موقع بھی نہیں دیا۔ جب اس نے کہا تو خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے یعنی مضطرب ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ قافیہ ذوق مرحوم نے بہت خوب باندھا ہے۔

خلک ذوق کی اگر نشت خواکہا ذرجمن — پڑے تو واقعی اکبار آگ داب تو دے

بسکہ ہے میری تپش سے کشمکش ہر تارِ بستر — مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

میرے تڑپنے سے ہر تارِ بستر کشمکش میں پڑا ہوا ہے میرے سر سے تکیہ کو اور میرے جسم سے بستر کو آزار پہنچ رہا ہے۔

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے — دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

وہ اشک جو میری کثرتِ گریہ کی وجہ سے سیل ہو ہو کر صحرا میں چلے گئے ہیں وہ نور العین دامن ہیں۔ یعنی وہ صحرا کے دامن کے لئے مایۂ ناز اور باعثِ رونق ہیں اور میرا دل جو بےحس و حرکت اور بیدست و پا پڑا ہے بستر کے لئے سرمایۂ عشرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اشک کی یہ کثرت ہے کہ وہ سیل بنکر جنگلوں میں جاتے ہیں اور میرا دل ایسا ضعیف ہے کہ وہ بستر پر پڑا رہتا ہے۔ سرشک کے لئے نور العین اور نور العین کے تقابل کے لئے برخوردار لایا گیا ہے۔

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

میری بیماری کے بڑے اچھے نصیب ہیں کہ تم عیادت کے لئے آئے ہو گویا میرا طالع

پیدا ہوا اس سے میرے بستر مرض کے لئے شمع بالیں بنگیا ہے۔

یہ طوفاں گاہ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی — شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

اضطراب شام تنہائی ایک طوفان ہے جسمیں ہر ایک تار بستر شعاع آفتاب قیامت معلوم ہوتا ہے پہلے مصرع میں چار اضافتیں ہیں بعض محققین نے توالی اضافات کو عیب اور چار اضافتوں کے متواتر جمع ہونے کو ثقیل کہا ہے۔ مگر یہ اُس حالت میں جب کلام میں ثقالت پیدا ہو جائے۔

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُسکی زلفِ مشکیں کی — ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

ابھی میرے بستر کے تکیوں سے اسکی زلف معنبر کی خوشبو آرہی ہے۔ یعنی شب وصل کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں ہوا۔ میری قوت دید کیلئے یہ خواب زلیخا۔ یعنی اپنے معشوق کا خواب میں دیکھنا باعث ننگ و عار ہے۔ یعنی اس سے زیادہ تو یہ خوشبو ہے جو تکیہ میں بسی ہوئی ہے یا یہ کہ وہ خواب میں میرا ہمخواب تھا اور اسکے اثر سے ابتک میرے تکیہ سے اُسکی خوشبودار زلفوں کی خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں تو گویا اُسکا خواب میں دیکھنا میرے لئے باعث ننگ ہو گیا کہ دوسرے بھی یہ خوشبو سونگھ رہے ہیں۔ اور میں اس رشک کو گوارا نہیں کر سکتا۔

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب — کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

اوسکی جدائی میں اے غالب اپنے دل کی حالت کیا بیان کروں مختصر یہ ہے کہ میرے بستر کا ہر ایک تار کانٹا بنا ہوا ہے گویا میرے بستر پر کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔

خطر ہے رشتۂ اُلفت رگِ گردن نہ ہو جائے — غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

یعنی ڈر ہے کہ یہ رشتۂ اُلفت جو تجھ میں اور مجھ میں کمال کو پہونچ گیا ہے کہیں یہ رشتہ میرے لئے شہ رگ نہ بنجائے اور اسکا مجھے غرور نہو جائے کہ اُسکے عتاب اور سزا میں تو میرا دشمن ہو کر اس رشتہ کو قطع کرے اور اس سے میری گردن پر چھری چل جائے۔
رگ گردن چونکہ غرور کو بھی کہتے ہیں اسواسطے اس لفظ نے دھوکہ دیکر مولانا نظم کو یہ معنی بیان کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو مناسب مقام نہیں معلوم ہوتے معشوق سے خطاب ہے کہ میری

دوستی و محبت پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے (اقول یہ امر خلاف واقعہ ہے معشوق کو عاشق کی دوستی پر غرور نہیں ہوتا۔ تا) ایسا نہو کہ دشمنی کی طرف منجر ہو جائے (اقول کوئی وجہ نہیں ہے) اور یہ رشتہ الفت تیرے لیے رگ گردن ہو جائے۔ اور رگ گردن غرور کو کہتے ہیں (اقول حالانکہ پہلے فرما چکے ہیں کہ میری محبت و دوستی پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے۔ معلوم نہیں دوبارہ غرور کیسا۔ یعنی ایسا نہو کہ غرور میں اکثر دشمن کی طرح ہمیشہ مجھسے گردن ٹیڑھی رہے۔ اقول یہ تیسری مرتبہ وہی کلمے دُہرا دیئے ہیں۔ معلوم نہیں مولانا نے کیا خیال کیا۔ کہ انھیں معانی کو تین مرتبہ دُہرایا۔ اور حول نہ بیٹھی شعر کے الفاظ بالکل اس مضمون کے خلاف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب مولانا حسرت صاحب کے یہاں بھی یہی معنی ہیں۔

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشوونما غالبؔ
اگر گل سرو کی قامت پہ پیراہن نہو جائے

اگر اس فصل میں سرو پر اسقدر پھول نہ آئیں کہ اسکو ڈھانک نہ لیں اور اسکا پیراہن نہ بنجائیں تو سمجھنا چاہیے کہ نشوونمائے سبزہ کچھ بھی نہوئی۔ یعنی فصل میں سبزہ کے نشوونما اور پھول کھلنے کی یہ کثرت ہے کہ سرو جسپر پھول نہیں آتے اوسپر بھی پھول آنے چاہئیں اور اسقدر آنے چاہئیں کہ پیراہن سرو ہو جائیں ایک عجیب صورت سے فصل کے سبزہ کے نشوونما کی تعریف کی ہے کہ ساتھ ہی تصویر کھینچ دی ہے نہایت خوب شعر ہے۔

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

فریاد کرنیکے لیے موسیقی اور ساز کی ضرورت نہیں ہے جسطرح چاہیئے رو دیئے۔ مصنف نے ہندی کا قافیہ ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ اس سے بہتر قریب قریب مشکل ہے۔

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

اگر باغ گدائے مے نہیں ہے تو کیا سبب ہے کہ باغ میں تونبے بوئے جاتے ہیں ضرور یہ اوسکے کشکول گدائی کا کام دیتے ہیں۔

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

اگرچہ تو ہر ایک شے میں ہے۔ مگر عالمِ جسمانی میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو تجھ سے مشابہ ہو۔ ہر ایک شے میں تیرا ظہور ہے اور سب سے جُدا۔ باہمہ و بے ہمہ۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی　　ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

کہتا ہے کہ ہستی کا فریب نہ کھانا کوئی یہ کہے جائے کہ ہے تو یہی سمجھنا کہ نہیں ہے۔ ویسا ہی یہ شعر کہا ہے

سہ شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم　　لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شادی سے گذر کہ غم نہووے　　اردے جو نہو تو دے نہیں ہے

اگر چاہتا ہے کہ تجھے غم نہ اٹھانا پڑے تو شادی کو بھی چھوڑ دے کیونکہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تو خزاں کا بھی اندیشہ نہ ہے ایسے ہی جسے عیش کی پروا نہیں ہے اوسکو تکلیف کا کیا غم۔

کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد　　مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

اے زاہد شراب کا پیالہ تو کیوں واپس کرتا ہے کوئی یہ شہد تو ہے نہیں۔ مگس کی قے محض ردِ قدح کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ یعنی مکھی پھول وغیرہ سے جو کچھ چوستی ہے وہ شہد بنکر منھ کی راہ سے واپس ہوتا ہے۔ اسی لوٹنے کی رعایت سے ردِ قدح کہا گیا۔ ردّ بھی قے کو کہتے ہیں۔

مرزا کے ایک مخالف نے ایک مرتبہ میرے سامنے اس شعر پر یہ اعتراض کیا کہ مگس کی قے صحیح نہیں ہے اتفاق سے مجھے ظہیر فاریابی کا یہ شعر یاد آگیا۔ مصرع کشتہ سر صد کہ قے کند زنبور میں نے پڑھا۔ مگر فرمانے لگے کہ اگر ظہیر فاریابی نے بھی یہ شعر کہا تو قریب قریب وہ بھی غلط ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب　　آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ ہستی کوئی شے ہے نہ عدم کوئی چیز ہے تو پھر آپ جناب نہیں ہے صاحب یہ کچھ ہے بھی یا یونہی۔ ازراہ شوخی نہیں ہے کو جو غزل ہذا کی ردیف ہے مرزا کا نام بنا دیا گیا۔

نیو چھ نسخہ مرہم جراحتِ دل کا　　کہ اسمیں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے

جراحت دل کے مرہم کا نسخہ کیا پوچھتا ہے جسمیں الماس کا ریزہ جزو اعظم ہے جو زخم کو بڑھا دیتا باقی اجزا نمک مشک وغیرہ ہیں۔

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

تیرے تغافل سے ایک عرصہ دراز کے بعد ہم نے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ اب تو کبھی کبھی ایک دزدیدہ نگاہ ہم پر ڈال لیتا ہے۔ اگرچہ یہ نگاہ نگاہ نہیں کہی جاسکتی مگر تاہم۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است۔ مولانا ظہوری فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

تو نظر باز نۂ ورنہ تغافل نگہ است
تو سخن فہم نۂ ورنہ خموشی سخن است

اس شعر نگہ کو نگاہ سے کم بتایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نگہ میں نگاہ سے ایک الف کم ہے۔

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر اُسکی تمنا نہیں کرتے

ہم میں رشک اتنا بڑھا ہوا ہے اور ایسے شکی مزاج واقع ہوئے ہیں کہ مرے جاتے ہیں مگر اُسکی تمنا نہیں کرتے اس مضمون کو مصنف نے کئی جگہ مختلف صورتوں میں ادا کیا ہے۔ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

در پردہ انھیں غیر سے ہے ربط نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

چونکہ وہ غیر سے پردہ نہیں کرتے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں غیر سے در پردہ ربط ہے۔ اور محض بے لاگ ظاہر کرنے کی وجہ سے یہ پردہ کرنا چھوڑ دیا گیا ہے اسیطرح ایک جگہ معشوق کی یہ ترکیب بتا چکے ہیں۔

ہے دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منھ چھپانا ہمسے چھوڑا چاہیے

یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

جو لوگ کہ آپ سے کچھ ہوس اور کچھ تمنا رکھتے ہیں اونکے سامنے آپ غالب کو برا کہتے ہیں یہ آپ کچھ اچھا نہیں کرتے وہ یہ سُن سُن کر ناامید ہوتے جاتے ہیں کہ جیسے آپ اسکو برا کہتے ہیں

ایسے ہی ہماری برائیاں اُن کے سامنے کی جائینگی - یہی مضمون ہے -

۵ ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ خط پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے

بادہ تیرے لبوں سے رنگ فروغ حاصل کرتا ہے اور خط پیالہ نگاہ گلچیں ہے جو بھی کسب رنگ کا لطف اٹھا رہی ہے -

کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے

میرے دل شوریدہ کی کبھی تو داد دے اور کبھی تو اس پر رحم کر کہ ایک مدت سے بے طاقتی کی وجہ سے بالیں پر بیدار رہتا ہے - اور اپنی حسرت شوریدگی - یعنی دیوانگی و بیاباں گردی کو یاد کیا کرتا ہے تو کم از کم کبھی تو ایسا کر کہ اس میں یہ طاقت آئے کہ اپنی حسرتوں کو پورا کر سکے اور اپنی صفت شوریدگی سے متصف ہو سکے -

بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبل زار کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اگر بلبل زار کے نالے نہ سُنے تو بجا ہے کیونکہ پھول کے کان میں شبنم کی روئی بھری ہوئی ہے

اسدؔ ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا مقام ترک حجاب و وداع تمکیں ہے

اے بے وفا اب اپنے شرم و حجاب تمکین و وقار کو چھوڑ اور چل کر اسد کو دیکھ لے کہ وہ نزع میں ہے اور اب کوئی دم میں دنیا کو خیرباد کہنے والا ہے - وہ سب کو چھوڑتا ہے تجھے ان سب تکلفات کو چھوڑ دینا موقع ہے -

کیوں نہ ہو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

آخر معشوقوں کی آنکھ عاشقوں سے تغافل کیوں نہ کرے - یہ ایک بیمار ہے - اور ہر بیماری میں نظارہ سے اسکو پرہیز ہے - چستی بندش کے علاوہ مصنف نے یہ مضمون بالکل نیا کہا ہے -

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی　　وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

ہم چاہتے تھے کہ مرتے وقت ہماری حسرت دیدار پوری ہو جائے۔ مگر وائے ناکامی کہ یہ آرزو بھی پوری نہ ہوگی کیونکہ میرے قاتل کا خنجر ایسا تیز ہے کہ دم بھر میں میرا فیصلہ کردے گا۔ اور میں نظر بھر کے اوسکو دیکھنے بھی نہ پاؤنگا۔

عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ　　جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

پھولوں کو دیکھکر اوسکا چہرہ مجھے یاد آتا ہے۔ فصل بہاری نے اگر میرا اشتیاق بڑھا دیا ہے اور زخم کو تازہ کردیا ہے۔

؎ گلوں کو دیکھکر رخسار جاناں یاد آئینگے　　ہرے ہو جائینگے داغ جگر میرے بھی نیساں میں

دیا ہے دل اگر اُسکو بشر ہے کیا کہئے　　ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے

اگر میرے نامہ بر نے اُسکو دل دیدیا تو خیر کیا کہوں خیر وہ بلا سے میرا رقیب ہو گیا تو ہو جائے اوسکا نامہ بری کا احسان میری گردن پر ہے اُسے کیا کہوں دوسرے یہ کہ اُس سے خطا ہو گئی اور خطا خواص بشریت سے ہے۔ دوسرے یہ کہ بشر کی یہ مجال ہی نہیں ہے کہ اُسکو دل نہ دے۔

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے　　قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے

یوں تو موت ایک نہ اک دن ضرور آئیگی۔ مگر ہم جانتے تھے کہ آج ہے۔ مگر اُسکو یہ ضد ہے کہ آج نہ آئیگی۔ اسواسطے قضا سے ہمکو جو شکوہ ہے بیان نہیں کرسکتے۔ میرا شعر ہے۔

؎ یوں تو آئیگی اجل ایک نہ اکدن آہی　　گر آتی شب فرقت تو مرے کام آتی

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب　　اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

رقیب اسطرح وقت بیوقت تیرے پاس رہتا ہے کہ اب تیرے گھر کو بھی ہم دشمن کا گھر سمجھتے ہیں اسی مضمون کا شعر جو دوسرے طریقے سے ادا کیا گیا ہے یہ ہے۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار　　اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو میں

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہمکو فریب　　　کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

اوسکی کرشمہ سازیوں کی کیا تعریف کروں اور اُسکے فریبوں کو کیا ظاہر کروں کہ مجھے یہ دم دے رکھا ہے کہ تیرا حال بغیر کہے ہی ہمپر ظاہر ہے۔ اور اسوجہ سے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

میلی ۵ دارد خموش تا من حسرت کشیدہ را　　　گوید شنیدہ آم سخن ناشنیدہ را

نظم صاحب لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ اوسکا کرشمہ و اشارہ ایسا ہے کہ میں دھوکے میں آگیا ہوں اور دھوکے کا بیان دوسرے مصرع میں ہے۔

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال　　　کہ یوں کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہیے

وہ ایسا عیار ہے کہ جان بوجھکر بازار میں مجھے میرا حال پوچھتا ہے۔ کیونکہ میں اپنی وضعداری کے سبب سے کہدوں گا کہ اب سر بازار باتیں کرنے کا کیا موقع ہے۔ اس سے مرزا کی وضعداری کے ساتھ ساتھ ہی گذشتہ تہذیب کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ کہ پہلے شرفا بازار میں باتیں کرنا بھی عیب سمجھتے تھے۔ ایسی ہی عیاری کا ایک شعر مرزا نے اور بھی کہا ہے

۵ کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن　　　جانوں کسی کا حال میں کیونکر کہے بغیر

تمھیں نہیں ہے سر رشتہ وفا کا خیال　　　ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

اس شعر کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ مٹھی میں کوئی چیز لیے ہے اور عاشق معشوق سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے اور وہ نہیں بتا سکتا۔ اور عاشق یہ بھی کہتا ہے کہ سر رشتہ وفا کا تمکو کیا خیال ہوگا۔ مگر معشوق اسدرجہ وفا سے بیگانہ ہے کہ وہ بتانے پر سر رشتہ وفا کا خیال کرتا اور نہیں سمجھتا کہ سر رشتہ وفا کیا بلا ہے۔ مولانا نظم و حسرت دونوں کی شرحوں میں یہی معنے لکھے ہیں مگر میرے نزدیک یہ ایک تاویل ہے جو طبع سلیم پر گراں گذرتی ہے صاف صاف معنے یہ ہیں۔ کہ تم وہ تغافل شعار جفا کار ہو کہ تمھیں سر رشتہ وفا کا ذرا بھی خیال نہیں اور تم اسکو چھوڑ چکے البتہ یہ سر رشتہ ہمارے ہاتھ میں ابھی کچھ کچھ باقی ہے اگر کچھ ہے مگر ہے ضرور اب تم سے کیا کہیں۔

اُنہیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیا لڑیے　　　ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے

اُنہیں ہمارے سوال پر ہمارے جنون کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم دیوانہ وار کہتے ہیں اور ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں - یا یہ کہ ہم جو سوال کرتے ہیں تو وہ ہم کو مجنون ٹھہراتے ہیں - لہٰذا ہم نے جواب کی امید ترک کر دی ہے - لہٰذا اب اُن سے کیا کہئے - بقول جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب آنا لکھنوی

ؔ ملتی ہے جواب اب تو نہ ہاں کا نہ نہیں کا ۔۔۔ ہر بات پہ کہتے ہیں وہ دیوانہ کہیں کا

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجئے ۔۔۔ ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہئے

کمالِ سخن کی سزا حسد ہے اور متاع ہنر کی قیمت ستم آسمان ہے لہٰذا کیا کہئے زمانہ کا دستور ہی یہ ہے - ایک ہمارے ہی ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہوتا - عرفی کا شعر ہے -

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن ۔۔۔ با بخت خود عداوتِ ہفت آسمان مخور

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن ۔۔۔ سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہئے

یہ کون کہتا ہے کہ غالب بُرا نہیں ہے - نہیں بُرا ہے اور ضرور بُرا ہے مگر بس اتنا ہی بُرا ہے کہ غریب دیوانہ ہے - اور دیوانہ کو کچھ کہنا سننا بیکار ہے - سوا عربی کا لفظ ہے زیادہ کے معنے میں مگر سوا اسکے علاوہ کے معانی میں ہند نے کر لیا گیا ہے - اور فارسی میں بھی یوں ہی مستعمل ہے -

دیکھکر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے ۔۔۔ کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

دامن افشاندن کے لغوی معنے تو تعلقات دنیا سے آزاد ہونے کے ہیں مگر مصنف مرحوم نے لفظ کے معنے لیکر لفظی مناسبت سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے کہتے ہیں کہ میں بالکل آزاد ہونا چاہتا تھا اور اسی لئے میں نے دامن افشانی کی تھی - مگر اس دامن افشانی نے مجھے لوگوں کی نظر میں مقید بجسم ثابت کر دیا یعنی جب دامن افشانی کی تو دامن کا وجود خارج میں پایا گیا - اور دامن جزو لباس ہے اور لباس کے لئے جسم کی ہستی ضروری ہے تو گویں نے لباس ظاہر سے دامن افشانی کی مگر لوگوں کی نظر میں میرا جسم ثابت رہا اور اُسکی ہستی جس کو میں مٹانا چاہتا تھا برقرار رہی اسوجہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ میں کامل آزاد نہ ہو سکا اور مقید بجسم ٹھہرا اور یہ سب میری عریانی یعنی بے تعلقی کا ستم ہے جسکے ہاتھوں میں پابند علائق ہوا گویا داخ -

ؔ بعد مردن بھی خیالِ رُخ قاتل ہو وہی ۔۔۔ جس سے ہم آنکھ چراتے تھے مقابل ہو وہی

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں — مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

سنگ فساں وہ پتھر جس پر سان رکھی جاتی ہے اوسکو یہاں مصنف نے مراد لیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اپنی سخت جانی کے سبب سے تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں بن گیا ہوں۔ یعنی راتدن جو تلوار میری گردن پر رگڑی جاتی ہے مگر پھر بھی موت نہیں آتی۔ سبحان اللہ میری گرانجانی کسقدر میرے لئے مبارک ثابت ہوئی ہے۔ دوسرا مصرعہ یا بطور طنز کے کہا ہے۔ یا واقعتاً مصنف نے اپنی گرانجانی کو اپنے حق میں فال نیک خیال کیا ہے کہ تیغ یار سے کچھ نہ کچھ تعلق تو ہے۔

کیوں نہو بے التفاتی اوسکی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے

پرسش پنہاں سے مراد خواب میں آکر حال پوچھنا۔ یا خیال میں تسکین دینا۔ کہتا ہے اسکو میرے حال سے بے توجہی کیوں نہو۔ اور مجھ سے بے التفاتی کیوں نہ کرے اوسکو اطمینان ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہم جو پوشیدہ طریقہ سے اوسکے حال کی پرسش کرتے رہتے ہیں وہ اسی میں محو اور خوش ہے پھر ظاہرا توجہ کرنیکی کیا ضرورت ہے فارسی میں اس مضمون کو یوں کہا ہے غالب۔

؎ باہمہ خرسندی از وی شکوہ ہا دارم ہمی — تا ندانم صید پرسشہائے پنہانی مرا

؎ تکلف بر طرف لب تشنہ بوس و کنار ستم — ازاہم یار چین دام نوازشہائے پنہا را

میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی — لکھدیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

جب کاتب تقدیر میرے غمخانے کی قسمت لکھی تو منجملہ اسباب ویرانی کے ایک مجھکو بھی سبب ویرانی قرار دیا یعنی اپنے گھر کو اپنے ہاتھ سے خود برباد کروں گا۔

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاشکے — اسقدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

میں چونکہ مرغ بستانی کی آواز سننے کا شائق ہوں کیونکہ وہ میرا حریف اور ہم پیشہ ہے جیسے حافظ کہتے ہیں ؎

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست — کہ ہر دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

تو وہ کافر سمجھتا ہے کہ یہ دوسری چیزوں کا بھی شوق اور عشق رکھتا ہے لہذا مجھ سے بدگمان ہوتا ہے

ملوکاش ایسا نہ ہوتا۔ مجھے نوائے مرغِ بستانی کا شوق نہ ہوتا۔

ﮯ کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے　　　طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا　　　لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

میں اس لئے گور میں گیا تھا کہ غم دانکار سے نجات پاؤں مگر افسوس کہ وہاں بھی شورِ محشر نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اور میرا ذوقِ تن آسانی پورا نہ ہونے دیا۔ اور آرام نہ کر سکا۔

ﮯ یاں فکرِ معیشت ہے وہاں دغدغۂ حشر　　　آسودگی خوشبخت یہاں ہے نہ وہاں ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے　　　تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

آپ نے میرے گھر آنیکا وعدہ کیا تھا اسیوقت سے انتظار میں دروازہ پر کھڑا ہوا ہوں اور گویا اپنی دربانی آپ کر رہا ہوں۔ یہ کیا انداز ہے کہ آپ نے مجھے میرے گھر کا دربان بنا دیا ہے ذرا جلد وعدہ پورا کیجئے۔ اور تشریف لائیے۔

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ　　　پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

اے آمدِ فصلِ بہار کی خوشی تیرا کیا کہنا۔ میں سودائے غزل خوانی دماغ سے نکال بیٹھا تھا مگر تیرے آنے سے پھر تازہ ہو گیا ہے۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی　　　میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

خدا نے میرے بھائی مرزا یوسف کو نئے سر سے زندگی دی یعنی بچا دیا۔ مرزا یوسف میرے لئے یوسفِ ثانی ہے گویا دوسرا یوسف ملا۔ یعنی یا تو وہ میری نظر میں ایسا ہی حسین و جمیل ہے جیسے حضرت یوسف دنیا کی نظر میں تھے۔ یا یہ کہ میرا بھائی اتنا بیمار ہو گیا تھا کہ بچنے کی ہرگز توقع نہ رہی تھی۔ گویا یہ یوسف وہ نہیں ہی دوسرا یوسف ہے۔

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے　　　سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

عالمِ خوشی میں بھی میں بار بار یارب یارب پکار اٹھتا ہوں گویا میرا ہنسنا میرے لئے

تسبیح زاہد کا کام دے رہا ہے - کہ ہنستا ہوں اور یارب کہتا ہوں - قاعدہ ہے کہ شادی ہو یا غم ہر حالت میں دل میں ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زبان سے بیساختہ - یا اللہ - یارب وغیرہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں اوسی سے مصنف کی یہاں مراد ہے - خندہ زیرلب سے مراد وہ خندہ ہے کہ از دیاد غم میں انسان مسکراتا ہے - اور سانس لیکر ایسے الفاظ کہہ اٹھتا ہے اے میرے اللہ ارے میرے مالک - اسیکو مصنف مراد لیتا ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر خوشی کی صورت ہے لیکن یہ ہنسی تسبیح زاہد ہے جس سے مجھکو بس خدا ہی یاد آرہا ہے - فارسی میں اسی خیال کی دوسرے الفاظ پر بنا رکھی ہے شعر -

مبادا ہیچو ما رسمہ از ہم گسلد غالب
نفس با این ضعیفی بر نتابد شور یا ربہا

مولانا نظم لکھتے ہیں کہ یارب کے معنے فارسی محاورہ میں خدا کی دہائی ہے اور سبحۂ زاہد سے وہ ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں میں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ شادی میں بھی مجھے شور یارب جہیں بھولا ہے میرا خندہ زیر لب گویا زاہد کا ذکر خفی ہے -

ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن
تھا طلسم قفل ابجد خانہ مکتب مجھے

واضح ہو کہ مکتب سے یہاں لغوی معنے مراد لئے ہیں یعنی جسجگہ بیٹھکر لکھیں - کہتا ہے کہ میرے دل کی کشائش اور خوشی گویا رہن سخن تھی - یعنی میری خوشی دل فکر شعر پر منحصر ہے خانہ مکتب یعنی جہاں میں بیٹھکر لکھتا ہوں طلسم قفل ابجد کا اثر رکھتا ہے - کہ جیسے اُدھر اسکے حروف معینہ کو یکجا کیا اور ادھر وہ کھلا ایسے ہی اُدھر میں اپنے لکھنے کی جگہ پر پہونچا اُدھر میری طبیعت کو کشادگی حاصل ہوئی اور شعر کہنے شروع کئے -

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیئے
رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

اے خدا اس پریشانی کی مجھے کون داد دے کہ قیدیوں کی آسائش پر اب مجھکو رشک آتا ہے یعنی اتنا پریشان ہوں کہ اون کو خود سے اچھا سمجھتا ہوں -

طبع ہے مشتاق لذتہائے حسرت کیا کروں
آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

میری طبیعت لذت حسرت کی مشتاق رہتی ہے اور آرزو سے میں شکستن امید و آرزو مراد لیتا

دل لگا کر آپ بھی غالبؔ مجھی سے ہو گئے　　عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

جناب مرزا صاحب دل لگا کر آپکی بھی میری جیسی حالت ہو گئی آپ تو ہمکو عشق سے منع کیا کرتے تھے آپ تو ہمارے بھائی بن گئے۔ صاحب بکسر حاء حطی صحیح ہے مگر اردو فارسی میں چونکہ بفتح حا مستعمل ہے اسوجہ سے مطلب کے ساتھ اسکا قافیہ کرنا صحیح ہے۔

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے　　چمن میں خوشنوایانِ چمن کی آزمائش ہے

آج دربار میں شعراء کی آزمائش ہے۔ دربار شاہی ایک چمن ہے اور شعراء خوشنوایانِ چمن ہیں۔ یہ بھی درباری مشاعروں میں سے کسی مشاعرہ کی غزل ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے　　جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

قیس اور فرہاد کے لئے تو معیارِ آزمائش لیلی اور شیرین کا قد اور گیسو ہے یعنی محض وہی دکھا کر انکی آزمائش کیجاتی ہے۔ اور بتلائے بلا کیا جاتا ہے یا دیکھا جاتا ہے کہ یہ ان دونوں چیزوں یعنی قد و گیسو سے کسقدر محبت کرتے ہیں۔ مگر افسوس میرا ظالم و سفاک معشوق یہ کچھ نہیں کرتا اور وہ دار و رسن دکھا کر امتحان لیتا ہے۔ یا اس بلا سے مبتلا کرتا ہے۔

کرینگے کوہکن کے حوصلہ کا امتحاں آخر　　ہنوز اُس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

یعنی یہ سمجھئے کہ جو سوئے شیر لانے کا حکم دینے سے کوہکن عشق کے امتحان میں پاس ہو گئے نہیں ابھی تو اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اوسکی قوت بازو کا امتحان کریں۔ ابھی اوسکے حوصلہ دل اور عشق کے امتحان کا وقت نہیں آیا۔ وہ بھی آئیگا یعنی جب پیرزن خبر مرگ لیجا کر اوسکو سنائیگی اور وہ مر جائے گا۔ وہ امتحان عشق ہے۔ اور اس صورت سے گویا وہ اسمیں ناکامیاب رہیگا۔ کہ پہلے ہی سوال میں تیشہ کہا کر مر جائے گا۔

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی　　اُسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

نسیم مصر جو مصر سے خوشبوئے پیرہن یوسف لیکر آئی ہے تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ

یعقوب علیہ السلام کی خیر خواہی کر رہی ہے - یہ سب غلط ہے وہ محض یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بو کا امتحان کرتی ہے کہ دیکھیں اسمیں کیا تاثیر یا کسقدر قوت ہے -

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے　　شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

دیکھو ہم بتائے دیتے ہیں کہ غارت گر صبر و قرار وہ آیا - اپنے اپنے دل اپنے اپنے ہوش و حواس سے ہشیار ہو جاؤ - پھر یہ شکایت نہ کرنا کہ ہم غافل تھے اس لئے وہ لوٹ لے گیا - خوب شعر کہا ہے -

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر　　غرض شست بت ناوک فگن کی آزمائش ہے

اگر تیر دل میں رہ جائے تو اچھا اور جگر کو توڑتا ہوا پار نکل جائے تو اچھا - ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ ہم ناوک فگن کی چٹکی کا امتحان کریں کہ وہ کیونکر نشانہ اڑاتا ہے -

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی　　وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

سبحہ و تسبیح شیخ میں رکھا ہے نہ زنار برہمن میں - بلکہ یہ بھی ایک آزمائش وفاداری کا ڈھنگ ہے اسکی تسبیح کے اور اسکی زنار کے ذریعہ سے وفاداری دیکھی جا رہی ہے -

پڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل　　مگر پھر تاب زلف پرشکن کی آزمائش ہے

اے دل مبتلا تو کتنی مرتبہ تو امتحان کر چکا ہے کہ زلف کے پھندے سے نکلنا سخت دشوار ہے اگر پھر بھی تڑپ رہا ہے یہ غیر ممکن ہے کہ تو اس دام سے نجات پا سکے دوبارہ امتحان بیکار ہے بہتر یہی ہے کہ خاموش پڑا رہ -

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو　　ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

ابھی تو زہر غم میرے کام و دہن تک ہی پہونچا ہے ابھی کیا ہے دیکھئے جب یہ زہر رگ رگ میں سرایت کریگا تو کیا ہوگا -

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا　　آگے آگے دیکھہ تو ہوتا ہے کیا

وہ آئینگے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ — نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

غالب تم کہتے ہو کہ وہ میرے گھر آئیں گے وعدہ کر لیا ہے یہ سب تمھارا خیال خام ہے وہ کیا آئیں گے بلکہ یوں سمجھو کہ آسمان کو نیا فتنہ اٹھانا منظور ہے نیا فتنہ ہو جو اسے کہا ہے کہ اول تو وہ وعدہ ہی نہ کرتے تھے۔ اب وعدہ کیا تو وعدہ خلافی کا صدمہ میرے لئے نیا ہے۔ دیکھیے کیا ہوگا۔

کبھی نیکی بھی اُسکے دل میں گر آجائے ہے مجھ سے — جفائیں اپنی کر کے یاد شرما جائے ہے مجھ سے

اول تو اُسکے دل میں نیکی ہی نہیں آتی کہ مجھ پہ مہرباں ہو اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے تو وہ اپنے ظلم و ستم سے شرما کر رہ جاتا ہے اور ندامت کی وجہ سے میرے پاس نہیں آ سکتا ایک جگہ یہی مضمون لکھ چکے ہیں

؎ جور سے باز آئیں پھر باز آئیں کیا — کہتے ہیں ہم تجھکو منہ دکھلائیں کیا

دلستاناں بحال ندارچہ جفا نیز کنند — از وفائے کہ نکردند حیا نیز کنند

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے — کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

یا الٰہی کیا میرے جذبۂ دل کی تاثیر الٹی ہے۔ کہ جسقدر میں اوسکو کھینچتا ہوں وہ مجھ سے کھنچتا ہے یعنی میں وصل چاہتا ہوں اور جدائی ہوتی جاتی ہے۔

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی — عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

میرا قاصد بھی مجھ سے گھبرا جاتا ہے کیونکہ وہ یعنی میرا معشوق ٹھیرا بدخو۔ اور میرا قصہ غم ٹھیرا طلسم ہوشربا تو قاصد کہتا ہے کہ کہیں میرے شامت نہ آجائے وہ تیری داستان سنینگے کب اور مجھ پر بھی خفا ہونگے۔ اور اس صورت سے گویا میرا پیغام یا میرا حال کسیطرح اُس تک نہیں پہونچ سکتا

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے — نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

وہ بدگماں ہے کہ میرے عشق و محبت کے دعوے کو غلط جانتا ہے یا یہ خیال کرتا ہے کہ میں اُس سے کچھ بات کہوں گا تو دنیا والے خدا جانے کیا اپنے دلمیں سمجھیں گے اس سے وہ تو میرا حال پوچھ نہیں سکتا۔ میں ناتواں ہوں اسوجہ سے بغیر پوچھے اپنا حال سنا نہیں سکتا۔ شعر میں تقابل

کی وجہ سے ایک عجیب حسن پیدا ہو گیا ہے۔ فارسی میں کہتے ہیں۔

س عشقت ز ناتوانی حسنست و سرگرانی   جور و جفا نتابم مہر و وفا ندارد

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے   کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اے ناامیدی مجھے ایسا نحیف و کمزور نہ کر کہ اس کا دامن خیال میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ یعنی اتنا ستم نہ کر کہ اوس کا خیال دل سے نکل جائے۔

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن   وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

اوسکا دیکھنے والا میں خود ہی کیوں نہوں مگر مجھے اس سے بھی رشک آتا ہے اور میرا دل نہیں چاہتا یعنی رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ اوسے کوئی دیکھے۔ یہی مضمون کئی جگہ گذر چکا ہے مثلاً

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے   میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

س میرم زیں کو سے از رشک محبت میرم   بسکہ با من آشنا گشتی ز غیرت میرم

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی   نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

پہلے عشق کی لڑائی میں میرے پاؤں ہی زخمی ہوئے ہیں۔ لہٰذا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا حساب ہو رہا ہے سے نہ بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب   وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

غالب کیا قیامت ہے کہ جس کافر کو رشک کے مارے خدا کو بھی نہیں سونپ سکتا۔ یعنی رسم کی موافق خدا حافظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ میرے دشمن کا ہمسفر ہوتا ہے۔ غالب مرحوم تو اس شعر کو نہایت بے تکلفی سے کہہ گئے ہیں مگر عارف نے نہایت سنبھالکر یہ مضمون لکھا ہے

س نہ خداوند کو گر پاک و منزہ سمجھوں   کب گوارا ہو مجھے تجھ پہ نگہباں کرنا۔

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے   کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے

چونکہ ہر وقت مد وقت تماشا رہنا علامت جنون ہے تو اس وجہ سے ہر وقت پلکوں کا کھلنا
اور بند ہونا تھپیڑ ہیں کہ آنکھوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ بیدل نے یہ مضمون یوں لکھا ہے۔

شعر: دیدۂ ما بہ نظارۂ دل محرم نیست مژہ برہم زدن از دست ندامت کم نیست

یعنی جو آنکھیں کہ اپنے دل کے سوا کسی دوسری شے کے نظارہ میں مصروف ہیں۔ ان کے لئے
کشاد و بست مژہ گویا سیلی ندامت ہے۔ مرزا غالب مرحوم نے ضرور اسی شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے مگر جو کچھ
بیدل نے کہا ہے وہ مرزا غالب نہیں کہہ سکے۔ بیدل نے ایک جگہ اور یہ مضمون لکھا ہے اور وہ اس سے
بھی بہتر ہے۔ شعر

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

نہیں معلوم تیرا بدعہدی کا داغ کس طرح اور کس پانی سے مٹے گا۔ آئینہ دیکھنا تیرے لئے
ورطۂ ندامت ہے کیونکہ اس سے آرائش مقصود ہے اور ایسی سخت بدعہدی کے بعد جس نے مجھے مٹا دیا
اور تیرے دامن پر داغ بدنامی لگا دیا آئینہ دیکھنا اور پھر آرائش کرنا ورطۂ ملامت ہونا چاہئے
اور اس میں ڈوب جانا چاہئے یعنی بدعہدی کرکے مجھ کو مٹانے کے بعد تجھے آرائش ترک کر دینی چاہئے
اس شعر کو بھی نظم صاحب نے قریب قریب یہی معنی بتایا ہے۔

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

ہوس کا بل اور پیچ و تاب دے دے کر رشتۂ عافیت کو نہ توڑ۔ بس عاجز بنا ہوا نگاہ عجز
سے دنیا کا نظارہ کرتا رہ۔ یہ تار نگاہ عجز سر رشتۂ سلامتی ہے۔

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

معشوق وفا کے لئے تیار ہے مگر دعوائے عشق رقیب بے بنیاد ہے۔ فصل گل
موجود ہے مگر جنون جھوٹا ہے

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

میں تیرے عشق میں اتنا دُبلا ہو گیا ہوں کہ اگر تو مجھے اپنی بزم میں بلائے تو مجھے کوئی دیکھ نہ سکے گا یا دیکھکر کوئی پہچان نہ سکیگا۔

کیا تعجب ہے کہ اُسکو دیکھکر آجائے رحم ‌ ‌ ‌ واں تلک کوئی کسی حیلہ سے پہونچا دے مجھے

فصاحت کے یہ معنے ہیں کہ مختصر الفاظ میں مطالب کثیر ادا کئے جائیں جیسے کہ اس شعر میں جسکے یہ معنے ہیں کہ کہنے والا اپنے ذہن میں یہ سمجھ چکا ہے کہ وہ مجھ پر کبھی رحم نہ کرے گا۔ اور یہ اسوجہ سے کہ اُسکو معشوق کی بزم میں جانے کا موقع ہی نہیں مل سکتا ہے وہ اسی رنج میں نہایت دُبلا اور نحیف و زار ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا نہایت حال تباہ ہو گیا ہے تو وہ خیال کرتا ہے اور درد دل سے تنگ ہو کر پکار اُٹھتا ہے کہ کیا تعجب ہے وہ میرا حال دیکھکر مجھ پر رحم کرے کوئی کسی طرح سے اُسکے پاس مجھ کو پہونچا دے۔

منھ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر بانداز عتاب ‌ ‌ ‌ کھولکر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلادے مجھے

اے ظالم بیرحم سفاک اگر تجھے یہ منظور نہیں ہے کہ اپنا مُنھ مجھے دکھائے تو خیر تیری خوشی میں میں بھی خوش ہوں مُنھ نہ دکھا۔ مگر کبھی غصہ سے چشم نمائی تو کر۔

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں ‌ ‌ ‌ زلف گر بنجاؤں تو شانہ میں اُلجھا دے مجھے

میری گرفتاری اور میرے آزار دینے سے وہ۔ اتنا خوش ہے کہ اگر میں زلف بنکر اوسکی شان معشوقی بڑھاؤں تو وہ مجھے آزار دینے کے لئے شانہ میں اُلجھا دے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ‌ ‌ ‌ ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

دنیا میری نظر میں ایک بچوں کا کھیل ہے اور میں اسکو تماشہ سمجھتا ہوں۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک ‌ ‌ ‌ اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تخت سلیمان کی میرے نزدیک کھیل سے زیادہ وقعت نہیں ہے اور اعجاز مسیحا یعنی قم کو میں ایک بات سمجھتا ہوں اکبات ہے محاورہ ہے ناچیز سمجھنے کے معنے میں۔

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

عالم ہستی کی میرے سامنے کوئی ہستی نہیں ہے بس میں اُسکو ایک نام سمجھا ہوا ہوں - اور ہستی اشیاء کو ایک وہم جانتا ہوں - وہم وہ ہی جسکا وجود کچھ بھی نہو -

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

میں اپنے جنوں کے عالم میں اسقدر خاک اُڑاتا ہوں کہ صحرا گرد میں چھپ جاتا ہے اور دریا ازراہ عجز یا بوجہ تاثیر درد کے میرے سامنے خاک پر دینا ما تھا رگڑتا ہے یا یہ کہ میری اشکباری دیکھکر وہ عاجز ہو جاتا ہے -

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

یہ کیا پوچھتا ہے کہ میرا تیرے پیچھے کیا حال رہتا ہے بس بعینہ یہی کیفیت ہوتی ہے جیسی کہ تیری حالت میرے سامنے ہوتی ہے کہ بیقرار اور شرمایا ہوا رنجیدہ سا بیٹھا رہتا ہے ایسا ہی میں بھی رہتا ہوں یا یہ کہ تو اپنے حسن کو میرے سامنے ذرا دیکھ کہ تو کتنا حسین ہے اور پھر خیال کر کہ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہونا چاہیئے - گویا ؎

فراق روئے تو در زندگی چہ حرف است ایں تو خود در آئینہ بنگر کہ چیست حال مرا

سچ کہتے ہو خود بیں و خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

یہ بالکل سچ ہے کہ میں خود بیں اور خود آرا ہوں مگر ایسا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب تجھسا حسین آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے تو میں جو کچھ ہوں سب صحیح ہے -

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار رکھدے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

کوئی ایک شراب ناب کا چھلکتا ہوا ساغر میرے سامنے رکھدے اور پھر میری گل افشانی دیکھے -

عرفی بیار بادہ کہ جانم دمی ز نالہ بر آید ہزار زمزمہ از دل بیک ترانہ بر آید

نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا کیونکر کہوں لو نام نہ انکا مرے آگے

ناصح میرے سامنے آپ کا نام لیتا ہے اور میں رشک سے اتنا بھی نہیں چاہتا کہ کوئی تیرا نام میرے سامنے لے مگر جو یہ کہتا ہوں کہ اونکا نام میرے سامنے نہ لو تو یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ لوگ سمجھیں گے مجھے اون کے نام سے نفرت ہوگئی - لہذا میں ایسے رشک سے باز آیا - جس میں اتنی جگہ کا لوگوں کو خیال پیدا ہو کر جو ایک عاشق صادق کے لئے باعث ننگ ہے - مجبوراً سنتا ہوں دیکھئے حکیم مومن خاں صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ مومن خاں کے یہاں بندش اتنی چست ہو گئی ہے کہ غالب کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے ؎

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا کہ ہر اک بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

میں عجیب کشمکش میں پڑا ہوا ہوں کہ ایمان مجھے روکتا ہے اور کفر کھینچتا ہے ادھر کعبہ ہے ادھر کلیسا ہے بے مثل شعر کہا ہے - اور خصوصاً یہ مصرع کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے - ایسا ہے کہ اگر دیوان کے دیوان اسیر سے صدقہ کر دئے جائیں تو بجا ہے -

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام مجنوں کو برا کہتی ہے لیلا مرے آگے

ہوں تو میں عاشق مگر ایسا چالاک عاشق ہوں کہ معشوقوں کو بھی فریب دیتا ہوں لیلے میرے سامنے مجنوں کو برا کہتی ہے اور میری تعریف کرتی ہے -

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

میں شب ہجر میں یہ دعا مانگتا تھا کہ یا اللہ اگر مروں تو وصل کی شب میں مروں ہجر میں ناکام مرنا تو برا ہے لہذا آج شب وصل وہ میرا چاہا میرے سامنے آگیا - اور شادی مرگ ہوگئی - ورنہ وصل میں خوشی ہوا کرتی ہے یوں مر نہیں جایا کرتے - یہ وہی مضمون ہے جیسا کہ سعدی نے ایک حکایت میں کہا ہے -

؎ یکے تشنہ می گفت و جاں می سپرد خنک نیک بختے کہ در آب مُرد

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو — آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

میرے دل میں ایک قلزم خوں جوش مار رہا ہے کاش یہی ہو کہ ایک خون کا دریا بہا کر مجھے نجات ملجائے مگر ایسا نہیں ہے خدا جانے عشق میں ابھی کیا کیا طوفان دیکھنے نصیب ہوں گے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اگرچہ ضعف کے ہاتھوں ہاتھ ہلانا دشوار ہے۔ اور شراب اب پی نہیں سکتا ہوں پھر بھی آنکھوں میں ابھی دم باقی ہے کہ اسکو دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ابھی ساغر و مینا کو میرے سامنے رکھا رہنے دو کہ اسکے دیکھنے سے دل کو تسکین دتیا رہوں غالب نے اس غزل میں یہ شعر سب شعروں سے اچھا کہا ہے۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا — غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

چونکہ وہ میرا ہم پیشہ اور ہم مشرب ہے لہذا آپ اسکو برا کہتے ہیں تو گویا مجھے برا کہتے ہیں اسیطرح مجھے آپ برا سمجھے ہوں گے سہ

یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے — غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

میں اپنا حال سنانے اور دکھڑا رونے کو آپ کے سامنے بیٹھتا ہوں تو بغیر سنے ہی آپ فرما دیتے ہیں کہ مطلب کہیے مطلب۔ حالانکہ تم میرے مطلب سے بھی خوب واقف ہو پھر بھلا اسی حالت میں آپ سے کچھ کہنے کی کیا جرأت ہو۔

سہ نہیں ہے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے۔

نہ کہو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں — مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

ذرا براہ کرم غصہ میں طعن اور طنز کی راہ سے یہ نہ فرمایا کیجیے کہ ہم ظالم ہیں مجھے آپ کی ہر ایک جا و بیجا بات پہ (بجا و درست) کہنے کی عادت ہے کہیں ایسا نہو کہ اسپر بھی میں بجا

کہ بیٹھوں اور آپ کو بھرا اور ناگوار گذرے اور میری شامت آجائے۔

وہ نیشتر سہی پر دلمیں جب اُتر جائے
نگاہ یار کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

مانا کہ نگاہ یار نشتر ہے۔ اور اسی لیئے وہ میرے دلمیں اُتر گئی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جو چیز دل میں سما جائے اور اُتر جائے تو وہ محبوب ہے۔

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہی جسکو کہ دل کشا کہیے

پیکاں کے زخم سے دل کو کچھ تسلی نہیں ہوتی اور وہ خوش نہیں ہوتا بلکہ جس زخم سے میرے دلکشائی ہوتی ہے اور جس سے مجھے تفریح ہوتی ہے وہ زخم تیغ ہے۔ لفظ دلکشا میں ایہام ہے۔ یہ کہ زخم تیغ دلکشا ہوتا ہے کہ دلکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے راحت اور جراحت مین تجنیس ہے۔ ۵

ہر دل کہ نہ زخمے خورد از تیغ تو دانیست ؎

سہ ۵ سرت گردم بزن تیغ و در برروے دل بکشا
دلم تنگست کار از زخم پیکان بر نمی آید

جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیئے
جو نا سزا کہے اوسکو نہ ناسزا کہیئے

جو کوئی دشمن ہو جائے اوس سے دشمنی نہ کیجئے جو بُرا کہے اوسے بُرا نہ کہیے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

سہ ۵ بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

(مدعی بنیئے) کا ٹکڑا بُرا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے جلال مرحوم کا یہ مصرعہ۔ کہ سب ترے ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے۔

یہ عیب شاعری تنافر کے نام سے موسوم ہے اسکا امتیاز محض مذاق سلیم وصحیح پر مبنی ہے گو اہل بلاغت نے تنافر کے یہی معنے اور تعریف لکھی ہے کہ ایسے الفاظ قریب المخرج جمع ہو جائیں جنکے ادا کرنے میں زبان کو تکلیف کی ضرورت ہو۔ مگر نہیں یہ بھی ایک قسم کا تنافر ہے کہ ترکیب الفاظ سے کوئی ایسا لفظ بنجائے جسمیں رکاکت اور ذم کا پہلو نکلے۔ جیسے یہی (مدعی بنیئے) یا جیسے منھ تمھارا ہی اور میری نظر۔ منھ تو دیکھو آئینہ کا یہ صفائی لا سکے۔ پہلے مصرعہ کے پڑھنے سے موت مارا۔ اور دوسرے سے موتو دیکھو پیدا ہوتا ہے یا دست و پا دینگے گواہی مری روز محشر۔

یاد ینگے - غرض کہ ایسے کلمات سے جنمیں کوئی ذم کا پہلو پیدا ہوتا ہو تا ہو احتراز واجب ہے -

کہیں حقیقت جاں کاہی مرض لکھئے — کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے

ہماری حالت یہ ہے کہ کہیں جانکاہی مرض کی حقیقت لکھتے ہیں کہیں مصیبت ناسازی دوا بیان کرتے ہیں۔

کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجئے — کہیں حکایت صبر گریز پا کہیے

کہیں اپنے ہنگیں غم والم کا دکھڑا روئیں اور کہیں صبر گریز پا کی حکایت بیان کریں -

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجئے — کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

اگر جان جاتی رہے تو اس کے صلہ میں قاتل کو دیت دیجئے - زبان کٹ جائے تو خنجر کو تحسین و آفریں کہیے -

نہیں نگار کو الفت نہو نگار تو ہے — روانی روش و مستی ادا کہیے

اگر معشوق مجھ سے محبت نہیں کرتا تو کیا اس سے اسکی شان معشوقی میں کوئی فرق آیا جاتا ہے اسکا ہمکو ضرور اعتراف کرنا چاہیئے اوس کی رفتار کی روانی اور اُسکی مست ادا وں کا ذکر کریں۔

نہیں بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے — طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

معشوق مثل ایک بہار کے ہے جسکو قیام نہیں مگر کیا اس بے ثباتی سے طراوت چمن اور خوبی ہوا پر کوئی حرف آسکتا ہے - بس بالکل یہی معشوق کی حالت ہے - مصنف نے یہ پانچ شعر ایک قطعہ کی صورت میں کہے ہیں جسکا ماحصل یہ ہے کہ ہماری قسمت میں یہی ہے کہ ہم مصیبت میں مبتلا رہیں جیسا کہ پہلے تین شعروں سے ظاہر ہے اور اس بلا میں مبتلا رہکر معشوق کو مورد الزام نہ ٹھرائیں وہ پھر معشوق ہے ہمپر آفت آنیسے یا اسکی ہمارے ساتھ بیوفائی سے اسپر کچھ حرف نہیں آسکتا۔

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آلگا غالبؔ خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

یعنی میں کنارہ پر آکر ڈوبا ہوں اب خدا سے ناخدا کے ظلم کی کیا شکایت کریں۔ اوسنے کیا کیا یا یہ کہ اگرچہ ناخدا نے مجھ پر بیحد وحساب ظلم کئے مگر وہ وقت گذر گیا۔ اب کیا گذشتہ باتوں کو یاد کریں۔

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دہوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

جسقدر ہم عشق میں روئے رسوا ہوتے گئے اور بیباکیاں بڑھتی گئیں۔ گویا دُہل دُہلا کر پاک یعنی پکے رند ہو گئے اب ہمکو کسیکا خوف ہی باقی نہیں رہا۔

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی تھے یہ بھی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

ہمارے دو حساب تھے۔ ایک شراب خواری کی نکر دوسرے آلاتِ مے کشی سو آلاتِ مے کشی یعنی ساغر وغیرہ کو بھی بیچ کر شراب پی گئے اور یہ دونوں حساب بھی یوں پاک ہو گئے اب کوئی جھگڑا نہیں رہا۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

خیر اگرچہ آوارگی سے ہم زمانہ بھر میں بدنام ہو گئے۔ مگر ذرا چونچال تو ہوئے عقل و حواس تو ٹھکانے لگے۔

سہ پڑا ہوں سنگ رہ غیر ہو کر کوئے جاناں میں سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

یہ کون کہتا ہے کہ نالۂ بلبل بے اثر ہے۔ کیا دیکھتا نہیں ہے اوسکی بستگی خاطر نے یہ اثر کیا ہے کہ گل کے لاکھ جگر شگفتگی کے پردہ میں چاک ہو گئے۔ گویا دل کہلے نہیں بلکہ فریاد بلبل سے اون کا جگر چاک ہو گیا۔

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود ہے نہ عدم۔

کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلہ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود مٹانے کے لیئے ہماری طرف نظر اٹھائی مگر دیکھنے کی ہم میں تاب نہ تھی جلکر خاک ہو گئے۔

؎ اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

اس رنگ سے اوٹھائی کل اُسنے اسد کی نعش دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

یعنی کچھ ایسے رنج و غم سے اُسنے لاش اٹھائی کہ دشمنوں کو رنج ہوا رشک سے یا اس بُرے طریقہ سے میری لاش اپنے کوچہ سے اُٹھوائی کہ دشمنوں کو بھی ترس آیا اور صدمہ ہوا۔

نشۂ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

نشہ رنگ محفل سے خوش ہے اور ساز خوشی کے مارے مست طرب ہو رہے ہیں شیشہ مے سرو سبز جوئبار نغمہ بنا ہوا ہے۔ مصنف نے بہار کا سماں کھینچا ہے اگرچہ الفاظ سخت ضرور ہیں مگر خوب ہی لکھا ہے یعنی نغمہ ایک جوئبار ہے شیشہ مے سرو لب جو یہ حالت دیکھکر نشۂ اور ساز دونوں خوش ہیں۔ یہی تشبیہ شیشۂ مے کی سرو کے ساتھ دوسری جگہ ہم لکھ آئے ہیں۔

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست واں تو نالہ کو بھی میرے اعتبار نغمہ ہے

اے ہمنشیں یہ تیرا کہنا فضول ہے کہ دوست کی بزم عیش کو رو کر خراب نہ کر وہاں تو میرا نالہ بھی نغمہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اُسکی محفل کو اس سے زینت ہو گی یا بزم خراب ہو گی۔

؎ دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ بھی میرا جائے ہے

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

ہنسنے کے وقت گویا دانت اپنی شوخی ناز کا اظہار کرتے ہیں یعنی ان کی چمک دمک وغیرہ ہنسنے پر کھلتی ہے اور دانت چونکہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور قریب ہیں اسواسطے ان کو جمعیت احباب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ گویا دوست ہیں۔ مگر اسی دعوی کو مصنف دلیل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ کہ دنیا کے دوستوں کی جمعیت جائے خندہ ہے۔ یعنی دانت جمع ہیں اور اپنی شوخی ناز وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں تو ہنسی آتی ہے۔

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل یکجہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

یعنی غنچہ ہنوز عدم میں ہے ہستی میں نہیں ظاہر ہوا۔ مگر انجام گل کی عبرت پر محو ہو رہا ہے یکجہاں زانو تامل سے مراد ہے فکر بیحد یعنی وہ غنچہ سوچتا ہے کہ خندہ کے پیچھے بہت سا فکر پوشیدہ ہے یا یہ کہ غنچہ جب کھل گیا تو گویا وہ معدوم ہو گیا اور پھول موجود ہو گیا تو وہ غنچہ اب عدم میں پھول کے انجام پر فکر مند ہے اور یہ خیال اوسکو کھلجانے کے پیچھے پیدا ہوا ہے۔

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ہماری افسردگی میں وہ کلفت ہے جسمیں بیتابی جو خود باعث تکلیف ہے وہ عیش معلوم ہوتی ہے۔ اور عیش و سرور کے لوازم سے ہنسی بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری افسردگی مجبور ہے کہ اسمیں بیتابی کی عیش حرام ہے ورنہ ہمارے انشراح خاطر یعنی دل کے خوش ہونے اور پھول کی طرح کھل جانے کے لئے سہل ترکیب موجود ہے کہ بیتاب ہو کر دل کو چبا ڈالیں اور اسمیں زخم ڈالدیں۔ کہ اس سے وہ ہنستا معلوم ہو فارسی میں یوں کہا ہے۔ میبرس از عیش نومیدی کہ دنداں در دل افشردن۔ اساس محکمے باشد بہشت جاودانی را۔

یا یہ کہ ہم افسردگی سے مجبور ہیں جسکے مذہب میں عشق بیتابی حرام ہے ورنہ اپنے دل کو زخمی کرنا اور خون بنانا یہ تو عین خوشی کی جگہ ہے اور اس سے فخر کرنا چاہیئے۔

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

احباب سوزش باطن کو نہیں مانتے کیونکہ وہ اُس سے واقف نہیں ہیں ورنہ دراصل ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہمارے لبو نبرہستی ضرور ہے اور دل میں دریائے نالہ موجزن ہے۔

حُسن بے پروا خریدار متاعِ جلوہ ہے ۔۔۔ آئینہ زانوئے فکر اختراعِ جلوہ ہے

حُسن ظاہرا بے پروا ہے مگر دراصل بے پروا نہیں ہے وہ بھی جلوہ کا خریدار اور خواہشمند ہے اور آئینہ اوسکے لئے زانوئے فکر بن گیا ہے کیونکہ اوسکو دیکھکر وہ اختراع جلوہ نوکی فکر میں محو و مصروف رہتا ہے۔ یہی مضمون ہے ؎

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن ۔۔۔ دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن ۔۔۔ چشمِ واگردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

اے آگاہی اور ہوشیاری یہ رنگ تماشا کرنے کا تو کب تک اختیار کئے رہیگی یوں سمجھ لے کہ تیری آنکھ جو اسکے دیکھنے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ یہ وہ آغوش کشادہ ہے جو رخصت کے وقت کھولتے ہیں یعنی جلوۂ جہاں فانی بر سر وداع ہے اور اسکے دیکھنے کے لئے آنکھ کھولنی آغوش وداع ہے مرزا عبدالقادر بیدل کہتے ہیں کہ ؎

چشم واکردن کفیل فرصت نظارہ نیست ۔۔۔ پرتو ایں شمع آغوش وداع محفل است

یعنی آنکھ کھلنا یا آنکھ کھولنا اس بات کا کفیل نہیں ہے کہ تو نظارہ کر سکے بلکہ اِس شمع یعنی آنکھ کی روشنی آغوش کشادۂ وداع محفل ہے۔

مصنف نے بھی ایک جگہ نئی صورت سے ایسا ہی مضمون یوں ادا کیا ہے۔

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے ۔۔۔ اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی ۔۔۔ مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

یعنی جتبک کوئی زخم پیدا نہ کرے یعنی تیری تیغ عشق یا تیغ ستم سے مجروح نہوا وسوقت تک تجھ سے باتیں کرنا دشوار ہے۔ گویا تجھ سے باتیں کرنے کے لئے دہان زخم کی ضرورت ہے

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بسر ۔۔۔ کبتک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

دنیا ایک وحشت کدہ ہے جہاں خاک اُڑ رہی ہے یعنی سر بسر پریشاں ہے اسلئے کوئی کب تک تجاہل سے زینت عالم سمجھا کرے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے مجنوں کے وحشت میں اڑائے ہوئے غبار کو کوئی پریشانی کی وجہ سے طرۂ لیلا سے مشابہ کرے۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں غبار وحشت مجنوں اُڑ رہا ہے آخر اسے کوئی کبتک نہ دیکھے اور لیلے کا کوئی کہانتک خیال کیا کرے۔ یعنی بمقابلہ حسن لیلا کے عشق مجنوں زیادہ قابل دید ہے یا یہ کہ مجنوں کی اسقدر پریشانی اور وحشت پر نگاہ نہ ڈالنا۔ اور اس غبار سے آلودگی طرۂ لیلا کا لحاظ کرنا ظلم ہے۔

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات ہاں درد بنکے دلمیں مگر جا کرے کوئی

میرے دل میں درد نے اتنی جگہ نہیں چھوڑی کہ کسی دوسری صورت سے کوئی شے داخل ہو سکے میری افسردگی اتنی بڑھگئی ہے کہ معشوق۔ یا کیکے التفات سے دلمیں خوشی کو پیدا نہیں ہونے دیتی گویا میرے دل میں سوائے درد کے اور کسیطرح سے کسی شئے کی گنجائش محال ہے

دوسرا پہلو یہ ہے کہ خالی افسردہ ہوکر رہجانے سے کوئی معشوق کے التفات کی خوشی نہیں پیدا کر سکتا ہاں کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے دل میں جگہ پانا ممکن ہے۔

یا یہ کہ افسردگی سے التفات معشوق خوشی نہیں ہو سکتی البتہ کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے التفات کو خوش کر سکتا ہے۔ طرب انشار کی ترکیب اسوجہ سے غلط ہے کہ لفظ دونوں عربی ہیں۔ اور معانی فارسی ترکیب کے پیدا ہوتے ہیں یقیناً مصنف نے طرب افشائے کہا ہے۔ اور کاتبوں نے انشا لکھدیا۔

روئے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

اے ہمنشیں میں روتا ہوں تو مجھے ملامت نہ کر میرے دل کے غم کی گتھی کسیطرح تو سلجھے۔

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ہم نے اپنا جگر تک چاک کر لیا۔ مگر اُسنے ہمارا حال نہ پوچھا تو اس لئے اب گریباں پھاڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے اُسکو کیا پروا ہوگی سوائے اسکے کہ اور ہم بدنام ہو جائیں اور

اپنے گریباں کو رسوا کریں۔

لخت جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل — تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

میرے لخت جگر ہر خار پر الجھے ہوئے ہیں اور اس صورت سے تمام جنگل ایک لالہ زار معلوم ہوتا ہے اب یہ کثرت ہے تو کہاں تک اسکی باغبانی کیا کریں۔

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز — تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

تجھکو نظر دیکھ نہیں سکتی ہے اور ناظر کے لئے اوسکی نگاہ کی ناکامی برق نظارہ سوز ہے ورنہ تیرے جلوہ کا کوئی قصور نہیں ہے اس مضمون کو بھی مصنف نے مختلف صورتوں میں لکھا ہے مثلاً۔

ے جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منھ چھپائے کیوں
ے اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر — کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

مصنف کے اس انداز بیان کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے کہ ذرا سے تغیر سے مضمون کو بالکل علیحدہ کر دکھاتے ہیں۔

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست — نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

جنوں سے سودا کرنے میں نقصان نہیں ہے ہو واسطے کہ ہر سنگ و خشت جو لڑکے دیوانے کو مارتے ہیں وہ صدف ہیں جیسے شکست سر کے دیوانے کو موتی حاصل ہوتے ہیں۔

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر — فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

تیرا وعدہ صبر آزما ہے یعنی انتظار طلب ہے اس سے ہماری عمر جیت نہ سکی تیرا وعدہ پورا نہو اور ہماری عمر ختم ہو گئی لہذا اتنی کسے فرصت ہے کہ تیری تمنا کرے۔ جبتک تیرا وعدہ پورا ہوگا موت آجائیگی مرزا داغ نے گویا اسکی شرح کی ہے ے

جب تک ہو خاہد وعدہ پیاں زندگی کہاں — مجھسے زیادہ عہد ترا استوار ہے
موقوف وصل یار ہے گویا وصال پر — اک عمر چاہیئے کہ تمنا کرے کوئی

ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز — یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

ایجاد سے مراد غالباً عالم ایجاد ہے اس صورت میں یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ عالم ایجاد کی طبیعت ہی میں وحشت ہے اور یہ وحشت یاس خیز اور مایوس کن۔ بلکہ یہ یاس ایک درد ہے جو ہر ساکن ایجاد کے دل میں پیدا ہونا ضروری ہے نظم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ معانی آفرینی و خلاقی مضامین و اختراع لطائف ایسا وحشی فن ہے جس سے یاس پیدا ہوتی ہے پھر بھی سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔

مولانا حسرت صاحب فرماتے ہیں۔ ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہیں اور اسطرح گویا مایوس ہونے پر مجبور ہیں۔

بیکاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل — جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

ع پھٹ گیا جب سے گریباں تب سے — ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

مگر مصنف کہتا ہے کہ جب گریبان و دامن وغیرہ کا فیصلہ ہو چکے اور سب چاک ہو جائیں تو جنوں بیکار ہو جاتا ہے مگر اُس حالت میں مجنوں کا کام یہ ہے کہ سر پیٹے۔ مگر اُسوقت کیا کرے جب سر پیٹتے پیٹتے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ نہایت ہی عمدہ شعر کہا ہے۔ اسکی تعریف ممکن نہیں ہے

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسدؔ — پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

پہلے کوئی دل گداختہ پیدا کرے تب شمع سخن کو فروغ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ فروغ ہونے میں شمع کو سوز و گداز بھی ضرور ہوتا ہے۔ غالباً کسی پر اپنے معاصرین میں سے یہ چوٹ کی گئی ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اگر کوئی مردوں کو زندہ کرتا ہے تو کرے کوئی عیسیٰ نفس ہے تو ہو میں تو جب جانوں جب کوئی میرے دکھ کی دوا کرے۔

شرع و آئیں پر مدار سہی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

ہم نے مانا کہ شرع اور قانون کی موافق قاتل کو سزا دیجاتی ہے یا اُس سے دیت لیجاتی ہے جیسا قاتل کہ میرا ہے ایسے قاتل کا کوئی کیا کرسے جو بغیر تلوار کے قتل کرے۔

چال جیسے کڑی کماں کا تیر دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

اوسکی چال ایسی دل کے پار ہو جاتی ہے جیسے کڑی کمان کا تیر۔ مزا جب ہے کہ ایسے کے دل میں کوئی گھر کرے۔

بات پر واں زباں کٹتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

وہاں بات کرنے میں بھی زبان کٹتی ہے بس اُس کے سامنے چپ بیٹھا ہوا جو کچھ وہ کہیں سُنا کرے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

خدا جانے اپنے جنوں میں کیا کیا کہہ رہا ہوں خدا کرے کوئی ان باتوں کو نہ سمجھے

نہ سنو گر برا کہے کوئی نہ کہو گر برا کرے کوئی

اگر تمھارے منھ پر تمھیں کوئی بُرا کہے تو اس کان سے سنو اور اُس سے اڑا دو۔ اور اگر کوئی بُرا کرے تو اُس کو دیکھ کر پردہ پوشی کرو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی

اگر کوئی غلط رستہ پر چل رہا ہے تو اُسکو آگاہ کر دو اور روک دو اگر کوئی جُرم کرے تو اسکی خطا معاف کر دو۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کسکی حاجت روا کرے کوئی

دنیا میں کوئی حاجت روا نہیں ہے سب حاجتمند ہیں لہذا کون کسکی ضرورت پوری کرے

یا حاجتمند تو سبھی ہیں کسکی کسکی حاجت روائی کرے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　　اب کسے رہنما کرے کوئی

دنیا میں خضر جیسا کوئی رہنما نہیں ہے مگر وہ بھی سکندر کو چشمہ الحیواں تک نہ پہونچا سکے پھر کوئی کسے رہنما کرے اور کون کسکی رہنمائی کر سکتا ہے۔ جناب رشید شاگرد مولانا امید صاحب کا شعر ہے

نکالے گا کوئی اُسکے سوا کیا لجۂ غم سے　　　خدا بن بیٹھنا اچھا نہیں ہے ناخدا ہو کر
سیہ بختاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
جناب خضر تو خود راستہ بتاتے ہیں　　　جہاں میں کسکو کرے کسکو رہنما نہ کرے

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب　　　کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

یعنی اگر کوئی اُمید ہو کہ گلہ کرنے سے کچھ مطلب نکل جائے گا تو گلہ ہی کرے اور جب ہر طرح اُمید ہی منقطع ہو گئی ہو تو پھر کسیکا گلہ شکوہ کرنے سے کیا نتیجہ اور فائدہ ہے۔

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے　　　سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

باغ نے چونکہ سمجھ لیا ہے کہ میں ایک خفقانی ہوں لہٰذا وہ مجھکو ڈرا رہا ہے۔ اور اسکی ہر شاخ گل کا سایہ مجھے سانپ نظر آتا ہے۔ خفقاں میں اکثر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کا شعر ذوق مرحوم کا ہے۔

؎ سایہ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے　　　اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں

اگرچہ مطلب ذوق کا یہی ہے کہ میں دیوانہ ہو رہا ہوں مگر ظاہر ہے کہ جس انداز سے غالب نے کہا ہے وہ ذوق کے یہاں نہیں ہے یہی سبب ہے کہ غالب کے یہاں جو مضمون ہیں اگرچہ وہ دوسری جگہ بھی پائے جاتے ہیں مگر جیسا انداز بیان غالب کو ملا۔ وہ دوسرے کو نصیب نہیں ہوا مولانا حالی نے ایک شعر نظیری کا اس شعر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ غالب کا ذہن نظیری کے اس شعر سے ادہر منتقل ہوا ہے۔

؎ بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را　　　نواگراں نخوردہ گزند راچہ خبر

بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ مگر ہمارے نزدیک غالب مرحوم نے مضمونکو بالکل علیحدہ کر کے کہا ہے۔

جوہرِ تیغ بہ سرچشمۂ دیگر معلوم — ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

جیسے کہ تلوار کا جوہر زہراب میں بجھانے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ سبزہ یعنی جوہر تلوار کسی دوسرے سرچشمہ سے نہیں اُگتا ہے اسیطرح میری پیدائش بھی زہراب غم سے ہوئی ہے۔

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے — آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

کوئی مجھکو آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے اور اس کا اس لیجانے سے مطلب یہ ہے کہ وہاں میرا دل ٹوٹے اور میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشے میں محو ہوں۔ اور میرا دل ٹوٹنا اسپر منحصر ہے کہ میں حیراں ہوں گا اور اس سے اور میرا دل ٹوٹے گا۔

یا میرا مدعا اب تماشائے دل شکستہ میں محو اور مصروف ہو رہا ہے گویا میرا دل ایک آئینہ تھا جسکے ٹوٹنے سے ایک آئینہ خانہ بن گیا۔

یا میرا مدعا اسمیں مصروف اور محو ہے کہ میرے دل کو جو آئینہ کی طرح حیراں ہے توڑے اور یہ ظاہر ہے کہ عدم حصول مدعا سے میرا دل ضرور ٹوٹے گا۔ تو گویا اس حالت میں مدعا ہی میرا دل توڑنے کے درپے ہے اور خود بھی وہ اس آئینہ خانہ کی جو ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکروں سے بنیگا سیر کرنا چاہتا اور مجھے بھی یہ سیر دکھانی چاہتا ہے۔ اور اسطرح سے گویا وہ مجھکو آئینہ خانہ کی طرف لیجا رہا ہے۔

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک — آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

عالم کا سرمایہ نالہ ہے یعنی اسمیں نالہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ دار المحن ہے اور عالم ایک کف خاک ہے تو گویا آسمان جس کے نیچے یہ عالم آباد ہے ایک بیضہ قمری ہے جس کے نیچے قمری جو رنگ خاک سے مشابہ ہوتی ہے موجود ہے۔ یعنی دنیا بے حقیقت اور رونے کی جگہ ہے آسمان کو بوجہ خاکستری ہونے کے قمری کہا گیا ہے اور قمری چونکہ ایک طائر نوا سنج بھی ہے اس لئے دنیائے نالہ کش سے بھی اوسکو تشبیہ دی گئی ہے۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے — دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

زندگی میں تو اُن کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مجھے محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے اب کہ باغ میں رہ من داں مرگیا ہوں دیکھئے وہ اٹھاتے ہیں یا نہیں اُٹھاتے۔ یا یہ کہ دیکھیں اب کسے اُٹھا دیں گے یعنی اُنکو میرے اٹھانے سے انکار اور نفرت ہوگی۔

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے   غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

میں نے مانا کہ غمِ دنیا بہت ہیں مگر شراب بھی تو میرے لئے بہت ہے کہ میں ساقیِ کوثر کا غلام ہوں جب شراب پی پی کر اُن سب غموں کو فراموش کرتا رہوں گا۔ لہذا غموں کی زیادتی کا مجھکو کیا غم ہوا کریں میرا کیا بنا لینگے۔

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے   رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

تمہاری طرز و روش کو ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم کسی پر مہرباں بھی ہوتے ہو تو ظلم کرنے کے لئے ہوتے ہو لہذا اگر رقیب پر مہربان ہو تو یہ کیا ستم ہے۔ وہی اُس پر بھی ظلم کرتے ہو گے۔

سه تو دوست کسیکا بھی ستمگر نہ ہوا تھا   اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہوا تھا

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی   یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

ہم جانتے ہیں کہ غالب بڑے پایہ کا شاعر سخن فہم ہے اور اسکا خامہ اسمیں آتش افشانی کرتا ہے مگر اب اسمیں دم نہیں رہا عاجز ہو گیا ہے۔

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی   اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگذار کی

کوکبہ وہ سوار جو بادشاہ کی اردلی میں رہیں۔ خاکِ سرِراہ اترا رہی ہے اور اسکا اترانا اسلئے حق بجانب ہے کہ بادشاہ کے کوکبہ کی روندی ہوئی ہے۔ یہی ہے بادشاہ کی تعریف مقصود ہے یعنی جب بادشاہ کے اردلیوں کے روندنے سے خاک کو یہ فخر ملتا ہے تو ذرہ ہے تعجب و مٹنے جس پر بادشاہ مہرباں ہو۔

جب اُس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ   لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

یعنی جب بادشاہ اوسکے دیکھنے کے لئے گیا تو لالہ لوگوں میں کیوں نہ مشہور ہو اور اسے کوئی کیوں نہ دیکھے۔

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم و لے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

اگرچہ سیر گلستاں کے ہم بھوکے نہیں مگر ہوائے بہار ایسی شے ہے کہ یہ ضرور اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے اور اسکی طرف ضرور متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسی نہیں کہ اس سے بھی استغنا کیا جائے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہزاروں خواہشیں ایسی دل میں اب بھی موجود ہیں کہ ہر خواہش کے لئے جان نکلتی ہے۔ میرے ارمان اگرچہ بہت سے نکل چکے لیکن پھر بھی بہت سے موجود ہیں۔ گویا آدمی کی خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ مرزا داغ مرحوم کا مطلع اس زمین میں بہت ہی خوب ہے فرماتے ہیں سہ

ذرا گر زور سینہ پر کہ تیر اے پر ستم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اسکی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

میرا قاتل اس سے ڈرتا ہے کہ میرا خون اوسکی گردن پر رہیگا۔ مگر اوسکا یہ ڈر فضول اور عبث ہے کیونکہ میرا خون ایک جگہ رہتا ہی نہیں ہے۔ آنکھ سے دمبدم نکلتا ہے تو اسکی گردن پر کیا ٹھیریگا غالبًا یہ مضمون مصنف نے نیا کہا ہے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

آدم کا خلد سے نکلنا سنا تھا۔ مگر جیسے کہ ہم بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے نکلے ہیں ایسے وہ نہ نکلے تھے۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

تیرا قد لمبا اور سرو بالا ضرور ہے مگر یہ جبھی تک ہے جب تک تیری زلف پیچیدہ ہے اگر اس کا پیچ و خم نکلجائے تو ابھی قد کی حقیقت معلوم ہو جائے یعنی تیری زلف قد سے بھی زیادہ دراز ہے

بیخود دہلوی نے یہ مضمون نہایت اچھی صورت سے کہا ہے۔

ناپ لیجئے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کی برابر ہو گیا

مگر لکھوائے اوسکو کوئی خط تو ہمسے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

چونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص اوس سے خط وکتابت کا مشتاق ہے اسواسطے ہم نے جو بچہ اوس کا تمام لکھنے کے عاشق ہیں یہ ترکیب نکالی ہے کہ صبح ہوئی اور کان پر قلم رکھکر گھر سے نکلجاتے ہیں کہ اوس کو اگر کوئی خط لکھوائے تو ہمیں سے لکھوائے۔ یا خط لکھنے کے لئے نکلنے سے یہ مطلب ہے کہ دیکھیں لوگ کیا کیا لکھواتے ہیں۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھسے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جب جہاں میں جام جم نکلے

یا جمشید کے زمانہ میں بادہ آشامی کا زور شور ہوا تھا اور ایجاد ہوئی تھی یا آجکل اسکی ترقی اور میکشی کی گرمی بازار ہوگی فارسی میں کہتے ہیں ؎

درمن ہوس بادہ بطبیعت غالب
پیمانہ بہ جمشید رساند نسبم را

ہوئی جنسے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہمسے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

ہم نے جس کسی سے خستگی کی داد پانے کی توقع کی اور جسکے سامنے اسباب کا اظہار کرنا چاہا کہ ہم نے اتنے ستم سہے ہیں وہ لوگ ہمسے بھی زیادہ تیغ ستم یار سے دلخستہ تھے۔ یا یہ کہ جس سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا وہ مجھسے بھی زیادہ پریشاں نکلا۔ یعنی دنیا میں کوئی شخص دل خوش نہیں ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اسیکو دیکھکر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

عاشق کا معشوق ہی کو دیکھکر دم نکلتا اور اسی پر اسکی جان جاتی ہے اور اسیکو دیکھکر جیتا اور وہی اسکی زندگی کا سامان ہے تو گویا عشق میں مرنا اور جینا دونوں برابر ہیں یہ شعر بھی مصنف کی جدت تخیل اور طلسم الفاظ کا ایک زبردست نمونہ ہے۔ مجھے اسی مضمون کا ایک شعر اپنا یاد آتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے حافظہ نے ہمیشہ غالب کے شعر و سخن کی امانت کی طرح رکھا ہے ممکن ہے کہ کبھی بھول کر یہ امانت متخیلہ کو دیدی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی

سرقہ کا گمان کریں تو انکی عنایت۔ ورنہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

س ایسے مرنا بھی مشکل ہے ایسے جینا بھی مشکل ہے — جو تمکو دیکھکر جیتا ہو اور تم پر ہی مرتا ہو

س بھلا یہ لاش کسکی کیوں نہ بے گور و کفن ہوتی — لب جاں بخش کا کشتہ نہ زندہ تھا نہ بیجاں تھا

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ — پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یہ تو کیونکر کہیں کہ جناب واعظ بھی میخانہ کا ارادہ کر کے گئے تھے کیونکہ یہ تو انکی شان سے بسا بعید ہے۔ مگر ہاں یہ ضرور کہینگے کل ہم پیکر نکلے تھے کہ دروازہ پر وہ ہمکو ملے ظرافت کے ساتھ تہذیب نے عجب مزا دیا ہے۔ مرزا داغ فرماتے ہیں س۔

جاتے تھے منہ چھپائے ہوئے میکدہ کو ہم — آتے ہوئے ادھر سے کئی یار سامنے

شوخی اور ظرافت کی چاشنی داغ کا حصہ ہے اور ایک شعر لکھا ہے۔

س میخانہ کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ — سب لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت ادھر کہاں

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے — بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

میں وہ بدنصیب ہوں کہ دنیا بھر کے لئے بار خاطر ہوں یہانتک کہ اگر صدا ہو جاؤں۔ جو نہایت لطیف اور ہلکی چیز ہے تو اسکے لئے بھی بار خاطر ہوں اور وہ بھی مجھے پلٹا دیتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوہ میں صدا اگر نکلے وہی صدا پھر بھی پیدا ہو جاتی ہے جسکو آواز کا رد کرنا کہا گیا ہے۔ اور رد کرنے سے بار خاطر ہونے کا ثبوت ملا۔ تو اے شرارۂ شعلہ برجستہ غم میں کیا ہو جاؤں۔ اور جیسے کہ تو برجستہ اور بے تکلف ہو رہا ہے میں کیونکر بے تکلفی کروں۔ اس شعر میں شتر گربہ ہے۔

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس — از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

میرا کنج قفس بیضہ کی مانند ہے جس میں میرے بال و پر سب غارت ہو گئے اگر میں اس کنج قفس سے نکل جاؤں تو مجھے از سر نو زندگی ملے اور یہ ظاہر ہے کہ بیضہ سے نکلنے پر نیا دور شروع ہوتا ہے۔

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے — موج شراب یک مژہ خوابناک ہے

ساقی غفلت شعار کی ادائے تغافل پر نشہ اور مستی تک ہلاک ہے اور چشم مست کے لیئے موج شراب مژگاں خواب آلودہ بنی ہوئی ہیں۔ یا دیدۂ ساغر کے لئے موج شراب مژۂ خوابناک بنگئی ہیں۔

جز زخم تیغ ناز نہیں دلمیں آرزو — جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

یہی نہیں ہے کہ میرا گریبان اور دامن پیراہن تیرے خیال میں چاک ہو رہا ہے۔ بلکہ مجھے سوائے گریبان پھاڑنے کے اور کوئی خیال بھی نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیرے ہاتھوں جیب خیال تک ثابت نہیں ہے نظم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جیب خیال سے دل مراد ہے اور جیب دل میں زخم تیغ ناز ہوا تو جیب خیال چاک ہوئی پھر اس میں آرزو کیونکر رہ سکے۔

مگر مصنف نے دل۔ اور جیب خیال دو لفظ رکھے ہیں اس صورت سے تاویل ثانی نادرست ٹھہرتی ہے۔

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ — صحرا ہماری آنکھ میں اک مشت خاک ہے

اتنا جوش جنوں مجھ میں بڑھا ہوا ہے کہ صحرا کی وسعت میری نظر میں کچھ نہیں ہے یعنی سمجھتا ہوں کہ یہ صحرائے عالم میری وحشت کے لیئے ناکافی ہے۔ اور اسی لئے وہ ایک مشت خاک دکھائی دیتا ہے یا یہ کہ جوشِ جنوں نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ اور صحرا ایک گرد ہے جو میری آنکھ میں پڑ گئی ہے جس سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور یہی باعث ہے کہ صحرا کی وسعت ناکافی معلوم ہوتی ہے

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی — قیامت کشتۂ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے

جنبش لب عیسیٰ کا کام یہ ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ مگر کشتگان لب معشوق کے لیئے یہی جنبش گہوارہ جنبانی کرتی ہے اور گہوارہ جنبانی سے اور زیادہ نیند آتی ہے۔ یعنی اس سے ان کی موت کی نیند کی غفلت اور بڑھتی ہے قیامت بھی مردوں کو زندہ کریگی مگر ان خفتگان خاک کی نیند ہی قیامت ہے یعنی انکی نیند اس قیامت کی ہے گویا قیامت نیند ہے۔ اس شعر میں مصنف نے اس محاورہ سے (کہ کیا قیامت کی نیند ہے) الفاظ کا ایک مستحکم طلسم بنا دیا ہے ذوق سلیم اوسکی جسقدر داد دے کم ہے۔ ایسے ہی کشتگان لب اسوجہ سے کہا ہے کہ لب معشوق کو بھی جاں بخش کہتے ہیں اور اس لب ہی نے اونکو مارا ہے تو گویا لب جاں بخش نے انکو سلا دیا ہے۔ تو پھر زندگی کیسی

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے — نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

اس شعر کو نظم صاحب نے غلط اور بے معنی کہا ہے حالانکہ یہ بہت صاف شعر ہے کہتا ہے کہ سیلاب طوفان صدائے آب آرہا ہے اور اس دہشت سے ڈر کر نقش پا نے اپنے کان میں جادہ سے انگلی رکھ لی ہے کیونکہ وہ نقش پا کو فنا کر دے گا اس غزل میں یا بہت ممکن ہے کہ مصنف بہار کے کچھ شعر نظم کر گئے ہوں اور یہ اسی میں سے ہوں اور انتخاب کے ہاتھوں سے بچ گئیں شعر یہ تنہائی کا ستم ڈھاتا ہو چونکہ دوسرے شعر میں بادہ ترکیب کے ساتھ ہے لہٰذا اس شعر میں حرکت قافیہ میں اختلاف ہو گیا۔ اور یہ متقدمین کے یہاں کوئی بڑا عیب نہیں گنا گیا۔ یہ اس صورت کے اکثر اشعار مل سکتے ہیں چنانچہ منشی کہتا ہے۔

شکستہ کئے یکسر آتش کدہ — کیا ژند واستا کو آتش زدہ

بلکہ متقدمین نے عندالضرورت صیغہ مستعمل سے صرف روی کو ایسے صیغے کے ساتھ بھی تبدیل کر لیا ہے جس سے قافیہ ہونے کی شائستگی پیدا ہو گئی ہے جیسے خواب کی بائے موحدہ کو بدل کر واؤ کر دیا گیا ہے۔

گر خرے دیوانہ شد یک دم گاؤ — بر سرش چنداں بزن کاید بخواؤ

غلط کردم دریں معنی کہ گفتم — ز نخنداں نگار خویش را سیو

عجب نہیں ہے نجاتے جو میر جاہ کی بیت — سنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کی بیت

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے — ہمارے عندیہ میں تو ہے وہ خبیث پلیت

اور خیال کیجیے تو یہ شعر اختلاف ردی میں بھی آسکتے ہیں۔ پھر بھی ایسے قوافی کے جمع کرنے پر ہیز ضرور ہے۔ اور یہ اگر غلط نہیں تو صحیح بھی مشکل سے ہیں۔

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا — شیشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

بزم مے کو کسی چشم مست نے وحشت کدہ بنا دیا ہے کہ موج بادہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبض پری کی نبض ہے جو اس بزم سے وحشت کھا کر شیشہ میں قید ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ پری کے سایہ سے انسان کو وحشت ہوتی ہے یہ شیشہ میں موج مے ہے یا نبض پری ہے جس سے بزم سراسر وحشت کدہ بنی ہوئی ہے۔ اور مے کو پری سے مشابہت بھی دی جاتی ہے۔

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا — مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

میں اپنی تمنا کی حالتیں اور اسکی گوناگونی اور تلون مزاجی کا ایک تماشائی ہوں میری تمنا کا حاصل یہ نہیں ہے کہ وہ پوری ہو۔ بلکہ میں نے بھی اسکو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے۔

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر — مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی

میرے نامہ قسمت میں تصویر شب ہجراں اسطرح کھنچی ہوئی ہیں جیسے کہ کاغذ پر لکھتے وقت سیاہی گر جائے۔ اور وہ سیاہ ہو جائے اسیطرح تمام نامہ قسمت ان تصاویر سے سیاہ ہو رہا ہے۔

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے — خموشی ریشہ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

میرے دل میں نالہ کا ہجوم ہے۔ مگر میں حیران اسقدر ہوں کہ ایک فغان جگر سوز بھی مجھ سے ناممکن ہے لہذا اس اظہار عجز کے لئے میں نے خموشی اختیار کی ہے تو وہ خموشی ایک ایسا تنکا ہے جو فریق مغلوب اپنی مغلوبیت کے ظاہر کرنے اور عاجز ہو جانے کے لئے دانتوں میں دبا لیتا ہے مگر اس تنکے کو مصنف نے ریشہ نیستان کہا اور یہ صرف اسوجہ سے کہ میری خموشی سے فریاد و نالہ ٹپکتا ہے اور دنیا لوگ ہیں سے سمجھینگے یا سمجھ رہے ہیں کہ اسکے دل میں آہ و نالہ کا جوش مثل نے ضرور ہے مگر یہ نالہ کر نہیں سکتا۔ مولانا ابوالکمال امید فرماتے ہیں کہ۔

؎ تکلم خیز ہے ہمدم مزا انداز خاموشی — بیان درد دل منت کش تاب فغاں کیوں ہو

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے محذوف ہو کہ اے ہجوم نالہ میں حیرت کی وجہ سے نالہ کشی سے مجبور ہوں میری خاموشی سے خفا نہ ہو بلکہ اسکو ریشہ نیستاں سمجھ۔ کہ اس سے میرے عجز کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ میں سراسر نالہ ہوں۔ ایک جگہ ریشہ نے کو اسیطرح اور بھی لکھ چکے ہیں۔

؎ نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو — لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطف بدخویاں — نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے

اگر تکلف کو چھوڑ دیا جاوے تو واقعہ یہ ہے کہ معشوقوں کی بے حجابی اور ناز بھی قاتل ہے اور وہ بے حجابی تیغ تیز عریاں سے مشابہ ہے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی رح ؎

شرم کو ان کی اللہ سلامت رکھے — شوخیوں نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

ہوئی ہے کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی — کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

کثرت غم نے مجھے سراسر غم بنا دیا ہے اور کیفیت شادی مجھ میں سے بالکل تلف کر دی ہے صبح عید بھی مجھے اپنا چاک گریباں ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی میرا گریباں پھٹا ہے۔

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے — کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

اگر ساقی سے سودا کرنا ہے تو دل اور دین دیجیے اور ساغر لیجیے۔ یہاں ادھار کا کام نہیں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو — چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

غم عاشق کو آغوش بلا میں پالتا ہے ہمارا چراغ روشن قلزم صرصر میں روشن ہوتا ہے جیسے کہ مونگا دریا میں پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ ایسے ہی ہم آغوش بلا میں پرورش پاتے ہیں پرورش دینا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہے۔

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے — نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

مصنف نے اس تاثیر سے کہ سرمہ کھانے والے کی آواز بستہ ہو جاتی ہے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ سرمہ اور خموشی کو ایک چیز سمجھ کر کہا ہے۔ کہ نگاہ و تماشا ادائے معشوق ہیں اور کوئی سرمہ نہیں لگاتا۔ بلکہ وہ اسکے دل ہی سے سرمہ سا ہو کر نکلتی ہے اور نہ خاموشی ہی اسکو زینت دیتی یعنی اوسمیں سرمہ لگاتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تو خاموشی کی حالت میں تماشائے بزم کرتا ہے تو تیری نگاہ پیاری اور سرمہ سا معلوم ہوتی ہے۔

فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم — صبا جو غنچے کے پردہ میں جا نکلتی ہے

صبا غنچے کے پردہ میں اگر جلتی پھرتی جا نکلتی ہے تو وہ اسکو بقدر رسیچتا ہے کہ آخر وہ شبنم بنجاتی ہے اور یہ کیا یہ فشار تنگی خلوت اور شبنم بنا شرم فشار سے پسینہ پسینہ ہونیکی وجہ سے ہی

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ کہ زخم روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

سو ادب سے پوچھتے ہیں وہ گلے پر پھیر کر خنجر ستم ایجاد بتلا تاکہ اب میں ہار کیسی ہے

یعنی اے ظالم سفاک آب تیغ نگاہ کی سینۂ عاشق سے کیا کیفیت پوچھتا ہے کہ اُس نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ روزن زخم کو دیکھ جس سے ہوا نکلتی ہے یعنی اسنے سینہ میں زخم ڈالدیا ہے اور زخم بھیا گھر ہے جس سے ہوا نکلتی ہے اور جو زخم ہوا دار ہوتے ہیں وہ ضرور جھلکتے ہیں

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے نافہ دماغ آہوئے دشت تتار ہے

جہاں نسیم ہی زلف عنبر بو کی خوشبو لیجاتی ہے وہاں کے آہو کا دماغ نافۂ مشک تاتار بنا ہوا ہے۔

کس کا سُراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے

حیرت کو شعرا آئینہ سے مشابہ ٹھہراتے ہیں اسی بنا پر مصنف کہتا ہے کہ اے خدا حیرت کس کے جلوہ کے سراغ کے درپے ہے کہ تمام دنیا کا فرش بنی ہوئی یعنی تمام دنیا میں آئینے لگادیے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ سراغ رساں لوگ عکس پڑنے کے لئے آئینہ لگادیتے ہیں۔ اور یہ دنیا جسمیں آئینہ لگے ہیں انتظار کی دنیا ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ اے خدا میں کسکے انتظار میں حیران ہوں۔

ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبار شوق گر دام یہ ہے وسعت صحرا شکار ہے

میرے شوق کو حسب مراد جگہ نہ ملی اور اسکا ذرہ ذرہ صحرا میں پریشان ہوگیا۔ اور بصورت دام بچھ گیا۔ لہذا اگر یہی دام ہے تو تمام وسعت صحرا پر چھا جائے گا۔

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

دل نے آنکھ پر دعوے کیا ہے کہ اسنے حسن قاتل کو دیکھکر میرا خون کیا ہے تو آج اسکے مقدمہ کی پھر روبکاری ہے۔

چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب　　اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے

ایران میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی گھر سے سفر کو نکلتا ہے تو آئینہ پر چند سر سبز پتے رکھ کر پانی چھڑکتے ہیں اور اسکو بخیریت جلد واپس آنے کا شگون جانتے ہیں۔ چنانچہ اسی رسم دمحاورہ کو کمال دست غیب وطغرا وصائب نظم کر کے کہتے ہیں۔

دیدہ را تر کنم از اشک چو رفتی از بزم　　در قفائے سفری آب بر آئینہ زنند

گو ہے تو منزل گہ است در سفر آشنا　　بر رخ آئینہ آب از پے بیگانہ ریز

کیست آنکس کہ بر احوال مسافر گرید　　چشم آئینہ بدنبال مسافر گرید

لہٰذا مصنف کہتا ہے کہ اے عندلیب مست کی کچھ خبر ہے شبنم آئینہ برگ گل پہ پانی چھڑک رہی ہے اور بہار رخصت ہو رہی ہے ایک جگہ یوں کہہ چکے ہیں۔

آغوشِ گل کشادہ برائے وداع ہے　　اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

تسکیں آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے　　وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

چونکہ یہ معشوق کا وعدہ ہے اسکے احترام کی وجہ سے میں تسکین کر رہا ہوں۔ کہ کوئی یہ نہ کہے کہ معشوق کے وعدہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ آئے یا نہ آئے مجھے انتظار کرنا ضروری ہے۔ آئے یا نہ آئے کے ٹکڑے سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ وہ وعدہ خلاف ہے میرا شعر ہے۔

ع　یہ مانا وعدہ خلافی کے آپ عادی ہیں　　میں کیا کروں کہ مجھے انتظار رہتا ہے

پہ اور پر بمعنی مگر اور یاں۔ واں بروزن نع متروک الاستعمال ہیں۔

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گذر نہ کر　　ہر ذرہ کی نقاب میں دل بیقرار ہے

وادی مجنوں یعنی دشت نجد میں بے پردہ ہو کر نہ جا۔ کہ یہاں ظاہراً ذرہ تڑپتے معلوم ہوتے ہیں مگر در اصل ہر ہر ذرہ کے پردہ میں ایک ایک دل بیقرار ہے یعنی ہر ذرہ اضطراب دل مجنوں کا آئینہ دار ہے۔

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں　　طوفانِ آمدِ آمدِ فصلِ بہار ہے

اے عندلیب یہ خاروخس جمع کرتا ہے تو کرے ورنہ پھر طوفانِ بہار میں یہ ڈھونڈھے سے نہ ملے گا۔ یعنی سب سرسبز ہو گا۔

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی　　اے بیدماغ آئینہ تمثال دار ہے

دل کو خراب و برباد نہ کر اگر اسمیں خبر معرفت نہیں نہ سہی تو سیر کے لئے یہ کیا برا ہی کہاں دنیائے آرزو موجود ہے۔

غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط　　اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

غفلت نے عمر بھر کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور جناب اسد فرحت و خوشی دائمی کی ضمانت فرما چکے ہیں یعنی سمجھے ہیں کہ ہمیشہ چین سے گزر یگی۔ اے مرگ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے یہ تو تیرے آنے کا وقت ہے حاصل اس کا نہایت اچھا ہے یعنی انسان اسی فکر میں رہتا ہے کہ ہمیشہ عیش و عشرت سے بسر ہو گی اور اسی میں ان کی غفلت بڑھ جاتی ہے یہانتک کہ موت آجاتی ہے۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے　　ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے

میں تجھے آئینہ کیوں نہ دوں کہ تجھے اپنے عکس کو دیکھکر حیران ہونا پڑے اور یہ لوگوں کے لئے ایک تماشا ہو جائے ورنہ بصورت دیگر تو یہ غیر ممکن ہے کہ تیرا ثانی تجھے دکھا سکوں آئینہ میں عکس دیکھکر حیران ہونا ایک عام مضمون ہے۔

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں　　گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

میرا دل تیری بزم خیال ہے کیونکہ تو اور تیرے خیال اسمیں جلوہ گر ہیں اوسکی زینت کے لئے چند نگاہوں کا ایک مجموعہ اور گلدستہ جسے سویدا کہتے ہیں حسرت نے لاکر رکھدیا ہے۔ یعنی عوام جسے میرا سویدائے دل کہتے ہیں وہ چند حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ ہے۔ مصنف کے نزدیک نگاہوں کا موطن دل ہے۔ کیونکہ دل میں آرزوے نگاہ پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ اور کہہ چکے ہیں ... نگاہ در سے تیرے سر مہ سا نکلتی ہے۔ ایک جگہ اور ذرا بچشم

ساتھ یوں کہا ہے۔

ہمہ سر دمک دیدہ ہیں۔ سمجھو یہ نگاہیں ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

پھونکا ہے کسنے گوش محبت میں ایخدا افسون انتظار تمنا کہیں جسے

ایخدا یہ محبت کے کان میں افسون انتظار جسکا دوسرا نام تمنا ہے کسنے پھونک دیا ہے۔ یعنی محبت کو بلا کسی کے بتلائے اور سکھائے ہوئے تمنا کرنی کیونکر آجاتی ہے۔

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہجوم درد غریبی کے عالم میں یعنی دوری وطن کے سبب سے سر پر ایک مٹھی خاک جسکو صحرا کہتی ہے ڈالنی چاہیے۔ یعنی بہت خاک اُڑانا چاہیے۔ یعنی اتنی خاک اُڑائے کہ صحرا ایک مٹھی خاک کی برابر ہو۔

ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے نہاں وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

میری چشم تر میں حسرت دیدار نے شوق کو نہاں کر دیا ہے اور وہ شوق نکلنے کے لیے مضطرب الحال اور بیتاب ہو رہا ہے۔

اور بصورت دریا آنکھ سے نکل رہا ہے۔ یعنی حسرت دیدار کے شوق میں معدوم ہوں

در کار ہے شگفتن گلہائے عیش کو صبح بہار پنبہ مینا کہیں جسے

اور دنیا کے پھول صبح بہار میں کھل جاتے ہیں مگر عیش و عشرت کے پھول اس صبح بہار میں نہیں کھلتے بلکہ وہ پنبہ مینا کی صبح۔ یعنی شغل شراب نوشی اور بوتل سے کاگ اُڑنے کے وقت کھلتے ہیں۔ جیسے کہ یہاں سپیدی کو جو پنبہ ٹھہرایا ہے ایسے ہی سپیدی کو صبح بہار کے لئے ایک جگہ یوں استعمال کیا ہے۔

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

تھوڑا سا فرق کر کے مضمون بالکل جدا کر دیا ہے۔

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے ۔۔۔ ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

غالب تجھے اگر واعظ بُرا کہتا ہے تو کہنے دے اوسکے کہنے کا بُرا نہ مان کوئی دنیا میں ایسا آدمی نہیں ہے کہ جسکو ہر کوئی اچھا ہی اچھا کہے۔ میکدہ والے تیرے مداح ہیں کعبہ والے بُرا ہی کہتے ہیں تو کیا غم ہے۔

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے ۔۔۔ داغِ دلِ بیدرد نظرگاہ حیا ہے

یعنی گل لالہ پر جو شبنم ہے یہ بلا وجہ اور بے سبب نہیں ہے اسمیں خاص وجہ ہے کہ یہ شبنم نہیں ہے بلکہ گل لالہ کا عرق ندامت ہے کہ اسکو اسبات سے شرم آتی ہے کہ کہ میرے دل میں داغ کسکا ہے اور درد نہیں ہے۔ اور دراصل پہلوئے بے دل - دل بیداغ داغ بیدرد جائے شرم ہے

دل خوں شدہ کشمکشِ حسرتِ دیدار ۔۔۔ آئینہ بدستِ بُتِ بدمستِ حنا ہے

میرا دل حیران جو آئینہ اس لیئے بنا تھا کہ معشوق اُسے دیکھے اور اِس صورت سے وہ معشوق کا نظارہ کرے وہ حسرت دیدار میں خوں ہوگیا مگر اوس تک نہ پہونچا اور کمبخت حنا اوسکے ہاتھ کی آئینہ بنی ہوئی ہے یا میرا دل جو حسرت دیدار میں خوں ہوگیا تھا - وہ صورت آئینہ حنا بنکر اُسکے دست نازک میں پہونچا ہے

شعلہ سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی ۔۔۔ جی کسقدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

میرا دل افسردہ ہوکر رہگیا ہے - اور مجھے حسرت ہے کہ میں جل کیوں نہ گیا - اس نہ جلنے کی وجہ سے میرا جی اسقدر جلا ہے - کہ اگر شعلہ اسکو جلاتا تو وہ اتنا نہ جلتا -

مصنف نے اس قسم کے کئی ایک شعر کہے ہیں اور وہ سب اچھے ہیں - جو گذر چکے ہیں -

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق ۔۔۔ آئینہ باندازِ گل آغوش کشا ہے

تیری تصویر تیرے عکس میں وہ شوخی وہ دلکشی ہے کہ آئینہ نے شوق میں پھول کی طرح اپنی گود کھولی ہے -

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

نالہ کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے کہ قمری سرو کی عاشق ہے اور وہ غمِ الفت میں جلکر خاک کی صورت ہوگئی ہے اور اسی صورت میں اوسکا پتہ ملتا ہے۔ بلبل عشقِ گل میں مقید ہوکر ایسی فنا ہوئی ہے کہ بس قفسِ رنگ ہی رہگئی ہے یعنی صرف رنگ ہے باقی اسمیں دل و جان نہیں ہے۔ اور یہ رنگ بھی اسی غرض سے ہے کہ وہ گل کی عاشق ہے اور اسکا رنگ اسکے رگ و پے میں سرایت کرچکا ہے بلبل کا اس سے نشان ملتا ہے۔ مگر اے نالہ میرے جگر سوختہ کا کیا نشان ہے میں اگر اوسکو ڈھونڈھوں تو کس صورت ڈھونڈھوں اور کیونکر پاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا جلا ہے کہ اسکا کسی صورت اور کسی رنگ سے سراغ نہیں مل سکتا۔ نظم صاحب نالہ کے ساتھ خطاب کو بے لطف کہتے ہیں مگر میں کیا کروں مجھے فیضی کا شعر یاد آگیا دمن نل کے فراق میں کہتی ہے۔

اے دردِ سینہ ام خبر کن واے نالہ ترا دش جگر کن

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

تیری بدخوئی نے میری آتشِ وحشتِ دل کو جو الفت و محبت میں پیدا ہوگئی تھی اُسے افسردہ کردیا کیونکہ تو معشوق ہے اور تجھ میں ناز و انداز جور و جفا وغیرہ کا حوصلہ نہیں ہے یہ میری واسطے ایک بلا ہے یعنی وہ آگ اگر بھڑکتی تو مجھے دم بھر میں جلاکر خاک کردیتی۔ مگر یہ افسردگی رہ رہ کر ستائے گی۔

مجبوری و دعویٔ گرفتاریٔ الفت دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

جب مجبور ہوگئے ہیں اور کچھ نہیں ہوسکتا یعنی آزادی نصیب نہیں ہے تو ہم عوام کو دہوکا دے رہے ہیں کہ کیا کریں پچھلی محبت کو نباہ رہے ہیں۔ گویا پیمان وفا ایک پتھر تلے دبا ہوا ہاتھ ہے نکل تو سکتا نہیں ہے مجبوری سے اسکو پیمان وفا کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے تو کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ہے۔

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

تیری تیغ خون آلود ستم کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے شہیدانِ گذشتہ کو کس بیرحمی سے قتل کیا ہے گویا یہ تلوار ایک آئینہ ہے جس میں گذشتہ تصویرِ ظلم و ستم کی نظر آرہی ہیں۔

اے پرتوِ خورشیدِ جہاںتاب ادھر بھی — سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

اے خورشیدِ جہاںتاب ذرا ہماری مصیبت کو بھی دیکھ اور ادھر بھی کرم کر۔ وقت پڑنا سایہ کے لئے نہایت مناسب ہے۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

ایخدا جن گناہوں کے کرنے کی مجھکو حسرت رہگئی ہے اور اسکی وجہ سے میں نے رنج اٹھایا ہے ذرا انکو بھی دیکھ تب مجھے ان گناہوں کی سزا دے۔ ایسا ہی مضمون کئی جگہ اردو فارسی میں کہا ہے

ع آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

بیگانگیٔ خلق سے بیدل نہو غالبؔ — کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

اگر مخلوق تجھ سے بیگانہ ہے تو ہوا کرے خدا تو ہے ع خدا داریم ما ناخدا در کار نیست

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

تجلی کو اپنے نور کا اظہار کرنا مقصود تھا چنانچہ تیرے قد و رخ میں وہ ظاہر ہوئی اور اس سے تیری قسمت جاگی یہ شعر نعتیہ ہے۔ منظور تھی یہ شکل کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسی پیاری صورت میں اپنا ظہور چاہتی تھی۔

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

چونکہ وہ تیرے شہید ہیں لہذا ان کے کفن حالانکہ خوں چکاں اور میلے ہیں مگر بھی کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں کہ انمیں کروروں بناؤ نظر آتے ہیں۔ اور حوریں حسرت سے انکو دیکھ رہی ہیں۔ اگرچہ مرزا نے بھی یہ شعر بہت اچھا کہا ہے مگر عرفی نے بمثل کہا ہے۔

حلہ ہا سوختہ اند اہل بہشت از غیرت — تا شہیدان تو گلگوں کفنے ساختہ اند

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو — کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

نہ آپ خود پئیں نہ کسی کو پلانے کا آپ کو مجاز۔ پھر بھلا تمہاری شراب طہور کا کیا کہنا۔ ہجو ملیح

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا — گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

میرا قاتل ایسا بدمست اور غفلت شعار ہے کہ قیامت کی بھی اسے خبر نہیں ہے اور میں [illegible] تو مجھ سے خفا ہوتا ہے۔

آمد ہے فصل گل کی جو بلبل ہے نغمہ سنج — اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

فصل گل آ رہی ہے کہ بلبل نغمہ سنجی میں مصروف ہو گیا۔ ہمکو بھی یہ خبر ملی ہے مگر کیا اعتبار ہے جانوروں کی زبانی اڑتی ہوئی خبر ہے۔ جھوٹ سچ کو خدا جانے طیور کی زبانی سے اڑتی خبر بنانا غالب ہی کا کام ہے۔ ؎ بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے۔

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں — کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اے واعظ تو مجھے بت پرستی سے ناراض ہوتا ہے میں تیرے خلاف راستہ نہیں چل رہا ہوں بلکہ صحیح راستہ پر ہوں تو کعبہ کو پوجتا اور اسکا احترام کرتا ہے میں جس کا احترام کرتا ہوں سبب یہ ہے بھی کعبہ میں ایک وقت میں رہتے تھے اب وہاں سے نکال دئے گئے ہیں مگر پھر بھی ان کو کعبہ سے ایک طرح کی نسبت ہے۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

یعنی کیا یہ مسئلہ اصول تھوڑی ہی ہے کہ ہمکو بھی ویسا ہی صاف جواب ملے جیسے حضرت موسیٰ ملا تھا۔ ممکن ہے کہ ہمارا نصیبہ جاگ اٹھے حاصل یہ ہے کہ تلاش مقصود سے تھک کر نہ بیٹھنا چاہیئے اور دوسروں کی ناکامی سے خود مایوس نہ ہو جانے۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر — کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

یعنی حدِ اعتدال سے گذرنا چاہیئے نہ جلوا بن کہ چٹ کر جائیں بھوکے۔ نہ کڑوا بن کہ جو چکھے سو تھوکے۔

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں — حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اگر مجھے بھی شاہ عالم پناہ اس سفر میں اپنے ساتھ لے چلیں تو حج کا جو کچھ ثواب ملے میں حضور کی نذر کردوں یہ ظاہر ہے کہ جو کسی کو حج کراتا ہے اُس کو حج کا ثواب ملتا ہے۔

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے — یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

میرا دل غم کھانے میں بہت ہی کمزور ہے۔ اگر بہت سی شراب ہوتی تو اُسکو پی کر غم کے دن گذار دیتا کیونکہ وہ اندوہ ربا ہے۔ مگر چونکہ غم زیادہ ہے شراب کم ہے یہ میرے واسطے اور بھی افزونیِ غم کا سبب ہے۔ اسی مضمون کو مصنف برعکس کہہ چکے ہیں۔

۵ بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے — غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ — ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

ساقی چونکہ شراب پلا رہا ہے اس واسطے اُس کے پاس ادب ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس میں سیر ہو گیا ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ساقی اگر دُردِ تہِ جام یعنی تلچھٹ بھی مجھے دیدے تو وہ میرے واسطے کافی ہے۔

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں — گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کمان اور کمین کی تجنیس قابل داد ہے۔ آشیانہ تھا تو بجلی کا ایک خوف تھا یا باغبان کی بک بک جی کا جنجال تھی صیاد کا ڈر الگ دل پر چھایا تھا۔ مگر قفس کا گوشہ بڑا اچھا ہے یہاں نہ صیاد کا خوف نہ تیر صیاد کا ڈر۔

۵ بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست — قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی　　　پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

اگر زہد ریائی بھی نہ ہو تو یہ نیچ لگی ہوئی ہے کہ بدلہ کا فکر ہے یعنی جزا کی طمع ہے اور یہ کچھ کم برائی نہیں ہے ریا نہ سہی یہ سہی ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھا جا چکا ہے۔

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں　　　پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

اہل خرد بھی دنیا میں بہت ہیں لہٰذا ان کی روش خاص نہ رہی رسم عام ہو گئی اور یہ کچھ قابل فخر نہیں ہے مزا جب تھا کہ جب کوئی روش خاص ہوتی اور اس پر ناز کرتے۔ اسمیں بھی مصنف نے الفاظ کا طلسم بنایا ہے جس میں یہ معانی بھی موجود ہیں کہ رسم و راہ عام کی پابندی اور روش خاص کا دعوے اور اس پر ناز سے گردلی انبست لعنت بروی۔

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے　　　آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

میں طوف حرم کو جا کر کیا کروں گا۔ مجھے زمزم ہی پر چھوڑ دو اپنا خرقۂ شراب آلودہ ہی آب زمزم سے پاک کر لوں یہی کافی ہے اس قسم کا بھی ایک شعر گذر چکا ہے۔ رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم دھوئے دھبے جامۂ احرام کے۔

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو　　　انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

اگر اب بھی وصل نہ ہو تو بڑا غضب ہے کہ ان کو انکار نہیں اور مجھے اصرار ہے۔ یعنی خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ مجھے دعا کرو میں قبول کروں۔ یا جب میرا بندہ مجھے ڈھونڈتا ہے تو میں قریب ہو جاتا ہوں اس حالت میں کہ میں جویا بھی ہوں اب بھی نہ پا سکوں تو بدنصیبی ہے۔

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ　　　رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

اے موت ابھی عشق میں بہت سی مصیبتیں اٹھانا ہیں ابھی میں رویا ضرور ہوں مگر میرا جگر خون ہو کر آنکھوں سے نہیں ٹپکا ہے ابھی مجھے بہت سے کام ہیں ذرا اور مہلت دے میرا شعر ہے
ٹھہر اے عمر گزراں صبر کر اے موت تھوڑا سا　　　وہ مجھ پہ کچھ جفا کر لے میں اس پہ کچھ وفا کر لوں

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالبؔ کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

یعنی سب جانتے ہیں وہ بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

یار مہمان ہوتا تھا تو شرابِ آتشیں کا دور چلتا اور جوشِ قدح بادۂ گلرنگ سے بزم چراغاں معلوم ہوتی۔

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

عرصہ سے مژگانِ یار کی دعوت نہیں کی ہے کیونکہ اسنے پہلی ہی مرتبہ میرے دل کے ٹکڑے اڑا دیے تھے۔ اب اپنے دل کے ٹکڑوں کو پھر جمع کر رہا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر بھی دعوتِ مژگاں کروں۔

سہ آمادہ گشتہ ام بگر امشب نظارہ را
پیوند میکنم جگر پارہ پارہ را

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

اس احتیاط کے طریقہ سے پھر مجھے ایک الجھن سی ہونے لگی ہے کیونکہ مدت سے گریبان چاک نہیں کیا ہے۔

پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر میرا دم آتشیں گرم گرم نالے کھینچتا ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے مجھے ایک مدت ہوگئی ہے نالہ گرم کو چراغاں سے تشبیہ دی ہے۔

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

حضرتِ عشق پھر میرے زخمِ دل کا مزاج پوچھنے تشریف لیچلے مگر اسطرح کہ لاکھ نمکداں ساتھ ہیں یعنی پھر میرے دل کے تکلیف دینے کا عشق نے سامان کیا ہے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل ساز چمن طرازیٔ داماں کیے ہوئے

پھر میں اپنے دامن پر گل بوٹے بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے خامہ مژگاں کو خونِ دل میں بھر رہا ہوں۔

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

میرے خیال اور آنکھ میں پھر رقابت پیدا ہوئی ہے آنکھ اسکو نظارہ کی صورت میں اور دل خیال کی صورت میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پندار بمعنی غرور و خودداری یعنی میرا دل بتکدۂ غرور و خودداری کو ویران کر کے ملامت کے طواف کعبہ کی گلی یا حرم کے طواف کو چلا ہے۔ یعنی میں اپنی وضع کو چھوڑ کر پھر عشق کرتا ہوں جو بانیٔ ملامت ہے۔

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دل پھر عقل و دل جان کی دکان لیکر بیٹھا ہے اور خریدار کی تلاش ہے۔ کہ کوئی معشوق خریدار ہو تو بیچ ڈالیں۔

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

ہر گل و لالہ پر پھر خیال دوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس صورت سے میری نگاہ کو رشک صد گلستاں بنائے یعنی ذوق نظارہ گلستاں سے۔ یا اثر نظارہ سے۔

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کیے ہوئے

معشوق کا خط پھر اس صورت سے کھولنا چاہتا ہوں کہ جان کو عنوان دلفریب کے نذر کر دوں اس میں دو باتوں کی تعریف پیرایہ فراق کیا ہے ایک یہ کہ معشوق کا نامہ اتنا دلفریب ہے دوسرے یہ کہ میرا شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے۔

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس　　زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

اس شعر میں مصنف نے تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتا ہے کہ میری ہوس نظارہ پھر اس صورت سے اوسکو لب بام دیکھنا چاہتی ہے۔

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو　　سرمے سے تیز دشنہ مژگاں کیے ہوئے

میری آرزو کی تمنا ہے کہ کوئی میرے روبرو اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور میرے دلکو زخمی کر رہا ہو۔

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ　　چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر میری نگاہ اوسکو نشہ میں بدمست ہونے کی حالت میں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ نوبہار ناز گلستاں تاکے ہے یہ سب الفاظ مناسب ہیں۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں　　سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے

یہ جی چاہتا ہے کہ کسی کے در پر پڑے رہنے کی دربان ہمیں اجازت دے اور ہم وہاں اُسکے احسان میں دبے پڑے رہیں۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن　　بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

پھر دل کو اُسی فرصت کی تمنا ہے کہ شب و روز پہلے کی طرح اوسکا خیال کیے بیٹھے رہیں

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے　　بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

یعنی ہمکو چھیڑوگے تو ہم رو دیں گے ذرا انتظار دیکھیے کہ طوفاں بپا کر دینگے۔

اسی زمین جناب آرزو صاحب لکھنوی کے دو تین شعر مجھے یاد ہیں جو ایسے کہے ہیں کہ اُنکی داد نہیں دیجا سکتی ہے۔

جوش جنوں میں وہ تیر کر وحشی کا کھینچنا　　بند اپنے ہاتھ سے در زنداں کیے ہوئے

وحشت ہم اب بعد فنا پھوڑ جائینگے	اب تم پھرو گے چاک گریباں کئے ہوئے

**نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے	رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے**

معشوق کا ظلم و ستم میرے لئے گویا خوشی کی نوید بھی ہوتی ہے اور مجھے ظلم و ستم سے نجات ملنے کا نوید ہے کیونکہ آسمان کیلئے کوئی طرز ستم اب باقی نہ رہیگا کیونکہ وہ سب ظلم و ستم مجھ پر ختم کر دیگا اور کر رہا ہے شیفتہ مرحوم اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں

سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا	تجھ پہ گلہ رہا ستم روزگار کا

اسی زمین میں ذوق مرحوم اور مومن خاں وغیرہ سبھی کی غزلیں ہیں لہٰذا جی چاہتا ہے کہ غالب کی شرح میں کم از کم دوسروں کے شعر قافیہ بقافیہ اس زمین میں لکھتے جائیں جو ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مومن	دعا بلا تھی شب ہجر میری جاں کے لئے	سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے
ذوق	ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جاں کے لئے	ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے
شیفتہ	ہو گئے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لئے	نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لئے

**بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے	رکھوں کچھ اپنی بھی مژگاں خونفشاں کے لئے**

شیفتہ مرحوم یہاں یہی مضمون یوں لکھتے ہیں۔

ستم اگرچہ بنا ہر ناز دلکش دوست	مگر کچھ اپنی بھی آہ جگر فشاں کے لئے

مطلب مصنف کا یہ ہے کہ میں نے مانا کہ مژہ یار خون کی پیاسی ہے مگر مجھے اپنی مژگاں کا بھی تو خیال کرنا چاہیے وہ بھی تو خونفشاں ہے اگر میں سب خون اسی کے نذر کر دوں گا تو میری مژگاں خوں فشانی کیونکر کریگی۔

سحر	نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے	رہا ہی سینہ میں کیا چشم خونفشاں کے لئے
ہے	وہ لعل بوسۂ فرہاد سے کہا فلک بوسے	کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لئے

**وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر	نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے**

ہماری زندگی کا یہ مزا ہے کہ ہم لوگوں سے ملتے جلتے ہیں اگرچہ ہماری زندگی جاودانی نہیں ہے مگر لطف زندگی تو اٹھا رہے ہیں اور ایک تم ہو کہ چور بنے ہوئے ہو نہ کسی سے مل سکتے ہو نہ بات

کر سکتے ہو دیے خضر یہ تمہاری کیا زندگی ہے اور اس حیات جاودانی کا کیا حاصل ہے -

سہ اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانہ یاس — بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے
خلاف وعدۂ فردا کی ہمکو تاب کہاں — امید یکشبہ ہے پاس جاوداں کے لئے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفت رشک — بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

رشک نے مجھکو بلا میں مبتلا کر رکھا اس غم میں مرا جاتا ہوں کہ تیرا ظلم اور تیری ادا سب کیلئے کیوں ہے اور اسکو سب کیوں دیکھ سکتے ہیں - یہی مضموں یوں بھی کہا ہے -

نہیں گر ہمدمی آساں نہو یہ رشک کیا کم ہے — نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری
اے فلک تونے دیا تھا غم جو کہانیکے لئے — وہ بھی حصہ کر دیا ساری زمانے کے لیے

شیفتہ مرحوم بھی قافیہ کو یوں لکھتے ہیں -

نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع — دعائے خیر ہی اور آفت جہاں کے لیے

مومن مرحوم نے اس مضموں کو بہت ہی خوب لکھا ہے سہ

جنوں عشق ازل کیوں نہ خاک اڑائیں ہم — جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لئے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں — درازدستی قاتل کے امتحاں کے لئے

اے فلک تو بہانہ یہ کرتا ہے کہ درازدستی قاتل کا امتحان منظور ہے اور اس طرح سے تونے مجھے اوس سے دور ڈال رکھا ہے مگر کیا اسکی درازدستی کے امتحان کے لئے ایک میں ہی رہگیا ہوں یہ امتحان اوروں پر کیوں نہو -

امتحاں کے قافیہ کو مرزا نے سب سے اچھا کہا ہے اگرچہ دوسروں نے بھی کمی نہیں رکھی -

وہ مول لیتے ہیں جبدم کوئی نئی تلوار — لگا تے پہلے ہمی پر ہیں امتحاں کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوئے — ہمیں بھی دینی تھی جاں اُنکے امتحاں کیلئے
کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو — ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے
امید ہے کہ بنا ہینگے امتحاں لیکر — جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کیلیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

میری ناکارہ اور بیکار کوشش کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طائر گرفتار قفس میں آشیان بنانے کے لئے تنکے جمع کرے۔ یہ نہایت بلیغ شعر کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کوشش رہائی کرتے کرتے تھک جانے پر جیسے مرغ اپنے دل کے سمجھانے اور خوش کرنیکو قفس میں گھر بنائے ایسے ہی میں بھی تھک کر راضی برضا ہو گیا ہوں۔ اور اب اسی غم میں خوش ہوں اصل یہ ہے کہ یہ قافیہ غالب نے اپنے حصہ کا کر لیا ہے۔ اسکا جواب نہیں ہے۔

ذوق صبا جو لائے نہ خس خاک کہاں سے لئے — قفس میں کیونکر نہ رہئے آشیاں کے لئے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ دام قفس — ہے ہم برق بلا روز آشیاں کے لیے
وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھیگا — جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

اسی طرح میں لکھنؤ میں ایک مشاعرہ ہوا تھا امیر نے بھی آشیاں کے دو قافیہ کہے تھے یہاں اگرچہ لکھنے نہ چاہیے تھے مگر لکھتا ہوں۔

وہ کم نصیب ہوں باغ جہاں میں ہے عیاں — کہ تنکے تک نہ ملے مجھکو آشیاں کے لیے
فلک زدہ ہوں شفق سے بھی ڈر رہا ہوں میں — کہ یہ بھی برق نہ ہو تیرے آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

پاسبان نے مجھے سایل سمجھا تھا اور سوجہ سے دروازہ پر مجھے کھڑا ہونے دیا تھا وہ چپ ہو گیا تھا مگر میری شامت اعمال کہ میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا جس سے اُسنے مجھے پہچان لیا۔ اور وہانسے نکال دیا یہ قافیہ اگرچہ مرزا نے اپنا حصہ کر لیا ہے مگر مومن خاں نے اسکا جواب دیا ہے اور خوب جواب دیا ہے۔

مو ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا — وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے
او نہیں ہی ہے محبت عمل کی کیا حاجت — اگر گدا تو کرو اُن کے پاسباں کیلیے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

جو کچھ مجھکو لکھنا ہے وہ غزل میں نہیں لکھ سکتا لہذا یہاں سے دوسرا پیرایہ اختیار کرنا چاہیے

یہ ضبط نا کی تعلیم شیفتہ بجا ہے زبان ہم سو ٹی ہے اگر بیاں کے لیے ۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے　　بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

عیش و آرام میرے ممدوح تجمل حسین خاں کے لیے ہے اور دوسروں کو برنبائے مصلحت دیا گیا ہے کہ کہیں اُسے کسی کی نظر نہ لگ جائے ۔ بہت خوب شعر ہے ۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

اے اللہ میری زبان پر یہ کس کا پیارا پیارا نام آ گیا کہ میری زبان خوشی میں میرے منہ کو چومنے یا اس نام کے اثر سے زبان نے منہ کے بوسے لیئے ۔

خاقانی مدحت کعبہ دل میں کہتا ہے ؎

زیں نام چو تر گشتم زبا نرا　　جاں بوسہ زند سر زبا نرا

نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک　　بنا ہے چرخِ بریں جسکے آستاں کے لیے

وہ ملک و دولت کا مددگار اور مذہب کا حامی ہے اس لیئے اُسکی یہ عز و شان ہے کہ آسمان باوجود اس رفعت اور بلندی کے اُسکے آستانے کے لیئے بنا ہے ۔

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محوِ آرائش　　بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے

زمانہ اسکے عہد میں از سر نو آراستہ ہو رہا ہے اس لئے یہ ستارے جواب ہیں اسکے سوائے اور بھی ستارے آسماں میں بنینگے کہ اُسکی زینت بڑھے ۔ اور چونکہ ممدوح کا نام تجمل حسین خاں ہے اسواسطے تجمل و آرائش از سر نو ہوگی ۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا　　صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیئے

میں نے نئے انداز میں یہ غزل لکھی ہے اور اس روش خاص کی طرف میں اپنے یاران نکتہ داں کو بھی متوجہ کرتا ہوں تاکہ اسے اختیار کریں ۔

قصائد

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

یعنی باغ کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالہ بیداغ کا سایہ سویدائے دل بہار بنا ہوا ہے۔ بیداغ سے مراد یہ ہے کہ بہار کا وہ جوش ہے کہ لالہ میں بھی داغ نہیں ہے کیونکہ داغ میں تر و تازگی ہے

مستیِ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ — ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

اسقدر مست ہے کہ وہ سبزہ بالائے کوہ کو بھی شیشۂ مے کے ریزے ظاہر کرتی ہے ریزۂ شیشۂ مے کی کرچوں کو بوجہ سبزی کے سبزہ سے مشابہت دی ہے۔ تیغ کوہ پہاڑ کی بلندی اور چوٹی کو کہتے ہیں دوسرے معنے یہ ہیں کہ بادِ صبا کی مستی سے سبزہ ظاہر ہوا ہے اور وہی سبزہ شیشۂ مے سے مشابہ ہے اس لئے کہ صبا نے اوسکو ظاہر کیا ہے اور یہ اسکی مستی ہی کا اسپر اثر ہے کہ وہ ریزہ شیشۂ مے معلوم ہوتا ہے یہی ریزہ بوجہ اپنی تیزی کے تیغ کہسار کا جوہر بن گیا ہے یعنی جیسے جوہر تیغ کے لئے باعث عمدگی ہے ایسے ہی سبزہ پہاڑ کی چوٹی کے لئے۔

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ — تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

بہار کے اثر سے داغ سیاہ پلنگ سبز ہو گئے اور ریشۂ نارنج کی طرح شرارے سرخ ہیں

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت — کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

ابر ایسا مست ہو رہا ہے کہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور گویا دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے میری حسرت کو افسوس آتا ہے کہ ایک یہ ہے جس نے دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ بوجہ طرب انگیزی ابر کے حسرت کے ساتھ گلچینی اور طرب کا ذکر کیا ہے سا در ایک میں ہوں۔ یا اس لئے کہ دونوں عالم کے فشار کے ساتھ میرے غم کا فشار ہونا بھی ممکن ہے۔

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل — راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے شوق سے آباد ہے۔ جو لوگ راہ میں سو گئے تھے وہ خندۂ گل سے بیدار ہو گئے ہیں یا یہ کہ سبزہ ہو گئی راہ۔ یعنی ویران راستے خندۂ گل سے جاگ اٹھے یعنی آباد معلوم ہوتے ہیں۔

سونپے ہے فیض ہوا صورت مژگان یتیم   سرنوشت دو جہاں ابر بیک سطر غبار

ہوا کے فیض نے ایک سطر کو جو بخط غبار لکھی ہے دونوں جہاں ابر کی یعنی بہت ابر کی تاثیر بخشدی ہے جیسے کہ مژگان خاک آلودہ یتیم ایک سطر غبار آلودہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ آنسو ٹپکتے ہیں اسطرح اب سطر غبار کو جو غالباً ابر کے چھوٹے ٹکڑے سے مراد ہے دو جہاں ابر کی خاصیت سونپ دی ہے یا یہ کہ ہوا اتنی مرطوب ہے کہ غبار جسکا مزاج خشک ہے اوسکو بھی مرطوب بنا دیا ہے یعنی انتہا یہ ہے ذرا سا غبار نظر آنا بھی سامان بارش ہے۔

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ انداز ہلال   قوت نامیہ اسکو بھی نچھوڑے بیکار

قوت نامیہ وہ قوت جو سبزہ وغیرہ کو بڑھاتی اور بالیدگی بخشتی ہے اوسکا یہ زور ہے کہ ایک ناخن تراش کر پھینک دیجیے تو اوس کو بھی ہلال سے بدر بنا دے گی۔

کف ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز   دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار

ایک مٹھی خاک جو اڑتی ہے وہ قمری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوا نے ہر شے میں جان ڈالدی ہے اور کیونکہ شیہ کا اڑنا دلیل جاندار ہونے کی ہے۔ قمری کی تشبیہ کف خاک سے دیتے ہیں ہمواسطے کف خاک خاص پرندہ کو قمری کہا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں کہتا ہے کہ اگر کاغذ کو جلا دیجیے تو اوس میں جو نقطہ پڑتے ہیں اوس سے دام کی تصویر بنجاتی ہے جسمیں سیکڑوں طاؤس نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں تمثیلیں نہایت بے مثل ہیں یعنے بوجہ رنگ کے قمری کو کف خاکستر اور بوجہ مشبک ہونے کے کاغذ آتش زدہ کو دام طاؤس کہا ہے۔

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی   بھول جا یک قدح بادہ بہ طاق گلزار

اگر تو چاہے ہے کہ میکدہ میں پھول بھی چنے تو ایک شراب کا پیالہ طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا

یا یکہ قوت نامیہ مجھ پیالہ کے ہزاروں پیالے بنا دے گی۔ اور میکدہ بنجائے گا۔ تو اس صورت میں تو شراب خانہ میں بیٹھکر پھول بھی چن سکے گا۔

موجِ گل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچۂ باغ گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

اگر تو اپنی پگڑی گوشۂ میخانہ میں بھول جائے تو ہوا اسکو بصورت موجِ گل بنا دے گی اور اسوجہ سے بہتر تجھکو وہ گوشۂ میخانہ میں نہ ڈھونڈھنا چاہیئے بلکہ باغ میں خلوت خانۂ غنچہ میں وہ تجھکو بصورت موجِ گل ملے گی۔ ایک نازک تشبیہ اسمیں یہ ہے کہ پگڑی جب تک بندھی ہے بصورت غنچہ ہے اور جب کھل کر گر گئی تو گویا وہ گل ہوگئی۔

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر سبز مثل خط نوخیز ہو خطِ پرکار

یہ جوش بہار ہے کہ اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کرے تو سبزہ نوخیز کی طرح خطِ پرکار سبز ہو جائے۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

چونکہ پہاڑ سے لعل بھی پیدا ہوتا ہے اور سبزہ بھی وہاں ہے تو گویا یہ دونوں ملکر طوطی مدحت سرائے شاہ ہو گیا ہے۔ سبزہ طوطی۔ لعل منقار طوطی۔

وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیر سرا چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

اوس طوطی کا ارادہ اس بادشاہ کی مدحت سرائی کا ہے جسکی تعمیر قصر کے لیئے اینٹیں قالب چشم جبریل سے بنی ہیں۔

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

فلک العرش اوسکی تعمیر قصر کے لیئے ایک خم ہے جسمیں مزدور پانی بھر کر لاتے ہیں سلسلۂ فیض ازلی بصورت اس رشتہ کے ہے کہ جس سے معمار اندازہ کجی و راستیِ دیوار کا کرتے ہیں۔

سبزہ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام   رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

ہفت آسمان کا سبزہ اور ایک خطِ پشتِ لبِ بام قصرِ ممدوح اور سو عارفوں کی ہمت بلند اور ایک اوجِ حصار موصوف برابر ہیں - واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے لئے ہے نظم [illegible] لکھا ہے کہ اردو میں یہ واؤ مستعمل نہیں ہے مگر کوئی پوچھے کہ یہ شعر ہی اردو کا کہاں ہے مصنف [illegible] کمالِ بیان اور قادر الکلامی ہے کہ فارسی کا شعر اردو سے جدا نہیں معلوم ہوتا - سبزہ نہ چمن سے سبزہ کی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے -

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ   وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

اگر وہاں سے کسی کو ایک مٹھی خار و خاشاک مل جائے تو پھر اس کو بازوئے پری کے پنکھوں سے نفرت ہو جائے گی -

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا   چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے - جوہر وہ جس سے دوسری شے قائم ہو اور اُسکی ذات بذاتِ خود قائم ہو - یعنی عارفانِ کامل کی سیر کا باعث اگر ہے تو خاکِ نجف ہے یعنی اسکی وجہ سے انہیں سیر کی خواہش پیدا ہوتی ہے - اور اس سیر میں جو نقشِ قدم اس خاک پر پڑتے ہیں وہ گویا آئینہ ہیں جسمیں بختِ بیدار کی تصویر نظر آتی ہے

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز   گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار

ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے کہ اگر عکس آ سکے وہاں کی خاک کا ہر ذرہ خورشید کے لئے آئینۂ ناز ہے اور وہاں کی گرد امید کے لئے جامۂ احرام ہے جس سے کعبۂ بہار کا طواف کریگی - دوسرے مصرعہ میں غلو ہے خاک کی پاکی میں کہ وہاں کی خاک جسمِ امید پر باعثِ شرف و مقبولیت و سببِ تقرب درگاہ ہے

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیٔ ناز   عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

اور بار پیدائش عالم وہاں سے فخرِ مستی ناز حاصل کرنا چاہتی ہے وہاں کی ہر موجِ غبار ایک

انگڑائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انگڑائی شرابی کو نشہ کے اتار کے وقت آیا کرتی ہے گویا وہاں ہر ہر موج غبار انگڑائی لیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شراب ہستی ناز سے حاصل کرے یعنی اس جگہ کی پیدائش کا پھر خمار فخر کرے کہ مجھی سے یہ سرزمیں مبارک بخت پیدا ہوئی

مطلع ثانی

فیض سے تیری ہے اے شمع شبستان بہار ۔۔۔ دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار

اے کاشانۂ بہار کی شمع نورانی تیرا فیض سبکو پہونچا ہے دل پروانہ میں چراغاں کی اور بلبل کے پر میں گلزار کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے یعنی تیرے سبب سے سبکی مراد حاصل ہوتی ہے -

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیرا فیض سبکو پہونچا ہے دل پروانہ میں تیری محبت کے سوز گداز سے جو داغ پڑے وہ چراغاں کا عالم پیش نظر کرتے ہیں اور وہی پروانہ کا مقصود ہے اور پر بلبل پر تیری محبت کے نقش نے گلزار بنادیا ہے اور وہ اسکا عین مطلوب ہے۔ مگران رعایتوں کے باوجود معنی اول زیادہ صاف ہیں۔

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز ۔۔۔ ذوق میں جلوے کے تیرے بہوائے دیدار

آئینہ خانہ تیرے جلوے کے شوق میں پرواز کرتا ہے آئینہ خانہ کی مور سے تشبیہ نہایت عمدہ ہے مگر پرواز طاؤس پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا فیضی نے اپنی مثنوی نلدمن کا حمد کا پہلا شعر یہ لکھا تھا

اے درتگ و پوے تو ز آغاز ۔۔۔ طاؤس نظر بلند پرواز

فخر کے ساتھ دربار میں سنایا۔ تو پہلے مصرعہ کو سنکر عرفی نے کہا۔ کہ خوش گفتی مگر دوسرے مصرعہ پر عرفی نے ناک بھوں سمیٹ کر کہا کہ فیضی طاؤس راچہ پرواز ازیں بام تا ایں بام۔ بگو عنقائے نظر الخ۔

انصاف پسند فیضی علامہ تھا چاہتا تو تاویل کرتا مگر مصرعہ کو بدل دینا ہی انسب سمجھا

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں ۔۔۔ سلک اختر میں مہ نو مژہ گوہر بار

تیری اولاد کے غم میں ہلال ایک مژہ اشکبار ہے یعنی جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی

ہیں اختر کو مژہ اشکبار اور اختر کو گوہر قرار دیا ہے۔

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

تیرا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت ہے تیرے ہی حوصلہ سے عبادت کو قوت پہونچتی ہے۔

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

تیری مدح سرائی کرنا عین رسول مقبول کی مدح سرائی ہے۔ تیرا جام محبت جو پیتا ہے وہ بادۂ اسرار سے سرشار ہو جاتا ہے۔

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر یک طرف نازش مژگاں و دگر سو غم خار

دست دعا آئینہ ہے جسکا جوہر تاثیر ہے۔ وہ ایک طرف مژگاں اشک فشاں کے لیئے مایۂ ناز ہے تو دوسری طرف حسرت دل کے واسطے خار غم ہے کیونکہ۔ دعا کرتے وقت مژگاں سے آنسو نکلتے ہیں جس سے دعا مقبول ہوتی ہے اس سبب سے تو وہ جوہر آئینۂ دست دعا یعنی تاثیر فخر مژگاں ہے دوسری طرف چونکہ حسرت دل میں تاثیر کی وجہ سے مٹ جاتی ہے اوسکے لیئے خار غم ہے یا یہ وہ جوہر آئینہ دونوں چیزوں کا سبب ہے کہ ایک طرف اس سے مژگاں کو ناز ہے دوسری طرف وہ کانٹا بنی ہوئی ہے یعنی کانٹے سے مشابہ ہے۔

یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ سب جگہ آئینہ میں جوہر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ دست دعا کا جوہر آئینہ ہے اور آئینہ سے مراد تاثیر ہے آئینہ سے تاثیر کی تشبیہ اس لیئے دی ہے کہ آئینہ بھی حسن و قبیح ناظر کو ظاہر کرتا ہے اور تاثیر بھی نتیجہ دعا کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لیئے گویا یہ آئینہ تاثیر ہے جس نے نتیجہ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مژگاں کو فخر ہے اور دوسری طرف غم خار ہے یعنی دست دعا کا جوہر آئینہ۔ اور آئینہ تاثیر تو گویا تاثیر جوہر ہے اور اسی جوہر کے دو اثر ہیں ایک طرف نازش مژگاں اور دوسری طرف خار دل غم اس صورت میں جوہر دست دعا آئینہ کے ترکیبی ترکیب ہونے کا اعتراض بھی اوٹھ گیا جو نظم صاحب نے اپنی شرح میں غالب پر کیا ہے۔

مردمک سے ہو عزاخانۂ اقبال نگاہ خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

جو مجھ تیرے خاک در کی تابع فرمان نہ ہو خدا کرے کہ وہ اقبال نگاہ کے لئے عزا خانہ بجائے اور پتلی جو سیاہ پوش اور ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے اوس گھر کی عزادار ہو یعنی وہ ہمیشہ اقبال کا سوگ کیا کرے اور کبھی اوسکو کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہو۔

دشمن آل نبی کو بہ طرب خانۂ دہر　　عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دشمن آل نبی کو خدا کرے کہ دنیا کے طرب خانہ میں ہر طاق دیوار طرب خانہ منبع سیلاب طوفان حوادث ہو جائے۔ یہ شعر بھی دعائیہ ہے۔

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتو شوق　　فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

اے اسدؔ آنکھ سے لیکر دل تک میں ایک پرتو شوق بنا ہوا ہوں اور یہی وجہ اور اسی فیض سے میرا خط ساغر شوق شراب معنی سے لبالب ہے۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں　　ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

اس شعر میں کئی معانی پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا کا قیام محض یکتائی معشوق ہی سے ہے اگر حسن سوائے اپنے دوسرے کو دیکھنا پسند کرتا تو دنیا رہ نجاتی یعنی اگر تجلی انوار دنیا پر پڑتی تو یہ جلکر خاک ہو جاتی اور یہ کہیں وجود نہ رہتا۔

دوسرے اگر حسن یکتائی کو پسند نہ کرتا یکتا نہوتا یعنی ذات باری تعالی واحد لاشریک نہوتی تو آسمانوں اور زمینوں میں فساد ہو جاتا۔ اور یہ سبب ہر بادی کائنات ہوتا (لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا) تیسرے۔ یہ کہ تکوین کائنات محض تماشائے خود بینی کے لئے ہیں یعنی حسن طرح طرح سے اپنے جلوہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔

یا یہ کہ حسن نے اپنے جلوۂ یکتائی ہی سے کام رکھا ورنہ اگر ایسا نہوتا تو نہ معلوم ہم کہاں اور کس صورت کس حال میں ہوتے اشارہ مذہب صوفیا و قائل ہمہ از دست و ہمہ اوست کی طرف۔

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق　　بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہم تماشائے دہر میں مصروف ضرور ہیں مگر نہایت بیدلی سے کہ جس سے نہ کوئی عبرت

حاصل کرتے ہیں نہ کوئی ذوق ۔ ہماری تمنا بالکل بیکس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوتی ہے نہ دین حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم تماشائے نیرنگئ عالم سے عبرت حاصل کریں تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف پیدا ہو تو دنیا کا مزا ہے مگر یہاں تو بیدلی کے ساتھ تماشا ہے جس سے کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی ۔

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم　　　لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکیں

یعنی خیالات ہستی و عدم اور جنون و وقار میں فرق کرنا یہ سب لغو ہے سوائے وحدت وجود کے خیال کے ساری باتیں بیکار ہیں زیر و بم اور ہستی و عدم میں لف و نشر ہے زیر سے عدم اور بم سے ہستی کو مشابہ کیا ہے یعنی اور اشیا کا خیال و ذکر فضول ہے بس ۔

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت　　　سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں

آجکل نقش معنی سے یعنی اوسکی دعویداری سے اپنی ظاہرداری کی آراستگی اور ذکر حق سے ذوق تحسین کا کام لیا جاتا ہے باقی کچھ نہیں ۔

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم　　　دردِ یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

دانشمندی کا ادعا اور شیخی بالکل فضول ہے اس سے گویا دین کی طرف سے غفلت کرتا ہے اور عبادت بامید نفع بالکل فضول ہے دین تو دین دنیا کو بھی اسکے ہاتھوں غارت کیا جاتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ یہ دونوں امور حق پرستی و حق شناسی سے غافل کرنے والے ہیں ۔

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم　　　صورت نقش قدم خاک بفرق تمکیں

باد بدست ہیچ و بیہودگی ۔ یعنی جیسے مضمون وفا بیہودہ اور فضول ہے اسی طرح تسلیم و رضا بیکار ہے یا اسکا نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہے ۔ تمکین مثل نقش قدم کے خاک بسر اور پریشان ہے ۔ مطلب یہ کہ تسلیم و رضا کا کوئی نتیجہ ۔ نہ تمکین سے کوئی فائدہ ۔

عشق بے ربطی شیرازۂ اجزائے حواس — وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں

عشق کا نتیجہ یہ ہے کہ شیرازہ حواس درہم و برہم ہو جائے۔ اور وصل حسن یقین کے آئینہ پر زنگ پیدا کرتا ہے یعنی وصل سے جُدائی ثابت ہوتی ہے اور اس یقین کے آئینہ پر گرد ہم دیکھی ہیں زنگ لگتا ہے لہذا دونوں بیسود۔

کوہکن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب — بیستوں آئینۂ خواب گراں شیریں

فرہاد عاشق کیا ہے اپنے رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور ہے اور بے ستوں کیا ہے شیریں کے خواب گراں کا آئینہ ہے جس سے فرہاد حیران و پریشان اور جاں بلب ہے یعنی عاشق اس مصیبت میں ہے اور اُسے خبر نہیں یہی مضمون غزل میں کہہ چکے ہیں۔

کسنے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز — کسنے دیکھا اثر نالۂ دلہائے حزیں

آجکل کے جو اہل وفا ہیں اُن میں آتش خیزی نہیں ہے اور اسی لئے بے اثر و بیکار ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

ے وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم — اثر فریاد دلہائے حزیں کا کسنے دیکھا ہے

یعنی نالوں میں درد انگیزی اور آتش خیزی نہ فریاد میں اثر ریزی ہر شے بدل گئی ہے

سامع زمزمۂ اہل جہاں ہوں لیکن — نہ سر برگ ستائش نہ دماغ نفریں

لگ جو کچھ زمزمہ سرائی کرتے ہیں اُنہیں سن لیتا ہوں مگر اسکی پروا نہیں ہے نہ ستائش کی تمنا اور نہ نفرین کا دماغ۔

کسقدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ — یک قلم خارج آداب وقار و تمکیں

معاذاللہ میں بھی کتنا بیہودہ گو ہوں۔ آداب وقار و تمکیں سے سراسر خارج ہوں۔ یہی اس قصیدہ کا مخلص و گریز ہے۔

نقش لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر ‌ ‌ ‌ یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

اے قلم تو وسوسات سے نزدیک ہے اور جو کچھ ابتک لکھا وہ سب بیہودہ بکا اندا اب یا علی لکھ کہ اس ہزیاں سرائی اور وسواس شیطانی سے نجات پائے۔

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل ‌ ‌ ‌ قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

فیض خدا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مظہر ہیں اور رسول خاتم النبیین کے پیارے ہیں آل نبی کے قبلہ و کعبہ یقین کے موجد ہیں۔

ہو وہ سرمایۂ ایجاد اگر گرم خرام ‌ ‌ ‌ ہر کفِ خاک ہے واں گردہ تصویرِ زمیں

اگر وہ سرمایہ ایجاد چلیں اور گرم رفتار ہوں تو ہر کف خاک اس زمین کی جس پر پاؤں کے نقش پڑیں تصویر ربع مسکوں بنجائے کیونکہ وہ سرمایہ ایجاد اور باعث ایجاد عالم ہیں۔

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اسکا جس جا ‌ ‌ ‌ وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی زمیں

جس جگہ اُن کا نقش قدم پڑے اتنی زمین ننگ و ناموس عالم کی زمین ہے یعنی سبب عز و افتخار کونین وہی زمین ہے۔

نسبتِ نام سے اُسکے ہی یہ رتبہ کہ رہے ‌ ‌ ‌ ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

یہ اوسکے نام کا شرف ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اُٹھانے کے لئے آسمان کی پشت جھکی رہتی ہے نسبت نام اس سبب سے کہا کہ حضرت علی کی کنیت ابو تراب ہے اور تراب مٹی کو کہتے ہیں۔ نظم صاحب نے اس شعر پر بھی المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے اور یہ اسوجہ سے کہ ابو تراب کا لفظ شعر میں نہیں ہے۔ مگر جب ذہن فوراً اس لفظ کی طرف بسبب نسبت نام کے فقرہ کے منتقل ہوتا ہے تو یہ الزام بیجا ہے۔

فیضِ خُلق اسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا ‌ ‌ ‌ بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

یہ اُسی کے خلق کا فیض ہے گل کو پہونچا ہے کہ وہ خوشبودار ہے۔ اور باد صبا کو بھی وہ فیض پہونچاتا ہے۔

برِشِ تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سررشتۂ ایجاد کہیں

چونکہ اس کی تلوار کی کاٹ کا ذکر ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سررشتۂ ایجاد منقطع ہو جائے

کفر سوز اسکا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

اُس کا جلوہ وہ کفرسوز ہے جس سے بتخانۂ چین کی رونق عاشق کے رنگ کی طرح اُڑ جائے یہ رنگ شکستن کا ترجمہ ہے۔

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا — وصیِ ختمِ رُسُل تو ہے بہ فتوائے یقیں

اے تو میری جان پناہ اے میرے دل و جان اے فیض رساں اے بادشاہ تو رسول مقبول کا یقینی وصی ہے مصنف اپنے جوشِ عقیدت میں اپنے مذہب کے موافق یہ لکھ گئے ہیں ورنہ یہی وہ مسئلہ ہے جسنے دنیائے اسلام میں دو گروہ سنی و شیعہ بنا دئے۔ حالانکہ آج حضرت علی ہیں۔ نہ حضرت عمرؓ اور یہ سب جھگڑا اور اسکا اعادہ فضول سے کم نہیں ہے۔

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر — نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

تو راکب دوش پیمبر ہے اور تیرا نام نامی عرش اعظم پر نقش ہے۔

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب — شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

جیسے شعلۂ شمع ہی شمع کی زینت کر سکتا ہے ایسے ہی تیری تعریف خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ — رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں

انسانوں کو جو جان دل اور دین ملے ہیں تو گویا یہ خدا نے تیرے سنگ آستانہ نثار

کرنے کا ساسان کر دیا ہے۔

تیری حمد کے لئے ہیں دل و جان کام و زباں ‏ تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

دل و جان کام و زبان سب تیری تعریف کرنیکے لئے پیدا ہوئی ہیں ۔ لوح و قلم ہاتھ اور جبیں کیطرح تیری سلام کرنے کے لیے بنے ہیں لوح کو جبیں ۔ اور قلم کو ہاتھ سے بلحاظ محل کے مثل تشبیہ ہے ۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا ‏ کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس بریں

ایسا کوئی نہیں ہے جو ممدوح خدا کی مداحی کرے اور ایسا کوئی نہیں جو فردوس کو جو خود آراستہ ہے اور زیادہ رونق دیسکے ۔

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد ‏ کہ سوا تیرے کوئی اوسکا خریدار نہیں

میں بازار معاصی کی ایک جنس ہوں اور مجھے کوئی سوائے تیرے قبول نہیں کر سکتا اور میں قطعاً ناکارہ ہوں ۔

شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب ‏ ہے ترے حوصلہ فضل پہ از بسکہ یقیں

چونکہ اسد اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تو کریم ہے اسواسطے اپنے مطالب کے عرض کرنے میں وہ نہایت شوخ اور بے باک ہے ۔ اور گستاخی سے اپنی تمناؤں کے پورے ہونیکا متمنی ہے ۔

دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول ‏ کہ اجابت کہے ہر لفظ پہ سو بار آمیں

تو میری دعا کو ایسا حسن قبول کا رتبہ عطا کر کہ میں دعا مانگوں اور قبول ہر بار آمیں کہے

غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز ‏ کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں

غم حضرت شبیر یہاں تک میرے سینہ میں بھر جائے کہ ہر وقت ان سے خون ٹپکے گویا دل و جگر ساغر لبریز ہوں اور آنکھوں کی راہ سے چھلکتے رہیں ۔

طبع کو الفت دُلدل میں یہ سرگرمی شوق
کہ جہاںتک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے زبیں

میری طبیعت کو دلدل کی محبت میں یہ سرگرمی ہو کہ وہ جہاںتک چلے میں وہاں تک سجدہ کروں

دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیں

میرے دل میں نسب الفت بھرا رہے اور میرا سینہ توحید کا میدان ہو یعنی اسمیں توحید ہی توحید ہو میری نگاہ مئے جلوۂ خیالی سے سرشار رہے اور میرے نفس میں صدق و صفار ہے پہلے مصرع کی دونوں ترکیبوں کو نظم صاحب نے مہمل لکھدیا ہے لیکن نہیں لکھا کہ کیوں؟- لہذا کیا لکھیں

صرف اعدا اثر شعلۂ و دود دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

دشمنوں کے لیے دود دوزخ صرف ہوا اور دوستوں کو بہشت وقف ہو۔ دوزخ کے دھوئیں کے مقابلہ میں سنبل لایا گیا ہے اور یہ مشابہت نہایت خوب ہے۔

ہاں مہ نو سنیں ہم اسکا نام
جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اے ماہ نو ذرا اُسکا نام ہمیں بھی تو بتا جسکو تو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے یہ ہلال عید سے مراد ہے۔

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح
یہی انداز اور یہی اندام

چھبیسویں تاریخ رمضاں کو روزہ دار چاند کو ڈھونڈتے ہیں اگر چھبیس کو دکھائی دیا تو خیال ہوتا ہے کہ انتیس کا چاند ہوگا۔ پھر ستائیسویں کو بھی دیکھتے ہیں اگر تو یقین کیا جاتا ہے کہ ۳۰ تاریخ کو ہوگا۔ یعنی تو دو دن اسی صورت سے دکھائی دیا ہے۔

بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردش ایام

دو دن تو تو دکھائی دیا مگر دو روز کہاں غائب رہا مگر ٹھیک ہے تیری خطا نہیں تو گردش

کا بندہ ہے اور اس سے عاجز و مجبور ہے۔

مجھے دو تین دوسرے شعرا کی بھی وہ تمثیلیں یاد آئیں جو انھوں نے چاند کے لئے لکھی ہیں مناسب موقع لکھتا ہوں۔

عبد الواسع بلوی: بر میں اندر رکوع آں پارہ نور — بلاش گوئے خواہی خواہ ذوالنول

سلطان ساوجی: زورق زریں کہ در گرداب ایں دریا نیل — غرق شد چوں ازاں بر روئے دریا دید آمد

نظام استرآبادی: بچشم اہل خرد زورقی پر از نیل است — در آب غرق شود زرد زورق پر بار

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا — آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

تو گردش ایام کا بندہ اور اس سے مجبور ہے آسمان نے تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس سے تو باہر نہ آسکا۔

مرحبا اے سرور خاص خواص — حبذا اے نشاط عام عوام

اے باعث سرور خاص و عام مرحبا مرحبا۔

عذر میں تین دن نہ آنے کے — لیکے آیا ہے عید کا پیغام

آنے کے دن کو بھی شامل کر لیا ہے ہے۔ یعنی اس تین دن کے نہ آنیکا بدل تو نے اس صورت سے کیا ہے کہ آیا تو عید کا پیغام لیکر آیا۔

اوسکو بھولا نہ چاہیے کہنا — صبح جو جائے اور آئے شام

یہ ایک محاورہ ہے اور اسے اس موقع پر کہ تو صبح کو غائب ہوا شام کے وقت نکلا مصنف نے ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ یہی شعر سو قصیدوں کا لطف رکھتا ہے۔

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا — ترا آغاز اور ترا انجام

ایک میں کیا ہوں سب تیرے انجام اور آغاز کو سمجھ چکے ہیں کہ ہلال بلکہ کے معنے میں ہے یعنی تو گھٹ کر فنا ہو گیا تھا اور اب پھر آب و تاب کے ساتھ نکلا ہے۔

راز دل مجھسے کیوں چھپاتا ہے مجھکو سمجھا ہی کیا کہیں نمّام

تو اپنے دل کا بھید شاید مجھے اس لئے نہیں بتاتا ہے کہ مجھے تو نے غالبًا چغل خور سمجھا ہے

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک ہی ہی اُمید گاہ عوام

یہ مجھے معلوم ہے کہ دنیا میں آج ایک ہی جگہ ہے جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں۔

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش غالب اوسکا مگر نہیں ہی غلام

میں جانتا اور مانتا ہوں کہ تو اُس در کا حلقہ بگوش غلام ہے مگر کیا غالب اوسکا غلام نہیں ہے۔ حلقہ بگوش غلام ہلال کے لئے ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کہا ہے بطرز استفہام

یعنی میں نے جو یہ کہا ہے کہ غالب اوس کا مگر نہیں ہے غلام یہ استفہام اقرار ی واستخباری ہے تو یہ اسوجہ سے میں نے کہا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تو یہ جانتا ہے کہ مین بھی اوسیکا غلام ہوں۔

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

اگرچہ آفتاب تاباں کو اس در کی شرف ملازمت کا روز فخر حاصل ہوتا ہے۔

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا جز بہ تقریب عید ماہ صیام

مگر تجھے روشناسی اور باریابی کا یہی ایک عید الفطر پر موقع ملتا ہے۔

جانتا ہوں کہ اُسکے فیض سے تو پھر بنا چاہتا ہی ماہ تمام

مجھے یہ معلوم ہے کہ تو اُسکے فیض سے اب پھر بدر بنے گا۔

ماہ بن ماہتاب بن میں کون　　مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

اچھا جو چاہے بن ہمیں کیا ہم کون ہیں کوئی تو اپنا انعام ہمیں تھوڑا ہی دیدے گا
یہ شعر بھی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے　　اور کے لین دین سے کیا کام

میرا معاملہ اور ہے مجھے دوسروں کے انعام کی کیا پرواہ ہے کوئی محروم تھوڑی ہوں
کہ پرواہ کروں۔

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص　　گر تجھے ہے امید رحمت عام

تو رحمت اور کرم عام پر پھولا ہوا ہے مگر مجھے بھی ایسی بخشش کی امید اور آرزو ہے
جو خاص میرے لئے ہے اور ایسا فیض تو جیسا تجھے پہونچے گا ہزاروں کو پہونچتا ہے۔

جو کہ بخشے گا تجھکو فرّ فروغ　　کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام

جو تجھے چاندنی کے لائق کرے گا وہ مجھے اس چاندنی کا لطف اٹھانے کے لئے شراب
نہ دیگا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جب کہ چودہ منازل فلکی　　کر چکی قطع تیری تیزئی گام

جب تو چودہ منزلیں طے کر چکے یعنی چودھویں کا چاند بنجائے۔ اور۔

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر　　کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام

اور تیری چاندنی ہر گلی کوچہ اور در و دیوار صحن و بام پر پھیل جائے۔

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز　　اپنی صورت کا اک بلوریں جام

پھر میرے ہاتھ میں ایک ساغر بلوریں شراب سے بھرا ہوا دیکھنا۔

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا　　توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

میرے توسن طبع کے لئے ذکر شراب وجام ایک چابک بن گیا اور پھر غزل کے راستہ پر چلدیا۔

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام　　تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام

یعنی میں آپ ہی مر رہا تھا معشوق نے کیوں مجھے مارا اور ناحق بدنام ہوا۔

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں　　غم سے جب ہو گئی ہے زیست حرام

ہماری زندگی ہی جب غم نے حرام کر دی ہے تو پھر اب شراب پینے میں کیا حرج ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ سو یہاں زندگی حرام ہے۔
یا یہ کہ شراب کیونکر نہ پیوں اوس سے کم از کم غم تراشی تو ہوتی ہے۔

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے　　کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

بوسے میں درگذرا صرف یہ چاہتا ہوں کہ انہیں اُس لذت کی خبر نہو جو مجھے گالیاں کھانے میں ملتی ہے۔ ورنہ پھر وہ گالیاں بھی نہ دینگے۔

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس　　اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

ہمارا کچھ قیام نہیں ہے ہم کوئی مذہب نہیں رکھتے ہیں اب دیر میں احرام باندھا ہے جو یہاں کے خلاف ہے کل کعبہ میں جلینگے وہاں ناقوس بجائینگے جو وہاں کے خلاف ہوگا۔

اُس قدح کا ہے دور مجھکو نقد　　چرخ نے جس سے لی ہے گردشِ دام

مجھے اُس جام کا دور مفت ملتا ہے جس سے چرخ کو گردش تک قرض ملی ہے یعنی آسمان جس جام کے لئے گردش میں رہے وہ مجھے مفت ملتی ہے۔

بوسہ دینے میں انکو ہے انکار دل کے لینے میں جنکو تھا ابرام

جنھوں نے ضد کر کے مجھ سے دل لیا تھا وہ مجھے بوسہ دینے میں انکار کرتے ہیں۔

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

میں نے چھیڑنے کو اپنا نام غالب رکھا ہے تاکہ اُن کو اس نام پر غصہ آئے۔

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ اے پری چہرہ پیک تیز خرام

اے چاند میں تو سب کچھ کہہ چکا اب تو کچھ کہہ بوجہ حسن کے پری اور بوجہ گردش کے چاند کو پیک تیز خرام کہا گیا۔

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ہیں مہ و مہر زہرہ و بہرام

تو مجھے یہ بتا کہ وہ کون ہے جسکے در پر چاند سورج زہرہ مریخ سب ادب سے سجدے کرتے ہیں

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن نام شاہنشہ بلند مقام

اے اگر تو نہیں جانتا تو اُس بادشاہ عالی مقام کا میں نام بتاتا ہوں۔

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ مظہر ذوالجلال والاکرام

میری آنکھ اور دل کا وہ قبلہ ہے اس لئے کہ وہ مظہر جلال واکرام ہے میری آنکھ کی امیدیں اوسی سے وابستہ ہیں اور میرے دل کا وہی مرجع ہے

شہسوار طریقۂ انصاف نوبہار حدیقۂ اسلام

طریق انصاف کا وہ شہسوار اور باغ اسلام کی تازہ بہار ہے۔

جسکا ہر فعل صورت اعجاز جس کا ہر قول معنی الہام

جسکا ہر فعل معجزہ اور ہر قول الہام معلوم ہوتا ہے۔

بزم میں میزبان قیصر و جم　　　رزم میں اُوستادِ رستم و سام

قیصر و جم اوسکے مہمان اور وہ میزبان ہے یا اوسکی بزم آرائی ہے اور رزم و معرکہ میں رستم پہلتن اور سام زیمان کا اُستاد ہے۔

اے ترا لطف زندگی افزا　　　اے ترا عہد فرخی فرجام

یہاں سے مدح سے خطاب کی طرف گریز کیا ہے۔ یعنی اے وہ شخص کہ تیری مہربانی سے زندگی بڑھتی ہے اور تیرا زمانہ ایک مبارک زمانہ ہے۔

چشم بد دور خسروانہ شکوہ　　　لوحش اللہ عارفانہ کلام

تیری سیاست شاہانہ ہے اور ماشاء اللہ تیرا کلام عارفانہ کلام ہے۔

جان نثاروں میں تیرے قیصر روم　　　جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام

قیصر روم ایسے عالی مرتبت تیری جان نثاروں میں ہیں اور مولانا جامی ایسے تصوف اور معرفت میں تجھسے فیض حاصل کرتے ہیں

وارث ملک جانتے ہیں تجھے　　　ایرج و تور و خسرو و بہرام

ایرج اور تور اور خسرو اور بہرام جو بڑے عالیشان بادشاہ ہوگذرے ہیں تجھے تخت و تاج کا صحیح وارث سمجھتے ہیں۔

زور بازو میں مانتے ہیں تجھے　　　گیو و گودرز و بیژن و رہام

گیو گودرز بیژن اور رہام جیسے پہلتن پہلوان تیرے زور بازو کو مانتے ہیں اور اُسکے قایل ہیں۔

مرحبا موشگافیٔ ناوک　　　آفریں آبداری صمصام

تیرے ناوک کی موشگافی کا کیا کہنا اور تیری تیغ کی ابداری کی کیا بات ہے۔

تیر کو تیرے تیر غیر ہدف　　　تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

تیرا تیر غیر کے تیر کو بیندہ کر گذر جاتا ہے اور تیری تلوار دشمن کی تلوار کو کاٹ دیتی ہے یہ لف دلنشر مرتب بھی ہے۔

رعد کا کر رہی ہی کیا دم بند　　برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیل گران جسد کی صدا　　تیرے رخش سبک عناں کا خرام

تیرے تناور اور بڑے ہاتھی کی آواز نے رعد کا دم بند کر رکھا ہے اور تیرے گھوڑے کی چال برق کو آہستہ چلنے کا الزام دے رہی ہے۔ لف دلنشر مرتب ہے اور اس انداز بیان کی تعریف غیر ممکن ہے۔

فن صورت گری میں تیرا گرز　　گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
اسکے مضروب کے سر و تن سے　　کیوں نمایاں ہو صورت ادغام

اگر تیرا گرز گراں فن تصویر کشی میں قدرت نہیں رکھتا تو کیا وجہ ہے کہ اسکے مضروب کے سر و جسم سے صورت ادغام ظاہر ہونے لگتی ہے۔ دونوں شعر دست وگریباں ہیں

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے　　صفحہا ئے لیالی و ایام

جب ازل میں دن رات کے صفحہ مرتب ہوئے جب دن رات پیدا کئے گئے یعنی جب دنیا پیدا ہوئی۔

اور ان اوراق میں بہ کلک قضا　　مجملاً مندرج ہوئے احکام

اور ان صفحوں میں بطریق مجمل کلک قضا نے احکام لکھے۔

لکھدیا شاہدوں کو عاشق کش　　لکھدیا عاشقوں کو دشمن کام

معشوقوں کے لئے یہ حکم لکھا گیا کہ یہ عاشقوں کا خون کیا کرینگے۔ اور عاشقوں کی

تقدیر میں یہ رقم ہوا کہ انکی زندگی نصیب دشمناں ہوگی۔

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں — گنبدِ تیز گردِ نیلی فام

آسمان کو یہ حکم ہوا کہ اسکو سب گنبد تیز گرد نیلی فام کہیں گے۔

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں — خال کو دانہ اور زلف کو دام

یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھیں گے۔

آتش و آب و باد و خاک نے لی — وضع سوز و نم و رم و آرام

آگ کو جلنے اور پانی کو نمی اور خاک کو آرام اور ہوا کو رم کی خاصیتیں عطا ہوئیں۔

مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز — ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام

آفتاب کو خسرو روز اور ماہ تاباں کو شحنہ شام کا خطاب دیا گیا۔

تیری توقیع سلطنت کو بھی — دی بدستور صورتِ ارقام

حسب دستور تیرے فرمان سلطنت کے لئے بھی حکم لکھا گیا۔

کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم — اُس رقم کو دیا طرازِ دوام

کاتب قضا نے بموجب حکم کاتب تقدیر یا قاسم ازل اُس پر ہمیشگی کا طغرا بنا دیا۔ کہ یہ دائمی رہیگی۔

ہے ازل سے روانیِ آغاز — ہو ابد تک رسائیِ انجام

یہ ازل سے جاری ہے اور خدا کرے کہ ابد تک اسکے انجام کی رسائی ہو۔

مصنف کا یہ قصیدہ زبان تمہید تشبیب وغیرہ کے لحاظ سے ایسا ہے کہ اسکے معاصرین میں کسی کے یہاں شاید نہ نکلے گا۔ اردو شاعری کے لئے مایہ ناز اور خلعت فخر مصنف کیلئے

صبحدم دروازۂ خاور کھلا   مہر عالمتاب کا منظر کھلا

صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کھلا یعنی صبح ہوئی - اور جہاں سے سورج نکلتا ہے وہ منظر صاف ہوگیا -

خسروِ انجم کے آیا صرف میں   شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

رات کو موتیوں کا خزانہ کھلا ہوا تھا یعنی ستارے نکل رہے تھے اُدن کو سلطان خاور یعنی آفتاب نے خرچ کرڈالا - یعنی ستارے چھپ گئے -

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود   صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا

صبح کو یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ وہ مہ و اختر جو رات کو آسمانیر معلوم ہوتے تھے دراصل کچھ نہ تھے اک سیمیائی نمود تھی سیمیا ایک فن ہے جس سے کچھ چیزیں جنکا وجود کچھ نہو نظر آنے لگیں - اور وہ شکلیں عجیب و غریب ہوں -

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ   دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

یہ ستارے اصل میں تو کچھ ہیں اور کچھ کے کچھ دکھائی دیتے ہیں - گویا یہ بازیگر ہیں جو کھلا دھوکہ دیتے ہیں یعنی یہ بہت نورانی معلوم ہوتے ہیں مگر اصل میں ایسے نہیں ہیں -

سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو   موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

یعنی رات سطح آسمان پر ان کی چمک دمک ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے موتیوں کا زیور کھلا پڑا ہوتا ہے اور اسکی چمک دمک آدمی کو حیران اور بصارت کو ماند کردیتی ہے -

صبح آیا جانبِ مشرق نظر   اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا

صبح کو ایک معشوق آتشیں رخسار سر کھلا ہوا مشرق کی جانب دکھائی دیا -

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

مگر نہیں وہ ایک دہوکہ ہوا اور ہمنے سمجھ لیا کہ یہ کوئی معشوق نہیں ہے یہاں جادو کا کارخانہ ہے لہذا کچھ اسمائے ردِ سحر پڑھے تو وہ صورت بدلی اور معلوم ہوا کہ یہ شراب سرخ کا بھرا ہوا پیالہ ہے۔

لاکے ساقی نے صبوحی کے لئے — رکھدیا ہی ایک جام زر کھلا

صبوحی وہ شراب جو دفع خمار کے لیئے صبح کو پیتے ہیں یعنی ساقی نے صبوحی کے لئے ایک جام زر شراب سے بھر کر رکھدیا ہے گویا یہ تیسرا دہوکہ ہوا پہلے معشوق آتشین رخسار دوسری بار ساغر پر از بادہ سرخ تیسری بار ساغر زر۔

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

یعنی جب صبح ہوئی تو بزم سلطانی آراستہ ہوئی اور دربار شاہی کا دروازہ کھل گیا۔

تاج زریں مہر تاباں سے سوا — خسرو آفاق کے منھ پر کھلا

شاہ جمجاہ کے سر پر تاج نے ایسی زینت دی کہ آفتاب عالمتاب بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا

شاہ روشندل بہادر شہ کہ ہی — راز ہستی اسپہ سر تا سر کھلا

اور وہ بادشاہ کون ہے شاہ روشندل بہادر شاہ جسکے ضمیر روشن پر اسرار جہاں کھلے ہوئے ہیں۔

وہ کہ جسکی صورت تکوین میں — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جسکے پیدا ہونے کے سبب سے نو آسمانوں اور ساتوں ستاروں کے پیدا ہونے کا مطلب ظاہر ہو گیا یعنی یہ سب اسی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

اسمیں بھی فارسی ترکیب میں اعلان نون ہے مصنف کے عندیہ میں یہ جایز ہی

اور غالباً زمانۂ غالب تک اس سے بہت کم لوگ پرہیز کرتے تھے اسی لئے مصنف نے بھی کئی جگہ بے پروائی کے ساتھ لکھا ہے چونکہ نظم صاحب نے جابجا لکھا ہے کہ ناجائز ہے لہذا ہم اپنے قول کی تائید میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں اتفاق سے پہلے شعر میں دو باتیں جن دو نو پر نظم صاحب کے اعتراض ہیں ایک اعلان نون۔

دوسرے تسبیر جنکی نسبت مولانا نے لکھا ہے کہ کسی کے کلام مین نہیں دیکھا گیا۔

جرأت کیا لڑکپن کا ہی عالم اُس بُت نادان کا — بھولی بھولی صورت اور تسبیرہ بالا کان کا
دبیر صاحب دین محب شہ دلگیر ہے یہ — روح حیدر کی قسم عاشق تسبیر ہے یہ
انشا اللہ مراد شمن ہے اجی اسپہ نہ کھینچیے — گرد یجیئے کسی مرد مسلماں پہ چھٹی
انشا انشا کو معافی ہوئی ہے باغ جناں کی — حاضر ہے یہ لیجئے شہ مردان کی چھٹی
ظفر نہیں عشق عزیزوں سے سرخرو ہر گز — ہوئے ہیں ایسے لہو زیر آسمان سفید
ظفر روز گھر غیروں کے رہنا تجھے ہمان طریق — یہ بھی کوئی ہے بھلا اے بُت نادان طریق
وفا کاہن تمام تابع فرمان ہو گئے — دفتر منجموں کے پریشان ہو گئے
قلندر ذوق مے نوشی رگلشن ہی نجانوں کسکو — کف سیمین میں نرگس کے طلائی ہے ایاغ

وہ کہ جسکے ناخن تاویل سے — عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

احکام گویا عقدے ہیں اور اون کی تاویل ناخن ہیں۔ گویا اُنھوں نے احکام رسول کی تفسیریں کی ہیں۔

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اُسکے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

دارا باوجودیکہ بڑا بادشاہ تھا۔ مگر اُسکے سپاہیوں کی فہرست میں پہلے دارا ہی کا نام لکھا ہوا ہے۔

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

اسکے روشناسوں کی فہرست میں قیصر کا نام بھی ہے۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ دونوں شعروں میں دارا و قیصر کی تخصیص بیجا ہے۔ معلوم نہیں اسکی میں

کیا قباحت ہے اگر ایک نکرہ اور ایک معرفہ لکھا تو کیا گناہ مراد مبالغہ جاہ وحشم سے ہے سود ہ ہر حال میں موجود ہے۔

توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب تو کہے بتخانۂ آذر کھلا

بادشاہ کے گھوڑے میں یہ خوبی ہے کہ جب وہ تھان سے کھلا اور سرگرم خرام ہوا تو اُس کے نقش پا سے ایسی ایسی دلفریب صورتیں بنیں گویا بت خانہ آذر کھل گیا۔

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے منصب مہر ومہ و محور کھلا

بادشاہ کے تربیت کے فیض سے مجھے سورج چاند محور وغیرہ کا حال معلوم ہو گیا۔ اور ان کے حقائق تک میں پہونچ سکا محور ایک لکیر ہے کہ قطبیں کے کرہ کے درمیان میں ہے۔

لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک میری حد وسع سے باہر کھلا

دل میں لاکھ عقدے تھے اور ہر ایک اُنمیں سے ایسا تھا کہ میرے کھولے کھل نہ سکتا تھا مگر اوسکے فیض سے ہر ایک کھل گیا۔

تھا دل وابستہ قفل بے کلید کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

میرا دل ایک قفل بے کلید تھا۔ مگر اب وہ کھل گیا نہیں معلوم کسنے کھولا ہے اور یہ کب اور کیونکر کھلا۔

باغ معنی کی دکھادوں گا بہار مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا

اگر حضور پر نور نے مجھ سے بے تکلفی کا برتاؤ کیا تو میں باغ معنی کی بہار اور شاعری کا لطف دکھادوں گا۔

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

جس وقت میں غزل پڑھنی شروع کروں گا تو لوگوں کو گمان ہوگا کہ کہیں عنبر کا ڈبہ کھلا ہے
نفس سانس کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یعنی اُس نفس غزلخواں سے خوشبوئیں نکلیں گی۔

بحر (غزل)

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

بلکہ گوشۂ قفس میں اس طرح سے پر کھلا ہوا بیٹھا رہوں کاش پر کھلے تھے تو قفس کا دروازہ
بھی کھلا ہوتا ورنہ اس حالت میں یہ کھلے ہوئے پر اور ستم کرتے ہیں۔

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے یار کا دروازہ پاویں گر کھلا

اس شعر سے دو معنی نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ مصنف کہتا ہے۔ یار کا دروازہ کھلا ہوا دیکھکر
جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یوں تو گویا ہر ایک آدمی جا سکتا ہے نہیں لطف تو جب ہے کہ دوسرے کے
بند رہے اگر کھلے تو صرف ہمارے واسطے کھلے۔

دوسرے یہ کہ ہمکو اتنی تاب کہاں ہے کہ ہم دروازہ پر دستک دیں تب دروازہ کھلے
یوں وہاں کون جائے ہم تو اس صورت سے جا سکتے ہیں کہ دروازہ کھلا ہوا پائیں۔

ہمکو ہے اس رازداری پر گھمنڈ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

ہم بھی کیا سادہ لوح ہیں اتنی سی رازداری پر ہمکو ناز ہے کہ دشمن پر دوست کا راز
کھلا ہوا ہے یعنی، ہم کسی سے نہیں کہتے اور اس سے خوش ہیں۔

واقعی دلبر بھلا لگتا تھا داغ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

داغ دلبر واقعی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب داغ نہیں ہے اب زخم ہے اور یہ اس سے
بھی بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بہت خوب شعر کہا۔ ہے حسن ردیف قابل دید ہے۔

ہاتھ سے رکھدی کب ابرونے کمان کب کمر سے غمزہ خنجر کھلا

یعنی اوسکی ابرو کمان ہی نہیں ہے بلکہ کماندار اور غمزہ خنجر ہی نہیں خنجر گداز ہے اور کبھی ان دونوں نے اپنے کام سے غفلت نہیں کی۔

مفت کا کسکو بُرا ہے بدرقہ   رہبری میں پردۂ رہبر کھلا

یعنی رہبر کی ناواقفی کا حال ہمپر کھل گیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ ہماری منزل تک ہمکو نہیں پہونچا سکتا مگر مفت کا ساتھی کیا بُرا ہے۔

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک   آگ بھڑکی منھ اگر دم بھر کھلا

بارانِ اشک کچھ نہ کچھ دلمیں ٹھنڈک پیدا ضرور کرتا ہے مگر اسکو کیا کرے کہ دم بھر بھی منھ کھلتا ہے تو سوزِ دل سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

نامہ کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ   رہگیا خط میری چھاتی پر کھلا

کیا حسرت کا نقشہ کھینچا ہے کہ جسکی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ یعنی ہزاروں آرزوں اور لاکھوں تمناؤں کے بعد خط آیا مگر ساتھ ساتھ پیغامِ مرگ بھی آگیا اور خط پڑھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے اور خط چھاتی پر کھلا رہ گیا۔

دیکھیو غالبؔ سے گر الجھا کوئی   ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

دیکھنا غالبؔ سے کوئی الجھ نہ بیٹھنا وہ ظاہر میں تو کافر ہے مگر دراصل ولی ہے۔ اور یہ دونوں صفات اوسمیں موجود ہیں پوشیدہ اور ظاہر میں خاص لطف ہے۔

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال   پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

یعنی غزل لکھنے کے بعد مدح کا خیال آیا اور اشعار تاباں مثل مہ و خورشید میرے قلم سے نکلے۔

خامہ نے پائی طبیعت سے مدد   بادباں بھی اُٹھتے ہی لنگر کھلا

ادہر قلم اُٹھا یا اُدہر طبیعت نے اوسکی مدد کی جیسے بادبان اٹھتے ہی لنگر کھولدیا جو کہ کشتی میں بھی روانی ہوتی ہے اور طبیعت میں بھی روانی پائی جاتی ہے لہذا یہ الفاظ جمع کئے گئے

مِہ سے ممدوح کے دیکھے شکوہ یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

جیسے عرض بغیر جوہر کے نہیں پایا جاتا ایسے ہی بغیر ممدوح مہ نہیں پائی جاتی کتا ہے کہ عرض جوہر سے زینت پذیر ہوتا ہے لیکن مہ نے ممدوح کے شکوہ کو بڑہا دیا گویا عرض جوہر سے بڑھ گیا۔

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا بادشہ کا رایت لشکر کھلا

بادشاہ کا یہ رعب داب ہے کہ اسکے رایت لشکر کو دیکھ کر سورج کانپ اُٹھا اور آسمان چکر کھا گیا۔

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب اب علوئے پایۂ منبر کھلا

یعنے منبر کے رتبہ کا یہ سبب ہے کہ خطیب بادشاہ کا خطبہ پڑہنے کی حالت میں اوس پر کھڑا ہو کر بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

سکّہ شہ کا ہوا ہے روشناس اب عیار آبروئے زر کھلا

جو زر پر بادشاہ کا سکہ ہے یہ اوسکی آبرو کا سبب ہے لفظ عیار ایک نگینہ ہے اور روشناس ایک موتی قدرداں جوہری سمجھ سکتے ہیں۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ اب آل سعی اسکندر کھلا

سکندر نے جو آئینہ کی ایجاد میں زحمت اٹھائی تھی اوسکا نتیجہ اب معلوم ہوا ہے کہ اوس آئینہ کو بادشاہ دیکھتے ہیں۔

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے اب فریب طغرل و سنجر کھلا

طغرل اور سنجر نے فریب سے بادشاہت کی تھی ورنہ در اصل وارث تخت و تاج میرا

ممدوح ہے یہ نہیں بتقاب سب کو انکا فریب معلوم ہوگیا۔

ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے دفتر مدح جہاں داور کھلا

مجھسے اوسکی مدح کیا ہوسکتی ہے۔ دفتر مدح جہاں داور خالی ایک نام ہے کھلا اس میں محض کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے جو اگر چہ بعض جگہ بولتے ہیں مگر کچھ غیر مانوس سا ہے

فکر اچھی پر ستایش ناتمام عجز اعجاز سخن گستر کھلا

فکر مدح گستری میں اگرچہ سخنور نے اعجاز سے کام لیا۔ مگر اوسکی مدح بے پایاں ہے پھر بھی ناتمام رہی۔

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل تمہپہ اے خاقان نام آور کھلا

مجھے یہ معلوم ہو کہ اسے خاقان نام آور تمھیں تحریر لوح ازل کا حال سربسر معلوم ہے لہذا مجھے عرض حال کی ضرورت نہیں ہے۔

تم کرو صاحبقرانی جب تلک ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

آپ تاقیامت صاحب قران رہیں صاحبقران بادشاہ عظیم الشان فاتح جلیل سے مراد ہے۔ اور اصطلاح اہل نجوم میں اُسکو صاحبقران کہتے ہیں کہ جسکی سال ولادت میں زحل و مشتری کا قران عظمےٰ ہوا ہو واضح ہو کہ ایسا قران مدتوں میں واقع ہوتا ہے اور جسکی ولادت کے وقت زہرہ اور مشتری کا قران ہوتا ہے وہ صاحبقران بادشاہ ہوتا ہے۔

درصفت انبہ

ہاں دل درد مند زمزمہ ساز کیوں نہ کھولے در خزانہ راز

ہاں دل درد مند زمزمہ ساز تو خزانہ راز کا دروازہ کیوں نہیں کھولتا۔ نظم صاحب لکھاہے کہ تو حذف کردیا ہے گر یہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس طرح

زیادہ بولتے ہیں کہ یہ کام کیوں نہ کرے اور تو کے ساتھ کم۔

خامہ کا صفحہ پہ رواں ہونا　　شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا

خامہ جو صفحہ پر چلتا ہے اور اس سے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ گویا شاخ گل ہے جس سے پھول جھڑتے ہیں۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہی کیا لکھیئے　　نکتہائے خرد فزا لکھیئے

ایل تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا لکھوں۔ کچھ خرد افزا نکتے لکھ۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے　　خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے

کچھ ایسے مضامین لکھ جس میں آموں کا بیان ہو اور اس بیان شیریں کے اثر سے خامہ سے بھی شیریں مضامین نکلنے لگیں۔

آم کا کون مرد میداں ہے　　ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے

مگر آم کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ ورنہ "ہمیں گو دہمیں چوگاں" جو چاہے آئے مقابلہ کرے ثمر گو گو۔ اور شراح کو چوگاں سے تشبیہ دی ہے۔

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں　　آئے یہ گوئے اور یہ چوگاں

تاک اپنے دل مین ارماں کیوں رکھے آئے اور مقابلہ کرے تاک بمعنے انگور کی بیل۔

آم کے آگے پیش جائے خاک　　پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

مگر تاک کیا آم کا مقابلہ کر سکتا ہے اور کیا اس کا بس چل سکتا ہے۔ اسی سے جلکر اسکے دل میں پھپھولے پڑ گئے ہیں انگور کی تشبیہ پھپھولوں سے تشبیہ تام اور بمثل ہے ممکن ہے کہ اردو شاعری میں اسکا جواب نہ ملیگی۔

نہ چلا جب کسی طرح مقدور بادۂ ناب بن گیا انگور

جب اور کسی طرح اس کا بس نہ چلا تو واسطے اپنے جلے پھپھولے اسطرح پھوڑے کہ شراب بن گیا۔

یہ بھی ناچارجی کا کھونا ہے شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مگر یہ مقابلہ بھی کوئی مقابلہ ہے یہ تو مجبوری درجہ اپنی جان کھو دینا۔ اور شرم سے پانی ہو جاتا ہے سبحان اللہ سبحان اللہ کے سوائے ان کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نظر صاحب نے گنے کو آم سے مقابلہ کرنا۔ ایک ذلیل مضمون لکھا ہے۔ اور صرف اسکی وجہ اور باعث اگلے شعر کے مضمون کو لکھا ہے مگر اسکا سبب یہ نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ وجہ یہ ہے کہ عوام اور دوسرے ملک کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہندوستاں میں دو میوے یا دو چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو نہیں ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہوتیں۔ ایک آم۔ دوسرے گنا۔ گنے کے ذکر کی یہی وجہ مصنف کے ذہن میں تھی جیسا کہ سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے کہ کہتا ہے تم کیا جانو گنے اور آم کا کیا مقابلہ مجھ سے سنو۔

نہ گل اسمیں نہ شاخ و برگ و بار جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار

گنے میں نہ پھول نہ پتے نہ ہری ہری شاخیں نہ پھل۔ اور اسیطرح یہ کہ دنیا بھر میں خزاں ہوتی ہے اور اسکی بہار۔ موسم سرما میں گنے کی بہار ہوتی ہے اور وہ خزاں کا زمانہ ہے۔

اور دوڑائیے قیاس کہاں جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

اور اسکی تعریف کے لئے کیا کہا جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ جان اگرچہ شیریں ہے مگر اسمیں بھی یہ مٹھاس نہیں ہے۔

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی   کوہکن باوجود غمگینی

اگر جانِ شیریں میں یہ مٹھاس ہوتی تو کوہکن باوجود اسکے کہ غم میں تھا اور حالت غمگینی میں جان دینا آسان ہے۔

جان دینے میں اسکو یکتا جان   پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اوس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ کوہکن جان دینے سے انجان تھا۔ نہیں جان دینے میں تو وہ یکتا اور بےمثل تھا۔ مگر پھر بھی اس شیرینی کے لالچ سے اسس آسانی سے جان نہ دے سکتا۔ (جان دینے میں اوسکو یکتا جان) یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر   کہ دواخانۂ ازل میں مگر

مجھے اس ثمر کی نسبت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ازل کے دواخانہ میں۔ یہ ایک شربت بنایا گیا ہے۔

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام   شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

اور اس شربت کو آتش گل کی آنچ دی گئی ہے اور قوام میں جو تار بندھا ہے اوس کا نام ریشہ رکھا گیا ہے۔

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے   باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے بحکم رب الناس   بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس

یا یہ ہوگا کہ بحکم خدائے عزوجل باغبانانِ جنت نے جنت سے یہ شہد کے گلاس بھر کر دنیا میں بھیجے ہیں اور انپر مہر لگا دی ہے جو ڈنٹھل سے مراد ہے۔

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات   مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

یا یہ بھی نہو یوں ہو کہ خضر نے شاخ لگائی ہو اور مدتوں اُس کو آب حیات دیا ہو۔

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل　　ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

جب اسقدر محنت کی گئی تب کہیں یہ درخت پھل لایا ہے ورنہ بھلا ہمارا یہ منھ تھا کہ ہم یہ درخت لگاتے۔ اور پھل کھاتے۔ نخل عام درختوں کو کہتے ہیں۔

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس　　رنگ کا زرد پر کہاں بو باس

خسرو پرویز کے پاس ایک ترنج زر تھا رنگ میں وہ زرد تو ضرور تھا مگر اس میں بوباس نہ تھی۔

آم کو دیکھتا اگر اکبار　　پھینک دیتا طلائے دست افشار

اگر خسرو آم کو دیکھ لیتا تو اُس ترنج کو پھینک دیتا۔ طلائے دست افشار خالص سونے کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ ترنج ہاتھ سے دبانے سے دب جاتا تھا اسی واسطے اوسکو طلائے دست افشار کہا گیا ہے۔

رونق کارگاہ برگ و نوا　　نازش دودمان آب وہوا

کارگاہ برگ و نوا سے مراد درخت ہے۔ یعنی درختوں کی رونق۔ اور خاندان آب وہوا کے لئے مایہ ناز آب وہوا سے فصل بہار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا (دودمان آب وہوا) باغ۔

رہرو راہ خلد کا توشہ　　طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

چونکہ ایک جگہ آم کو شہد جنت کہہ چکے ہیں اسواسطے رہرو راہ خلد کا توشہ کہا گیا۔ ایک حدیث ہی کہ جس پیٹ میں کلونجی اور شہد جائینگے اوسمیں آگ دوزخ کی نہ پہونچے گی۔ اسی لئے نزع کی حالت میں شہد چٹاتے ہیں۔ اور اوس کا شربت وغیرہ دیتے ہیں۔ آم کے درخت کو طوبےٰ اور سدرہ کہا ہے۔

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم　　ناز پروردہ بہار ہے آم

درخت آم کا صاحب برگ و بار ہے اور آم بہار کا ناز پروردہ ہے۔

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو　　نوبر نخل باغ سلطاں ہو

اور خاصکر اوس آم کا کیا کہنا جو ہر جگہ دستیاب نہ ہو اور بادشاہی باغ کا ہو۔

وہ کہ ہے والئی ولایت عہد　　عدل سے اُسکے ہے حمایت عہد

اور بادشاہ بھی کون بادشاہ جو بادشاہ ولایت عہد و بیان ہے اور جو زمانہ کا حامی ہے

فخر دین عز شان و جاہ و جلال　　زینت طینت و جمال و کمال

دین کے لئے باعث فخر و شان کے لئے عزت و جاہ و جلال علو پایہ کا نشان طینت کے لئے زینت اور کمال کے لئے خوبصورتی اور جمال ہیں۔

کار فرمائے دین و دولت و بخت　　چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

دین دولت و بخت کا حکمراں تاج اور مسند اور تخت کے لئے زینت بخشنے والا ہے۔

سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے　　خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اوسکا سایہ سایۂ ہما ہے گویا ہر شخص اُسکے زمانہ میں بادشاہ وقت ہے اوسکی مہربانی خدا کی مہربانی ہے کیونکہ وہ ظل اللہ ہے۔

اے مفیض وجود سایہ و نور　　جب تلک ہے نمود سایۂ نور

اے نور اور سایہ کے فیض پہونچانے والے یعنی اے خدا۔ جب تک کہ دنیا میں سایہ اور نور کا وجود ہے۔

اس خداوند بندہ پرور کو وارث گنج وتخت وافسر کو

اوسوقت تک اس آقائے بندہ پرور و غلام نواز وارث تخت وتاج کو۔

شاد ودل شاد وشادماں رکھیو اور غالب پہ مہرباں رکھیو

پہلے مصرعہ میں جو الفاظ ہیں وہ سب ہم معنی ہیں ۔ مگر ذرا اسے تصرف سے لطف پیدا ہو گیا ہے اے خدا اسکو خوش رکھنا اور مجھپر مہرباں رکھنا۔

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

اے وہ بادشاہ کہ تیرا دیکھنا گویا تیرے علو مرتبت کے آسمان کے دیکھنے کے برابر ہے۔ اور تیرا شبہ و نظیر پیدا نہیں ہوا اسے جاندار تیرا شیوہ کرم گستری ہے ۔ اور تو اس میں بے شبہ و عدیل ہے۔

پاؤں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکلیل

تیرے پاؤں سے تخت اپنے سر کو ملتا ہی اور تیرے سر سے تاج کسب سعادت کرتا ہی چونکہ تخت پانوں کے نیچے ہوتا ہی لیے پہلے مصرعہ میں فرق ملنا کہا گیا۔

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام تیری رفتار قلم جنبش بال جبرئیل

تیرے انداز سخن سے زلف الہام میں شانہ ہوتا ہی یعنی الہام کی باتیں کھل جاتی ہیں ۔ تیرے قلم کی جنبش گویا جبرئیل کے پر کی جنبش ہے جس سے الہامی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک جگہ کہا ہے ۔ غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے۔

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذل خلیل

تیرے قرب خداوندی کے دیکھنے سے گویا دنیا نے وہ رتبا جو کلیم اللہ کو خداوند کریم سے تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تیری مہماں نوازی نے دنیا میں مائدۂ خلیل کی حالت پیدا کر دی

بہ سخن اوج دہ مرتبہ معنی و لفظ
بکرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

سخنوری میں تیری یہ کیفیت ہے کہ معنی اور لفظ کا تو نے مرتبہ بلند کر دیا۔ اور کرم میں تیری یہ حالت ہے کہ دریائے نیل اور قلزم کے ماتھے پر بخل کا داغ لگا دیا۔ یا اون کو غلام بنا لیا یعنی اونکا کرم تیرے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے باہر جانا
زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

اس لئے کہ تیرے وقت میں عیش و طرب کی زیادتی اور رنج و الم کی کمی ہو۔ ماہ نے برج ثور کو باہر جانا اور زہرہ نے حوت سے پھر جانا چھوڑ دیا اور وہیں قیام کر لیا۔ اور جب یہ دونوں ستارے ان برجوں میں آتے ہیں عیش و طرب کی زیادتی رہتی ہے

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین
تیری بخشش مری انجاح مقاصد کی کفیل

تیری دانشوری میری غلطیوں کی اصلاح اور تیری بخشش میری ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے تقابل الفاظ سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ قابل داد ہی نہیں ہے بلکہ اظہار کرتا ہے کہ مصنف کو الفاظ پر کسقدر زبردست قدرت حاصل ہے۔

تیرا اقبال ترحّم مرے جینے کی نوید
تیرا انداز تغافل مرے مرنیکی دلیل

تیرا رحم کرنا میرے لئے نوید زندگی اور تیری غفلت مرے مرجانیکی دلیل ہی غفلت سے اپنے حال سے غفلت مراد ہے۔

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو اماں
چرخ کجباز نے چاہا کہ کرے مجھکو ذلیل

میرے مقدر نے چاہا تھا کہ مجھکو امن نہ دے اور آسمان نے میری ذلت کا قصد کر لیا تھا

تیچھے ڈالی ہی سر رشتۂ اوقات میں گانٹھ پہلے ٹھونکی ہی بُن ناخنِ تدبیر میں کیل

یعنی آسمان نے میرے ساتھ وہ دشمنی کرنی شروع کی ہے کہ میرے کسی کام میں گرہ لگا دی ہے پہلے میرے ناخن تدبیر کو بے کار کر دیا ہے کہ میں اسکو کھول نہ سکوں ۔

تپش دم نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم کشش دم نہیں بے ضابطۂ جر ثقیل

میرے دل کی تڑاپ بغیر خوف کے باقی نہیں رہی ہے ۔ میرے دل میں حرکت بغیر خوف عظیم کے ہوتی ہی نہیں اور میرا دم لینا بغیر امداد جر ثقیل مشکل ہے ۔

نظم صاحب نے اسکے معنی یہ لکھے ہیں کہ دل کی تپش خوف عظیم سے خالی نہیں اور سانس کا لینا میرے لیے جر ثقیل سے کم نہیں ۔

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

جیسے لقا کی ڈاڑھی میں موتی پروئے گئے تھے ایسے ہی مرا سینہ معانی کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے اور دنیا کے غموں سے میرا سینہ عمر و عیار کی زنبیل بن گیا ہے ۔

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میری فکر سے اشارات کثیر مترشح ہوتے ہیں اگرچہ میرے قلم نے عبارت کم لکھی ہے اور گویا یہی میری عادت ہی ۔

میرے ابہام پہ ہوتی ہی تصدق توضیح میرے اجمال سے کرتی ہی تراوش تفصیل

میں ایک مبہم بات کہتا ہوں تو توضیح اسپر قربان ہوتی ہے میری مجمل بات سے تفصیل ٹپکتی ہے ۔

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف　　جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

اگر میری حالت اچھی ہوتی تو ابھی جس کام کے لئے تکلیف دی ہے تکلیف نہ دیتا اگر میں پریشان نہ ہوتا تو جلدی نہ کرتا۔

قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر　　کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

اے قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی اور ذرہ پروری میں یہ دیر اور عقدہ کشائی میں اتنی ڈھیل نہ چاہیے۔ عقدہ کشائی میں ڈھیل نہایت ہی اچھا ٹکڑا ہے جو تعریف سے بالا ہے۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری　　کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

اب وہ زمانہ گیا کہ بغیر جانے بوجھے غیروں کی وفاداری کا حال آپ بیان کیا کرتے تھے اور ہم سنکر چپ ہو جاتے تھے۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ　　قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

اب جب غیروں سے بگڑ گئی ہے تو آپ نے ہم سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ مگر یہ شرمندگی فضول ہے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم یہ بھی تو نہ کہیں گے کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشیں　　اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اے ہمنشیں کلکتہ کا تو نے کیا ذکر کیا میرے سینہ میں اک تیر مار دیا اور مجھے یہ باتیں یاد آگئیں۔

وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب　　وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے سبزے اور وہ وہاں کے خود آرا معشوق کہ بس ہائے ہائے۔

صبر آزما وہ اُنکی نگاہیں کہ حف نظر — طاقت ربا وہ اُنکا اشارا کہ ہائے ہائے

ہائے ہائے وہ انکی صبر آزما نگاہیں کہ بس چشم بد دور اور وہ ان کے طاقت ربا اشارے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ — وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے تازے اور شیریں میوے اور وہ وہانکی شرابیں۔ یہ سب سماں اسوقت آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

کلکتہ میں اگرچہ مرزا کا ایک ترکیب فارسی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے جھگڑا بھی ہو گیا تھا جسکی بدولت مرزا نے مثنوی باد مخالف لکھکر اون لوگوں سے دوستانہ معافی مانگی ہے اور اُن لوگوں نے اوس مثنوی کا بھی نام سنکر مذاق اڑایا تھا مگر ان سب حد مو نیبر بھی شاید انھیں کلکتہ سے ایک غیر معمولی محبت ہو گئی تھی فارسی میں بھی کہتے ہیں ؎

خوشا روز و شب کلکتہ و عیش متقبانش — گور نہ جہر دگمنائی بہادر باد تا بالش

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

مرزا نے اس قطعہ کی نسبت اردوئے معلےٰ میں لکھا ہے کہ مولوی کرم حسین میرے ایک دوست تھے انھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھکر مجھ سے کہا کہ اسکی تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر ان کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر رکھی ہوئی ہے لہذا جسقدر اس ڈلی کو اچھا کہیں صحیح ہے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

قلم حیراں ہے کہ اسے کیا لکھے اور زبان سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہے۔

مہر بازوئے عزیزاں گرامی لکھیے — حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیے

اپنے عزیزوں کے خط کی مہر لکھدیں تو بیجا نہیں یا معشوقوں کے بازو کا تعویذ کہدیں۔

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھئے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے

معشوقوں کی مسی بھری پور کہئے یا عاشق کے جگر کا داغ کہئے۔

خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھئے سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

خاتم دست سلیماں کا مشابہ ٹھہرائیے یا سر پستاں پریزاد کہئے۔

اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجئے خال مشکیں رخ دلکش لیلا کہیے

یا قیس کا اختر سوختہ کہئے۔ یا رخ دلکش لیلا کا خال کہئے۔

حجر الاسود دیوار حرم کیجئے فرض نافہ ہوئے بیابان ختن کا کہئے

حجر الاسود وہ پتھر جسے کعبہ میں بوسہ دیتے ہیں لکھئے یا نافہ بیابان ختن کہئے۔

وضع میں اسکو اگر سمجھئے قاف تریاق رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہئے

اگر اسکو ہیئت کذائی ق تریاق کہئے تو رنگ میں مسیحا کا سبزہ نوخیز کہدیجئے سمجھئے کی میم ساکن اچھی نہیں ہے۔

صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز میکدہ میں اسے خشت خم صہبا کہئے

اگر میکدہ میں خشت خم صہبا ہے، تو عبادت خانہ میں مہر نماز ہے۔ یہ عابدوں کی سجدہ گاہ اور وہ مستوں کا سنگ بالش۔ غرض دونوں جگہ برابر رتبہ ہے۔

کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھئے کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہئے

اسے دروازہ خزانہ محبت کا قفل کیوں کہیں اسے نقطہ پرکار تمنا کیوں مانیں

کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجیئے — کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئے

یہ کیا ضرورت ہے کہ اسے گوہر نایاب فرض کریں یا اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیں۔

کیوں اسے تکمہ پیراہن لیلےٰ لکھیئے — کیوں اسے نقش پئے ناقہ سلما کہئے

اسے پیراہن لیلا کا تکمہ کیوں لکھیں اور سلما۔ جو ایک عرب کی معشوقہ تھی اوسکے ناقہ کا نقش قدم کیوں ٹھرائیں۔

بندہ پرور کے کفدست کو دل کیجے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

یہ سب کچھ نہ ٹھرائیے بس بہترین تشبیہ یہ ہے کہ آپ کے کفدست کو دل اور اس چکنی ڈلی کو سویدائے دل کہیں۔

نپوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

حضور نے جو مجھے بیسن کی روغنی روٹی بھیجی ہے اسکے عزو افتخار کو نہ پوچھ اگر بجائے گیہوں کھانے کے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی کھاتے تو بہشت سے باہر نہ نکالے جاتے۔ نہایت ہی خوب قطعہ کہا ہے۔

منظور ہے گزارش احوال واقعی — اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

مرزا جواں بخت جنکی ولیعہدی کے لئے بادشاہ خود کوشاں تھے ہیں موقعہ پر غالب مرحوم نے سہرا لکھکر نذر گزرانا جس کا مقطع یہ تھا۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں — دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

مقطع نے بادشاہ کو شک میں ڈالدیا۔ سمجھے کہ غالب نے ذوق پر چوٹ کی ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق کو سہرا دکھا کر دوسرا سہرا لکھوایا گیا۔ اور اس کے مقطع میں خصوصیت سے

مرزا کی طرف اشارا کیا ہے۔

جسکو دعوے ہو سخن کا یہ سنادی اسکو
دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

مشہور ہوا تو مقطع پر غالب کی بھی نظر پڑی اور یہ قطعہ بطریق معذرت کہکر بھیجا۔ کہ جو واقعہ ہے میں اسکا اظہار کرنا چاہتا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ اپنا حسن طبیعت اور سخنوری کے جوہر دکھانے مقصود ہوں۔

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

میرے باپ دادا ہمیشہ سے اہل سیف ہوئے ہیں مجھے شاعری سے کوئی عزت نہیں ملگئی ہے یا میں اسکو ذریعہ عزت بنانا نہیں چاہتا۔

آزادرو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں آزادرو ہوں اور آزادوں کو کبھی کسی سے عداوت نہیں ہوتی۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

یہ بزرگی اور یہ عزت میرے لئے کیا کم ہے کہ ظفر کا غلام ہوں جاہ و منصب و ثروت نہیں ہے تو بلا سے نہو مجھے پروا نہیں ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو یہ سب باتیں حاصل تھیں

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

بادشاہ کے استاد سے مجھے لڑائی کا خیال ہو۔ بھلا غلام بادشاہ ہو کر میری مجال ہو سکتی ہے۔

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

آپ کا دل خود ایک جام جہاں نما ہے مجھے اپنے دعوے پر کسی گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے جیسا میں ہوں آپ کو معلوم ہے

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدّعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

کہاں میں اور کہاں اردو کی شاعری میری تو اس سے محض اتنی غرض ہے کہ حضور کی خوشی کرتا رہوں ورنہ میں تو ایک فارسی گو شاعر ہوں۔

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

محض حضور کے حکم سے یہ سہرا لکھکر تعمیل فرمائش کی گئی ہے۔

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

مقطع میں محض ایک شاعرانہ تعلّی اور دعوے ہے اس مقطع سے قطعِ محبت میری غرض نہیں ہے۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

اگر میں نے کسی پر چوٹ کی ہو تو خدا میرا دین دنیا میں منھ کالا کرے اور میں کیوں ایسا کرتا کوئی میں سودائی ہوں مجھے جنون ہے وحشت ہے۔ کیا ہے۔

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

میری تقدیر بُری ہے مگر میری طبیعت کسی سے بُری نہیں ہے اور اسکا شکر ہے کہ مجھے کسی سے اسکی شکایت نہیں ہے مصنف نے جن الفاظ سے معذرت کی ہے اونکی تعریف نہیں ہو سکتی تمام الفاظ سے خودداری کا پہلو نکلتا ہے شعر سے ظاہر ہے کہ کہنے والا بدرجہ مجبوری یہ سب کچھ کہہ رہا ہے ورنہ وہ دوسروں سے خود کو اچھا نہیں تو کم نہیں سمجھتا۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ — کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

غالب میں اپنے قول میں سچا ہوں خدا میرا گواہ ہے اور یہ بات میں سچ کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہی نہیں ہے۔

یا یہ کہ میں سچ کہتا ہوں کیوں کہ مجھے جھوٹ کی عادت نہیں۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

اے نصیب تجھے خوش ہونا چاہیے کہ آج تیرے سر سہرا ہے کیونکہ تو شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ رہا ہے اگرچہ مصنف نے (سر سہرا) محاورہ استعمال کیا ہے مگر یہ کمی رہی کہ کس چیز کا سر سہرا ہے۔ ذوق مرحوم نے اس محاورہ کو پورا پورا نظم کیا پھر بھی ایجاد کا غالب کے سر سہرا ہے کیونکہ ایک موجد اور مقلد میں جو فرق ہے اسے سب جانتے ہیں۔ ذوق۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا — آج ہی یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

کیا ہی اس چاند سی مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے — ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

اس چاند سے مکھڑے پر یہ سہرا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے گویا حسن دل افروز کے لئے سہرے نے زیور کا کام دیا اور سونے میں سہاگہ ہو گیا۔ زیور کا قافیہ غالب کا حصہ ہے ذوق مرحوم نے سہرے میں زیور کا قافیہ نہیں کہا مگر اسی مضمون کے کئی شعر کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔

دم کہے صل علیٰ یہ کہے سبحان اللہ — دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ اختر سہرا
سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدّ ہی — کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پر سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

یعنی اے طرف کلاہ یہ تیرے لئے زیبا ہے کہ تو سر پر چڑھے مگر ڈر یہ ہے کہ سہرا تیری جگہ نہ لے لے یہ قافیہ بھی ذوق نے نہیں کہا۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی — ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

دوسرا مصرعہ دلیل ہے پہلے دعوے کی ذوق نے بھی یہی مضمون اس طرح لکھا ہے

سہ آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک — کشتی زر میں مہ نو کی لگا کر سہرا

یہ شعر غالب کے شعر سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا — ہے رگِ ابرِ گہربار سراسر سہرا

دولہا کے رخ پر جو گرمی کی وجہ سے پسینہ ٹپک رہا ہے تو اُس کے قطرے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ موتی ہیں اس صورت میں سہرا ابرِ گہربار بن گیا ہے ذوق مرحوم لکھتے ہیں -

روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار — تارِ بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے — رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

یہ ایک بے ادبی تھی کہ قبا سے آگے بڑھ جائے سہرا اس واسطے قبا کی برابر آکر رہ گیا آگے نہ بڑھا غالب نے یہ قافیہ بمثل کہا ہے + ذوق کے یہاں یہ قافیہ نہیں -

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز — چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

موتیوں کو اس بات پر اترانا نہ چاہیے کہ بس جو کچھ ہیں ہمیں ہیں نہیں بلکہ پھولوں کے سہرے کی بھی ضرورت ہے ذوق مرحوم

بھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار — اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے — گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

پھول خوشی کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے پھر کوئی انکا سہرا کس طرح گوندھے ذوق

دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی — گاویں مرغانِ نواسنج نہ کیونکر سہرا

رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک — کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

ادھر رخِ روشن چمک رہا ہے اور ادھر گوہرِ غلطاں پھر بھلا سہرے میں فروغِ ماہ و اختر کیوں نہ پیدا ہو -

وہ کہے صلِ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ — دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار — لائے گا تابِ گرانبارئ گوہر سہرا

یہ ریشم کا تار نہیں ہے کہ گرانباری گوہر کی تاب ہی نہ لا سکے یہ رگ ابر بہار ہے اسکو سنبھال سکتا ہے ذوق کے یہاں تار کے دو شعر ہیں۔

کثرت تار نظر سے ہیں تماشائیوں کے — دم نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا

اور ایک وہ تار بارش والا شعر جو گذر چکا۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں — دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

ہم غالب کے طرفدار نہیں ہیں سخن فہم ہیں دیکھیں الخ یعنی یہ سہرا لاجواب ہے۔

۵ جسکو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو اسکو — دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

دُرِ خوشاب مضامیں سے بنا کر لایا — واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

اسمیں شاید ذوق مرحوم کا سہرا پورا نہیں لکھا جا سکا۔

نصرۃ الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے — تجھ سے اتنی جو ارادت ہے تو کس بات سے ہے

یعنی مجھے آپ سے جو اتنی عقیدت ہے وہ کیوں ہے اور ایسی آپ میں کیا بات ہے۔

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے — رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

یعنی تو وہ ہے کہ اگر رونق بخشنی چاہے تو ماہ و مہر کی بزم کی تیری ذات سے رونق ہے۔

اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں — غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

اور برعکس اسکے میں ایسا ہوں کہ اگر خود پر غور کروں تو مجھے خود سے خود نفرت ہو جاتی ہے یا ہو جاتے اپنی اوقات سے نفرت ہونا فضیح ہے۔ اور میری اوقات سے مجھے نفرت ہونا غلط نہیں ہے۔

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سرِ دست — نسبت اک گونہ مرے دلکو ترے ہاتھ سے ہے

چونکہ میں خستہ ہوں اور تو کریم ہے لہذا خدا خستگی کا بھلا کرے کہ مجھے اور تجھے

گیا نسبت ہے مگر تیرے دست کرم سے تو ضرور میرا تعلق ہے۔

ہات میں تیری رہے توسنِ دولت کی عنان — یہ دعا شام و سحر قاضیِ حاجات سے ہے

خدا کرے توسن دولت کی باگ ہمیشہ تیرے ہاتھ میں رہے۔ بس رات دن یہ دعا مانگتا ہوں۔ اگرچہ ہاتھ کا بغیرہ "ہ" کی بھی قافیہ بات وغیرہ سے کیا گیا ہے مگر اچھا نہیں ہے۔

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا — گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

تو سکندر ہے اور میرا تجھ سے ملنے میں فخر ہے اگرچہ خضر کی ملاقات سے بھی مجھ کو شرف ہے خضر سلطان بہادر شاہ مغفور کے فرزند کا نام ہے جو غالب سے حسن عقیدت رکھتے تھے ایک جگہ کہہ چکے ہیں۔

ع خضر سلطاں کو رکھے خالق اکبر سرسبز — شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

یہاں ایہام ہے۔

اس پہ گذرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار — غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

تاکہ اس پر کوئی مکاری اور ریاکاری کا الزام نہ لگا سکے اسی لئے غالب نے خراباتِ نشینی اختیار کرلی ہے

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو — رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند

ممکن ہے کہ محرم کی عظمت و حرمت کی وجہ سے آخر ماہ صفر تک جناب مصنف شغل بادہ نوشی سے اجتناب کرتے ہوں۔ اور اسی وجہ سے کہا ہو کہ چار شنبہ کو صفر کا مہینہ ختم ہو جائے گا چلو باغ میں شراب کی ناند بھر کر رکھ دیں۔

جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست — سبزہ کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

جو کوئی آئے وہ پی کر بدمست ہو کر گلگشت کرتا پھرے۔

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ — بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

غالب یہ کیا خرافات لکھ رہا ہے مجھے اب سوائے بادشاہ کی تعریف کے کوئی بات اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں — ہے جن کے آگے سیم و زر و مہر و ماہ ماند

بادشاہ کے یہاں سونے کے چھلّے بٹتے ہیں جنکے آگے چاند سورج وغیرہ ماند ہیں۔

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

یہ خیال کر لیجئے کہ یہ چھلّے نہیں ہیں بلکہ چاند اور سورج درمیاں سے خالی کر دئے ہیں اور تقسیم ہو رہے ہیں سمجھئے ایک جگہ اور کبھی بسکون میم لکھا ہے۔ یہ اگرچہ بفتح میم محاورۂ عوام میں داخل ہے مگر بسکون بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اور مصنف کا لکھ دینا ہی سند ہے اسکے علاوہ اس مصدر کے بہت سے صیغے بسکون میم ہیں۔

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار — ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

اے بادشاہ جہانگیر۔ اور کریم منتظم تجھے غیب سے سو طرح کی بشارت ہیں۔ مراد ہے امداد سے

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو — تو وا کرے اُس عقدے کو سو بھی باشارت

جو عقدۂ دشوار کسی طرح نہ کھلے تو اُسکو اپنے اشارے سے کھول دیتا ہے۔

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر — گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

یعنی بغیر آبحیواں سے کلّی کیے ہوئے خضر سوئے ادب سمجھکر ترا نام نہیں لیتا۔

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا — ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

آصف بن برخیا کو فخر تھا کہ میں سلیماں کا وزیر ہوں یعنی وزارت سلیماں باعث فخر تھی مگر یہاں جو تیرا وزیر ہے وہ فخر سلیماں ہے۔ یہ بھی پہلو نکلتا ہے کہ اگر سلیمان تیری وزارت کریں تو ان کے لئے یہ باعث فخر ثابت ہو۔

ہی نقش مریدی ترا فرمان الٰہی　　ہی داغ غلامی ترا توقیع امارت

تجھسے رادت رکھنا گویا فرمانبرداریٔ خدائے عزوجل ہی - کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حاکم ہو اُسکی فرمانبرداری کرو - تیرا داغ غلامی امارت کا فرمان ہے - گویا جو تیرا غلام ہے وہ امیر الامرا ہے -

تو آب سے گر دفع کرے طاقت سیلان　　تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت

ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی　　باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

اگر تو پانی سے طاقت سیلاں اور آگ سے حرارت دفع کردے تو پانی میں روانی اور آگ میں گرمی کا نام بھی باقی نہ رہے - دیکھئے سیلان کا نون اگر اعلان نہ کریں تو بُرا معلوم ہوتا ہے -

ہی گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل　　ہی گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

اگرچہ میں مدح گستری اور شاعری میں کامل ہوں -

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر　　قاصر ہی شکایت میں تری میری عبارت

اگرچہ میرا کچھ شکایت کا ارادہ تھا مگر عبارت تیری شکایت میں لکھی نہیں جاتی لہذا مدح کو دعا ہی پر ختم کرتا ہوں -

نوروز ہی آج اور وہ دن ہی کہ ہوئے ہیں　　نظارگی صنعت حق اہل بصارت

آج نوروز کا دن ہی اور اسکی جہبل دیکھنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہی اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں -

تجھکو شرف مہر جہانتاب مبارک　　غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

تجھکو شرف آفتاب (یعنی آفتاب کا برج حمل مین جانا) جس کا اثر خوشی و خرمی ہے مبارک ہو

اور غالب کو تیری خدمت میں حاضری مبارک ہو دوسرے شرف مہر جہانتاب سے یہ بھی معنی لئے جاسکتے ہیں کہ مثل آفتاب شرف مبارک ہو۔

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو　　اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانیکو کچھ نہو　　روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اگر کسی شخص کو افطار کی دست قدرت ہو تو اُسکے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ روزہ رکھے مگر جس کسی کے پاس روزہ کھول کے کچھ کھانے کے لئے نہو ایسا آدمی اگر روزہ نہ کھائے تو ناچار اور کیا کرے۔

بالکل اسی مضمون کی رباعی فارسی میں آتشکدہ آذر میں میں نے دیکھی تھی نہ جانے کس کی تھی صرف ایک مصرع یاد رہگیا ہے + اے روزہ برو ورنہ ترا خواہم خورد

اے شہنشاہ آسماں اورنگ　　اے جہاندار آفتاب آثار

اے وہ بادشاہ کہ تیرا تخت مثل آسمان کے ہے اور تیری حکومت تمام عالم پر مثل آفتاب کے ہے اس شعر میں صنعت براعت الاستہلال مصنف نے مدنظر رکھی ہے۔ براعت الاستہلال اُسکو کہتے ہیں کہ جو کچھ کتاب یا قصیدہ وغیرہ مین مضمون لکھنا ہو وہ پہلے ہی مصرع یا فقرہ مین ادا کردیا جائے چونکہ ہمین موسم سرما کی شکایت ہے لہذا پہلے ہی سے آفتاب لائے۔

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں　　تھا میں اک دردمند سینہ فگار

میں ایک غریب گمنام گوشہ نشین اور دردمند غم والم ایام سے دل فگار تھا۔

تمنے مجھکو جو آبرو بخشی　　ہوئی میری وہ گرمئی بازار

اپنے ازراہ ذرہ نوازی مجھکو جو آبرو بخشی تو مجھے وہ فیض حاصل ہوا میری وہ گرم بازاری ہو گئی۔

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز روشناسِ ثوابت و سیّار

کہ مجھے ذرۂ ناچیز کو ہر کوئی پہچاننے اور جاننے لگا۔

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

اگرچہ بے ہنری کی شرم سے میں اپنی نظر میں آپ اتنا ذلیل ہوں۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

کہ اگر خود کو خاکی نژاد کہوں تو خاک کو بھی عار و ننگ آئے۔

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں بادشہ کا غلام کارگزار

مگر پھر بھی میں اپنے دل میں اس ہی خوش ہوں کہ حضور کا ایک کارگزار غلام ہوں۔ اور یہ میرے منصب ہیں۔

خانہ زاد اور مرید اور مدّاح تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

میں غلام خانہ زاد ہوں حضور سے ارادت رکھتا ہوں حضور کا مداح ہوں۔ ہمیشہ عرائض نویسی میرے متعلق رہی۔

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

اسکے بعد میں نوکر بھی ہو گیا اور حضور سے چار نسبتیں ہو گئیں۔

پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہیں ذوق آرائش سر و دستار

پیر و مرشد اگرچہ مجھے یہ شوق نہیں ہے کہ میں اپنے سر کو دستار سے آرائش دوں مگر۔

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر تا نہ دے بادِ زمہریر آزار

مگر پھر بھی موسم سرما کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے بچنے کی کوئی تدبیر تو چاہیئے۔

کیوں نہ درکار ہو مجھے کوشش جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

مجھے لباس کی ضرورت کیوں نہ پڑے اگرچہ میرا جسم نحیف ہے مگر پھر بھی جسم تو ہے۔

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار

میں نے اس سال میں کچھ نہیں بنایا۔ یعنی لباس سرمائی۔

رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

رات کو آگ تاپ کر اور دن کو دھوپ کھا کر گذارہ کرتا ہوں ایسے لیل و نہار بھاڑ میں جائیں

آگ تاپے کہاں تلک انسان دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار

بھلا آگ تاپ کر اور دھوپ کھا کر کب تک گذر ہو سکتی ہے اور آدمی کب تک ایسا کر سکتا ہے

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وقنا ربنا عذاب النار

دھوپ کی تیزی اور آگ کی گرمی سے بس خدا بچائے۔ اس آیت نے حسنِ کلام اتنا بڑھا دیا ہے کہ جواب نہیں ہے۔

میری تنخواہ جو مقرر ہے اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

یہ نہیں ہے کہ حضور سے میری تنخواہ مقرر نہیں ہے نہیں ہے تو سہی مگر اُس کے ملنے کا عجب طریقہ ہے۔

رسم ہے مُردہ کی چھماہی ایک خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

ایک مردہ کی چھ ماہی ہے کہ دنیا کا اسی پر دار و مدار ہے۔ یعنی چھ ماہ مین ہوتی ہے۔

مجھکو دیکھو کہ ہوں بقید حیات اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

مجھکو دیکھئے تو زندہ ہوں اور چھ ماہی سال میں دو دفعہ ہوتی ہے۔ یعنی میں زندہ اور حالت مردوں کی سی ہے۔

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار

چونکہ اسیوجہ سے ہر مہینہ قرض لیتا ہوں اور سود در سود بڑھتا رہتا ہے۔

میری تنخواہ میں تہائی کا ہوگیا ہے شریک ساہوکار

اسی سبب سے میری تہائی تنخواہ کا مالک ساہوکار ہوجاتا ہے یعنی تہائی تنخواہ سود میں چلی جاتی ہے۔

آج مجھ سا نہیں زمانہ میں شاعر نغز گوئے خوش گفتار

آج مجھ سا شاعر معنی آفریں اور جدت پسند دنیا میں نہیں ہے۔

رزم کی داستاں اگر سنئے ہے زباں میری تیغ جوہر دار

اگر لڑائی کی داستان مجھ سے سنئے تو میری زبان تیغ جوہر دار کا کام کرتی ہے۔

بزم کا التزام گر کیجئے ہے قلم میری ابر گوہر بار

اور اگر بزم کی داستاں مجھ سے لکھوایئے تو میرا قلم ابر گوہر بار بنکر انجمن آرائی کرتا ہے قلم کو مصنف تذکیر و تانیث دونوں طرح جائز سمجھتے تھے۔ مگر اکثر کا مذہب تذکیر لکھتا ہے۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

اس حالت پر اگر مجھے داد سخن نہ دی جائے تو ظلم ہے اور مجھکو عزیز نہ رکھا جائے تو ستم ہے۔

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا　　آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

اگر آپ غلام ہو کر ننگا پھروں اور آپکا نوکر ہو کر قرض کھاؤں تو افسوس ہے یہ آپکے لئے بھی کسر شان کا باعث ہے۔

میری تنخواہ کیجیے ماہ بہ ماہ　　تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

اس ششماہی تنخواہ ملنے نے جینے سے بیزار کر دیا ہے لہذا میری تنخواہ ماہ بماہ ملنے کا حکم کیجئے کہ مجھے اپنی زندگی دشوار نہو جائے۔

ختم کرتا ہوں اس دعا پہ کلام　　شاعری سے نہیں مجھے سرو کار

مجھے شاعری سے کچھ مطلب نہیں یعنی شاعرانہ تصنع کو چھوڑ کر اس دعا پر اپنی عرض کو ختم کرتا ہوں۔

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یعنی آپ کی عمر اقبال و دولت ابد تک قائم رہے۔

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے　　جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

میں تیرہ بخت ہوں جو شخص فتح و ظفر کی تمنا کرے اوسکو میرا نام نہ لینا چاہیئے۔

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے　　کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

کیونکہ میں وہ بد نصیب کم بخت ہوں کہ مجھے کبھی کسی پر غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ میرا جو کوئی شریک ہوا وہ شریک غالب رہا یعنی جب میرا شریک ہوا تو وہ شریک غالب ہوا اور شریک غالب وہ ہے کہ جسکا حصہ زیادہ ہو۔

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی   مجھ پہ کیا گذریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد   تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کتنے دن ہوئے

یعنی مسہل لینا تو سہل تھا مگر یہ بڑی دشواری ہے اتنے روز میں کیونکر حاضر نہوں گا۔ کیونکہ تین روز منضج کے تین مسہل کے تین تبریدوں کے اور تین دن مسہل سے بعد کے یہ سب بارہ روز ہیں۔ بارہ روز کی رخصت طلب کی ہے۔

خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر   کہ جسکے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محظوظ

انجمن سادیٔ میرزا کیا مبارک ہے کہ جسکے دیکھنے سے سب کو ایک لطف آیا ہے۔

ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب   نہ کیوں ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ

ایسے ہی مبارک سال میں یہ شادی ہوئی ہے لہذا مادۂ سال عیسوی محظوظ نکلا ہے جس سے ۱۸۵۴ء نکلتے ہیں۔

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی   ہوا بزم طرب میں رقص ناہید

جب مرزا جعفر کی شادی ہوئی تو بزم میں رقاصۂ فلک یعنی زہرہ کا ناچ ہوا یہ مبالغہ ہے۔

کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے   تو بولا انشراح جشن جمشید

غالب سے اسکی تاریخ لکھنے کی فرمائش کی تو انشراح جشن جمشید اسکی تاریخ نکالی جس سے ۱۲۷۰ھ نکلتے ہیں۔

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں   دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

اگرچہ سب کے سب ایک ہی بادشاہ کے نوکر ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کو

جانتے بھی نہیں -

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہوں کے سامنے رخسار و نیز ہاتھ لیجا کر کان تک لیجاتے اور دوسرے شخص کو اطلاع سلام کرتے ہیں - گویا اس سے سلام کرنا مقصود نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ جب کسی واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں تو کانو نپر ہاتھ رکھتے ہیں -

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم اے عمر گذشتہ اک قدم استقبال

یعنی بچپن کا زمانہ گزرنیکے بعد جوانی آئی اور اب مرنے کے دن قریب آئے - جوانی میں سبزہ آغازی وغیرہ کیوجہ سے اُسے سواد اقلیم عدم کہا گیا - یعنی اس صورت میں سواد اقلیم عدم میں آگئے اے عمر گذشتہ تو عدم میں ہے اب تو ایک قدم ہمارے استقبال کیلئے چلی آ -

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

رات کو مجھے اوسکی زلف اور اُسکے رُخ عرق فشاں کا غم تھا اور اُس حالت کو میں بیان نہیں کر سکتا کچھ عجیب میری کیفیت تھی - ہزار آنکھ سے اسی خیال میں صبح تک روتا رہا - اور زلف و رخ کے خیال کیوجہ سے سیاہی اور سپیدی ملکر میرا ہر قطرۂ اشک چشم پرنم بن گیا تھا خوب رباعی کہی ہے -

آتشبازی ہی جیسے شغل اطفال ہی سوز جگر کا بھی اسیطور سے حال

تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لیئے گیا ہی کیا کھیل نکال

جیسے آتشبازی کا تماشہ ہوتا ہے ایسے ہی سوز دل کا حال ہی موجد عشق عجب آدمی تھا
ان کمسن معشوقوں کے لیئے کیا کھیل نکال گیا ہے یعنی یہ لوگ اس کو آتشبازی کا کھیل سمجھتے ہیں

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی بیتابی رشک و حسرت دید سہی

ہم اور فسردن اے تجلی افسوس تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

پہلے ہم جان و دل رکھتے تھے اسوقت درد بیتابی رشک حسرت دید سبھی کو برداشت کیا
مگر اب ہم چونکہ ہمارے پاس جان و دل نہیں ہیں فسردہ ہو گئے ہیں۔ اے تجلی حسن افسوس
تو ہماری اس فسردگی کو دیکھتی ہے۔ ہم مکرر اسی سوز و گداز کی تمنا کرتے ہیں مگر تو تکرار کو پسند
نہیں کرتی تو پھر ہم میں جان و دل پیدا کر اور نئے سر سے ہمیں پھونک دے جان درد تمہید
یعنی جس جان کی تمہید درد سے ہوئی تھی۔ اس ترکیب نے رباعی کو مشکل بنا دیا ہے۔

ہی خلق حسد قماش لڑنے کے لیئے وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیئے

یعنی ہر بار صورت باد ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

تمام خلق حسد قماش ہے یعنی آمادہ حسد ہی اور لڑنے کے لیئے تیار رہے اور وحشت کدہ
کی اس لڑائی کے تلاش ہی گویا یہ پتنگ ہیں جب ملتے ہیں تو لڑنے ہی کے لیئے ملتے ہین

دل سخت نژند ہو گیا ہی گویا اُس سے گلہ مند ہو گیا ہی گویا

پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب منھ بند ہو گیا ہی گویا

میرا دل سخت رنجیدہ ہوگیا ہے اور گویا یہ اُس سے گلہ مند ہے مگر پھر بھی ہم اُسکے سامنے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ گویا اُسکے سامنے منھ بند ہوگیا ہے۔

دکھ جی کے پسند ہوگیا ہی غالب ۔ دل رُک رُک کر بند ہوگیا ہے غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں ۔ سونا سوگند ہوگیا ہے غالب

غالب دکھ میرے دلکو پسند ہوگیا ہی اور یہ اتنا گرفتہ ہوگیا ہی کہ گویا بند ہوگیا ہی یعنی عاجز ہوگیا ہی۔ رات کو نیند نہیں آتی گویا نیند بہم ہوگئی ہے۔

رباعی کا دوسرا مصرعہ اکثر نسخوں میں رُک رُک کر بند ہوگیا الخ پایا جاتا ہے اور اس صورت میں دو رکن بڑھتے ہیں مگر غالب کی نسبت غیر موزوں کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اور ہم اسکو سہو کاتب سمجھکر مصرع کو صحیح لکھنے کی جرأت کر گئے ہیں۔

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل ۔ سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش ۔ گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

چونکہ میرا کلام دقیق اور مشکل ہی اسی واسطے سخن وران کامل مجھسے سہل لکھنے کی فرمایش کرتے ہیں مگر میں اُنسے کیا کہوں چوتھے مصرع کے کئی معنے ہیں ایک یہ ہی کہ اگر میں مشکل شعر کہتا ہوں تو وہ مشکل ہے ہی اور اگر آساں بھی کہتا ہوں تو وہ بھی مشکل ہے۔

دوسرے یہ کہ اپنا طریقہ بدل دوں تو مشکل نہ لکھوں تو مشکل۔ یا اُن لوگوں کو اسکا کوئی جواب دوں تو مصیبت نہ دوں تو مصیبت غرض۔

سہ دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را ۔ بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ۔

بھیجی ہی جو مجھکو شاہ جمجاہ نے دال ۔ ہی لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ۔ ہی دولت و دین و دانش و داد کی دال

مجھکو جو بادشاہ نے یہ دال بھیجی ہے یہ عنایات شاہنشاہی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ اپسند دال بلاشبہ دین ودانش داد و دولت کی دال ہے اور یہ چاروں چیزیں اچھی ہیں۔ اور بھی معانی لطیف اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی بادشاہ نے ان سب سے کام لیکر مجھکو یہ بھیجی ہے۔ مولانا نظم چوتھے مصرعہ کو بے معنی کہتے ہیں سبحان اللہ۔

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم آثار جلالی وجمالی باہم

ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم ہے اب کے شب قدر و دوالی باہم

ہمارے بادشاہ میں صفات جلال یعنی غضب وجمال یعنی رحم دونوں جمع ہیں۔ اس سے عالی اور سفل کیوں نہ خوش ہوں کہ دوالی اور شب قدر دونوں ملی جلی ہیں۔ واضح ہو کہ چونکہ مصنف نے جلالی اور جمالی کا ذکر پہلے کیا ہے اسیواسطے دوالی اور شب قدر اور سفل و اعلےٰ لائے ہیں۔ کیونکہ شب قدر میں وظائف علوی۔ اور دوالی میں سفلی منتر جنتر پڑھے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ ہر فرقہ کے لئے اچھا ہے۔

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہ شیوع دانش و داد کرے

یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزایش اعداد کرے

خدا بادشاہ کو قائم اور اسکی بقا سے خلق کو آباد رکھے کہ اگر وہ ہونگے تو دانش و داد کرینگے یہ سالگرہ کے موقع پر جو رشتہ عمر میں گرہ دیگئی ہے گرہ نہیں ہے بلکہ صفر ہے کہ اعداد کو زیادہ کرتا ہے جیسے ایک کو ۱۰۔ دس کو سو۔ سو کو ہزار۔

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا

ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہ ہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یعنی رشتہ عمر میں لاکھ تار ہوں بلکہ اس سے کچھ زیادہ اور پھر اتنے ہی برس گنے جائیں

اور رہیں ہیں ہر صدی کے بعد گرہ دنیا فرض کیا جائے اور ایسی گرہیں ہزار گرہیں ہوں بلکہ دس سے بھی زیادہ - گویا بادشاہ خواجہ خضر کی عمر کو پہونچیں -

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں	عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں

جو ہات کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا	کیونکر مانوں کہ اسمیں تلوار نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے مردم آزاری چھوڑ دی اور وہ عشاق پر رحم کرنے لگا مگر جو ظلم سے اُسنے ہاتھ روکا ہے اُسمیں تلوار رہنا ضروری ہے کیونکہ ظلم کر رہا تھا تو اسمین تلوار ہوگی اور گو روک لیا ہے مگر اسمیں تلوار کا ہونا لازم ہے - مطلب یہ کہ اسکی ستم شعاری کی تصویر اب بھی نظر میں ہے -

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے	کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے

کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ	وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

ہم اگرچہ امیدواروں کی طرح سلام کرتے ہیں مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں کام کرنا ہے یعنی جو کام کر سکتے ہیں وہ دیر کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ خدا سے دعا کرو اور خدا سے التجا کرو اللہ اللہ وہ گویا خدائی کرتے ہیں - کیونکہ صبح و شام کرنا خدا کا کام ہے - اور وہ بھی لیت و لعل میں صبح و شام کرتے ہیں - گویا یہ کہنے سے کہ خدا سے کہو ان کا کچھ اور ہی مقصد ہے -

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں	آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں

روزہ مرا ایمان ہی غالب لیکن	خسخانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

کھانے اور سونے اور آرام کے اسباب مجھے نہیں ملتے ورنہ روزہ کو فرض میں بھی سمجھتا ہوں اگر یہ سامان ملیں تو پھر عمل بھی کروں -

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے	بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے

اگن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار　　فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے جو سیم کے بیج خاصہ میں مجھکو بھیجے ہیں ان کی حقیقت کو کوئی کیا جانے یہ فیروزہ کی تسبیح کے دانے ہیں کہ جسے ہم پڑہیں اور بادشاہ جم جاہ کو دعائیں دیں۔

دبیر الملک نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں غالب

منصور فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

سنہ ۱۷۹۶ء دینا کے یادگار سنین میں سے ہے جسمیں کاشانۂ ادب اردو میں ایک ایسی شمع روشن ہوئی جسکے بجھ جانے پر بھی آج زمانہ میں ویسی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہے جیسی اوسکی حیات تک تھی یعنی یہی وہ سن تھا جسمیں فخر اساتذہ متقدمین و متاخرین مرزا اسد اللہ غالب مرحوم نے عرصہ ہستی میں قدم رکھا۔

مرزا مرحوم کا سلسلہ نسب افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے شاہ عالم کے عہد میں مرزا مرحوم کے دادا نے اپنے وطن مالوفہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہکر دار السلطنت دہلی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی۔ اور عرصہ تک مسند عزت و اقبال پر جلوہ گر رہے مگر زمانہ نے وہ کروٹ بدلی کہ نہ دلی دلی رہی چند ہی روز میں نہ عزت دینے والے رہے نہ پانیوالے۔ مرزا مرحوم کے پدر بزرگوار عبد اللہ خاں نے بھی وطن عزیز کو چھوڑ کر نواب آصف الدولہ بہادر شاہ اودھ کے دربار میں لکھنؤ پہونچے مگر زمانہ برسر جنگ تھا یہاں بھی قدم نہ جمے نواب نظام علیخان بہادر حیدر آبادی کی ملازمت کی۔ مگر وہی آسمان سر پر تھا یہاں کی زمین کا ذرہ ذرہ بھی دشمنی پر آمادہ ہو گیا آخر راجہ بختاور سنگھ والی الور کے یہاں پہونچے اور وہیں آکر لڑائی میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔

مرزا غالب اب ایک یتیم بچہ کی طرح اپنے چچا نصر اللہ بیگ صوبہ دار اکبر آباد کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے نہ زمانہ کی دو رنگی نے پھر ایک رنگ دکھایا مرزا کے سر سے یکایک چچا کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا اسپر بھی اگرچہ دراثتاً مرزا کو سب کچھ ملا مگر انکی تقدیر میں تو

صرف ملک سخن کی حکومت تھی وہی ملی اور وہی کام آئی گو ظاہری دولت دنیا نہ تھی مگر پھر بھی خوشحال رہ کر زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر تنگ حالی نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اسکے لئے جابجا کے سفر کئے اور آخر کار دلی کو اپنا امن وماوا بنا کر یہیں آرہے مرزا دلی میں خوش وناخوش گذران کر رہے تھے کہ یکایک زمانہ نے پھر غداری شروع کی اور مرزا کو رام پور کو جانا پڑا یہاں سو روپیہ تنخواہ اور سو روپیہ ضیافت کے طریقہ پر ملتے رہے مگر دلی ایسی چیز نہ تھی جسے مرزا اتنا سستا بیچدیتے پھر دلی آئے۔ اور آخر عمر میں تقدیر نے پلٹا کھایا تو پنشن سرکاری بھی جاری ہوگئی آخر سنہ ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں جہان فانی کو خیرباد کہا۔

مرزا غالب کی شاعری

مرزا کے شاعرانہ حالات یا اونکی شاعری پر تنقید لکھنا کچھ معمولی بات نہیں ہے اور نہ اس مختصر مقالہ میں اوسکی گنجایش ہوسکتی ہے بقول فیضی۔

توحید تو نیست بر قلم جست　　　ایواں بہ بزرگی وستوں شست

اسکے سوا ایسے انکے کلام پر ملک کے مبدا ہا موقر اور معزز لوگوں نے قلم اٹھائے ہیں میں کیا اور میری ناچیز رائے کیا۔

پھر بھی یہ لکھے بغیر مجھے چین نہیں آیا کہ غالب مرحوم کا کلام جس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اون کے کلام میں جو بات پائی جاتی ہے ہندستان کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں بہ مشکل بھی یہ باتیں نہیں مل سکتیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غالب مرحوم کے یہاں صرف گرانقدر الفاظ ملتے ہیں باقی اور کچھ نہیں۔ یہ خیال اونھیں تک محدود ہے میرے خیال میں مرزا الفاظ ومعانی کے بہترین اندازہ کرنے والوں میں سے ہیں وہ جیسے خیال کو پیش کرتے ہیں آسکے لئے ویسے ہی الفاظ بھی لاتے ہیں۔ وہ نہ صرف ادق خیال اور ادق الفاظ پر قادر ہیں بلکہ وہ زبان کے لئے بھی ویسے ہی سرمایہ ناز شاعر ہیں۔ اور اُن کی وہ غزلیں جنھیں سہل ممتنع کہا جاسکتا ہے آج اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

جدت خیال جسکو اکثر نے شاعری کی جان بتایا ہے گویا وہ خاص غالب کا حصہ ہے وہ اگرچہ ایسے مضمون بھی لکھتے ہیں جس تک عام اذہان کی رسائی محال ہے۔ مگر اکثر ایسے خیال بھی وہ پیش کرتے ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں مگر غالب نے اون کے طرز ادا کو دنیا سے علیحدہ رکھا ہے

اور یہی لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ خیال و نیا ہیں اور کہیں نہیں اگر ہیں تو غالب ہی کے یہاں ہیں
غالب نے اردو کی جن زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں جن ردیف و قوافی کو اُنھوں نے انتخاب کیا ہے اسمیں بھی ایک خاص بات ہے۔ کوئی کہنے والا اگر اُن ہی زمینوں میں کچھ لکھے گا تو ہرگز ہرگز ناکام نہیں رہ سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ ایسے مضمون اُسکے ہاتھ بھی آجائینگے جو دل خوش کن ثابت ہوں گے۔ غالب صرف غزل کے لئے ہی منتخب اور برگزیدہ نہیں ہیں بلکہ اون کے قصاید بھی اونکی شان کیموافق ہیں۔ میں یہاں فارسی کلام سے بحث نہیں کرتا اردو کے قصاید بھی اُنکے جس رنگ میں ہیں وہ اُن کا خاص حصہ ہیں۔

اگرچہ قصیدہ گوئی میں ذوق اور سودا منتخب اور برگزیدہ ہیں اور لوگ یہ کہینگے کہ جو اُن کے یہاں رنگ ہے وہ غالب کے یہاں نہیں مگر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ جو غالب کے یہاں ہے وہ اُنکے یہاں نہیں۔ کاش مجھے وقت ملتا تو میں تنقید کر کے دکھاتا کہ غالب اور ذوق کے قصاید میں کیا فرق ہے مرزا غالب نثر کی حیثیت سے ایک طرز خاص کے موجد تھے جس کا جواب بمشکل مل سکتا ہے آج بھی بہت سے اُس رنگ پر چلتے ہیں مگر ٹھوکریں کھانے کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔

مرزا کے حالات طبعی

مرزا ہنس مکھ خوش مزاج زندہ دل بذلہ سنج آدمی تھے اپنے شاگردوں سے ہمیشہ دوستانہ عنایات اور خلاق سے پیش آتے تھے۔ اُنکے خطوط دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ وہ صابر نہ تھے مصیبت سے گھبرا اُٹھتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس شخص نے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ہو اوسے ایک تنکا بھر مصیبت پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ "حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف" کی بجو گھبرا اُٹھتا ہے
مرزا اہل تشیع سے تھے مگر اُن کا تمام خاندان سنی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے تھے چونکہ غالب کے دوست اور عزیز سنی تھے لہذا کوئی اون کو مشکل سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ شیعہ ہیں

مرزا غالب کی تصانیف

فارسی میں۔ مہر نیمروز تاریخ میں۔ قصاید حمد و نعمت۔ پنج آہنگ انشا پردازان فارسی کے لیئے دیوان غالب فارسی۔ قاطع برہان۔ یادرفش کادیانی۔ نامہ غالب۔ دستنبو۔ سبد چین ہیں اردو میں اردوئے معلے یعنی مرزا کے خطوط۔ تیغ تیز۔ ساطع برہان کے چند آخری ورق لطایف غیبی جو سیف الحق کے نام سے چھپی ہے۔
مرزا غالب کے مشہور شاگرد تفتہ۔ حالی۔ مجروح۔ ادیب۔ ذکی وغیرہ ہیں۔

معذرت۔ یہ کوئی مکمل سوانح عمری نہیں ہے بلکہ قارئین کیلئے غالب کے حالات کا ایک مختصر خاکہ ہے۔

تمام شد

کتب خانہ اردو

جس میں مصنفین اردو کی چیدہ چیدہ کتابیں درج ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد

دعوت عمل	۶ر
احیاء اسلام	۵ر
ترک موالات	۳ر
فوجی ملازمت	۴ر
لمعات صداقت	۳ر
شہید کربلا	۳ر
اتحاد اسلامی	۳ر
بالکلامت	۱ر
آخری پیغام	۱ر

مولانا محمد حسین آزاد

دربار اکبری	[illegible]
آب حیات	سے
سخندان پارس	سعے
دیوان ذوق مع مرثیہ آزاد	عگر
مجموعہ نظم آزاد	۱۲ر
مکتوبات آزاد	۱۲ر
تند پارسی	۱۰ر
نیرنگ خیال	۱۰ر
[illegible] پھول	۸ر

آغا رفیق

شاد ل عبدالرحمن	عہ
انقلاب سیسی	عہ
کالا سنکاری	۳ر

شاہ ابوالحسن

آئینہ تاریخ اودھ	عار

مولوی احسان الحق

تغریت نامہ	عہ
شجرِ تسنیم	۸ر
محمد علی کا سفرنامہ	۳ر

مولوی احمد حسین بی اے

[illegible] بیگم	عہ
حسرت	عہ
دل سوز	عہ
آہ	عہ
آئینہ روزگار	عہ
شمع سحر	۱۲ر
گلبدن	۱۲ر
گیتی آرا	۱۲ر

شوق قدوائی

عالم خیال	عہ
قاسم و زہرا	۱۲ر
سیکلفرن لوسی	۲ر

احمد علی رئیس

قومی مثنوی	عہ

احمد میاں اختر

اسلام کا اثر	۲ر

احمد علی بی اے

تاریخ ہمدان حصہ ۱	عار
حصہ ۲	عار
شباب لکھنؤ	عہ
مرقع اودھ	۸ر

احسن مارہروی

اردو [illegible]	۳ر
کسوف الشمسین	۳ر

[illegible]

طواف زمین	عہ
اجتماع ضدین	۶ر
آثار سلیمی	۳ر

چھوٹا شہزادہ

چھوٹا شہزادہ	۱۰ر
حسن تخیل	۶ر

حاجی اسمٰعیل خان

اصحاب دائمہ	۳ر
ترکی کھانے	۲ر
چند از ہزار چند	۲ر

اشہری

حیات انیس	عار
لغات الخواتین	عہ
ابتدائی شاعری	عہ
حیدر علی سلطان	عہ
ٹیپو سلطان	عہ
اردو کی ڈالی	۲ر
گلدستہ اردو	۳ر
خواتین اسلام	۳ر
نورجہان	۸ر
قومی نظم	۳ر

مولوی اشرف علی

بہشتی زیور مکمل	عا ۲ر
بہشتی گوہر	۱۰ر

ملنے کا پتہ۔ صدیق بکڈپو لکھنؤ

نشر الطیب	۸ر
تکملہ مثنوی جلد اول حصہ ۱	۶ار
〃 〃 حصہ ۲	۶ار
〃 جلد دوم حصہ ۱	۲
〃 〃 حصہ ۲	۲
〃 دفتر ششم حصہ ۱	۲
〃 〃 حصہ ۲	۲
لب مثنوی	۴ر
تربیت السالک کامل	عہ
حقوق الاسلام	۱ر
شوق وطن	۴ر
فروع الایمان	۳ر
التنور	۳ر
السرور	۳ر
اعمال قرآنی کامل	۴ر
حقوق العلم	ہر
رسائل مفیدہ	۲ر
روح الارواح	۸ر
آداب المعاشرت	۲ر
کیسرنی اثبات التقدیر	۱ر
اصلاح ترجمہ دہلویہ	۲ر
تعلیم الدین	۸ر
فتاوے میلاد	۱ر
صفائی معاملات	۲ر
مناجات مقبول	۸ر

انظر دہلوی

رباعیات حافظ شرح	۶ر
روایات قومی	۱۲ر
پہیلی نامہ	۶ر

ڈاکٹر اقبال

شمع شاعر	۴ر
شکوہ	۲ر
جواب شکوہ	۴ر
آکبری اقبال	۳ر
فریاد امت	۴ر
نالۂ یتیم	۲ر
بلال	۲ر
مکمل ترانہ	۲ر

شیخ احمد دیا

رپورٹ سنگ ملگری احمد آباد	عہ
آخری خلافت	عہ
مصطفےٰ کمال پاشا	عہ
مقدمہ کراچی	۴ر

امیر مینائی

صنم خانۂ عشق	۸ر
مراۃ الغیب	۸ر
محامد خاتم النبیین	۸ر
مینائے سخن	عہ

زاد الامیر	۸ر
اسرار نماز	۴ر
ابر کرم	۴ر
فور تجلی	۳ر
لیلۃ القدر	۴ر
صبح ازل	۳ر
شام ابد	۳ر

منشی امیر حسن

دگینز ونسیڈا	۶ار
الہ دین و لیلی	۶ار

منشی امین

خوان نعمت کلاں	عہ

بابو امداد حسین

سادہ کلارہ کامل	۸ر
مکار سرریت	عہ

سید انشا

دریائے لطافت	۸ر
کلیات انشا	۸ر

میر انیس

مراثی جلد اول	۸ر
〃 〃 دوم	۸ر
〃 〃 سوم	عہ
〃 〃 چہارم	۸ر

مراثی جلد پنجم	۸ر
〃 ششم	۸ر
واقعات کربلا	۸ر
رباعیات	۴ر

انیس احمد عباسی

جنگ روس و جرمنی	عہ
جنگ عراق	عہ
زلیخا	۱۲ر
بحری جنگ	۸ر
ہاجرہ کی کامیابی	۶ر

مفتی انوار الحق

خانہ داری حصہ	۸ر
حقائق الاسلام	۶ار
تاریخ ابو البشر	۸ر
تذکرۃ الحبیب	عہ
قوت خیال	۶ر

حکیم انوار حسین

معالج الغربا	۱۲ر

اوج گیاوی

جذبات اوج	۸ر
سبعہ سیارہ	۴ر

مولانا بشیر الدین

اقبال ذہن	۸ر

ملنے کا پتہ ۔ صدیق بکڈپو لکھنؤ

اصلاح معیشت — ۱۲ر
حسن معاشرت — ۱۲ر
نشاط عمر — ۱۲ر
عصائے پیری — عمر
بچیوں سے دو باتیں — عمر
حرز طفلان — عمر
عزم بالجزم — ۶ر

پنڈت شمبھو ناتھ

فسانہ ستون عشق — ۱۲ر
مفقود الخبر — ۸ر
کرشمۂ رقابت — ۴ر

بابو منشی لال

نظام حیات انسانی — ۸ر

بہاری لال احقر

خوش نصیب — ۸ر
حرمان خانم — ۳ر

بیدل سہارنپوری

نور ایمان — ۱۲ر

بیدم شاہ

دیوان بیدم — عمر
گلدستہ وارثی — ۸ر

تصدق حسین قرار

قرار اللغات — سے
قرار الاصطلاحات — ۸ر

حکیم جلال

مضمونہائے دلکش — عمر
نظم نگارین — عمر
تذکیر و تانیث — ۸ر
افادۂ تاریخ — ۸ر
قواعد المنتخب — ۵ر

جواد علی ندوی

جمیل و جمینہ — ۳ر

جولیس ورن

سمندر کی سیر کامل — ۱۲ر
سیاحت زمین — ۱۲ر
پاتال کی سیر — ۱۲ر
طواف زمین — عمر

منشی جوالا پرشاد

بنگالی دلھن — ۱۲ر
پرتاب — ۱۲ر
مرنالنی — ۱۲ر
مار آستین — ۱۰ر
رودہنی — ۱۰ر

معشوقۂ فرنگ — ۱۰ر
بروگ — ۱۰ر

مولوی جہانگیر خان

کتاب الصلوۃ — عمر

سبجے نرائن ورما

کارزار صلیبیہ — عمر
روز الیبسرٹ — عمر
مارگیرٹ — ۸ر
تسخیر — ۴ر
طولیہ کی بلابنڈ کے سر — ۴ر

مولوی چراغ علی

تحقیق الجہاد — سے
اعظم الکلام کامل — سے
رسائل چراغ علی — سے

چکبست لکھنوی

مباحثہ گلزار نسیم — ۱۲ر
گلدستہ پنچ — ۴ر

مولانا حالی

مجموعۂ نظم حالی — عمر
دیوان حالی — ۱۲ر
مسدس حالی — ۸ر

قطعات حالی — ۸ر
رباعیات حالی — ۶ر
رباعیات حالی — ۲ر
مناجات بیوہ — ۲ر
حب وطن — ۱ر
چپ کی داد — ۱ر
بیان حالی — ۱ر

مولوی حامد حسن

اسلام اور دیگر مذاہب — ۸ر

مولوی حبیب الرحمن

علمائے سلف — عمر
سیرۃ الصدیق — عمر
ذکر جمیل — ۵ر
ذکر حبیب — ۲ر

حسن الدین خاموش

حلیمہ خانم — ۱۲ر
قومی گیت — ۵ر
حوران جنت — ۴ر
عقیلہ بیگم — ۴ر
رفیق مرزا — ۴ر
لالہ لا بیٹیا — ۳ر
لکچر اسلام — ۳ر
جمیلہ خاتون — ۳ر

مولوی خلیل الرحمٰن

زرتشت نامہ	عمر

خنجر لکھنوی

خوفناک سازش	۸ر
خوفناک دوست	۸ر
خوفناک قتل	۱۴ر
انگریز ڈاکو	۵ر
خونی آقا	۳ر
جنگ طرابلس	۳ر
بحری لاش	۱۰ر
مظلوم لڑکی	۲ر
نرالا عاشق	۲ر
خریدار حسن	۱۲ر
محل خانہ شاہی	۱۰ر
نازنین پیرس	۶ر
اعجاز محبت	۸ر
خدا کی لاٹھی	۳ر
سرلا دیوی	عمر
امریکن جاسوس	۱۲ر

داغ دہلوی

آفتاب داغ	عمر
دیوان داغ	عمر
فریاد داغ	۴ر

دوارکا پرشاد

نیرنگ فرنگ	۳ر
جفا و وفا	عمر
تگڑم	عمر
رانائن بکٹ فیہ	۱۲ر
کلجگ کی کھونٹی	۵ر
الو کی دم فاختہ	۸ر

سید ذی النورین

بیگمات بنگال	۶ر
عرض محبت	۳ر

علامہ راشد الخیری

صبح زندگی	۸ر
شام زندگی	۴ر
شب زندگی	عمر
نوحۂ زندگی	۱۲ر
منازل السائرہ	عمر
تائید غیبی	۸ر
سراب مغرب	۹ر
بنت الوقت	۸ر
سات روحوں کے اعمالنامے	۶ر
درشاہوار	۱۰ر
گوہر مقصود	۸ر
سنجوگ	۱۰ر

سوامی رام تیرتھ

رام برشا حصہ ۱	۱۲ر
؍ ؍ حصہ ۲	۱۲ر
خطوط رام	۸ر
ویدانوچن	عمر

منشی رام سہائے تمنا

اردو ڈکشنری	۱۲ر
ظریفوں کی کانفرنس	۴ر
زندہ بھوت	۲ر

رتن ناتھ سرشار

فسانۂ آزاد جلد اول	للعہ
؍ ؍ جلد دوم	للعہ
؍ ؍ جلد سوم	صہ
؍ ؍ جلد چہارم	صہ
سیر کہسار جلد اول	ہے
؍ ؍ جلد دوم	ہے
خدائی فوجدار	عہ
الف لیلۂ دنیا زاد	للعہ
جام سرشار	۸ر
بچھڑی دلہن	۲ر
پی کہاں	۲ر
ہشّو	۵ر
کڑم دھم	۵ر

رشید احمد انصاری

تحریر المراۃ	۸ر
المدنیۃ والاسلام	عہ

چودھری انیس الزمان

سیتا کامل	ہے
شہید وفا	۸ر
منارۂ قیصری	عمر
زن مرید	۱۲ر

ریاض خیر آبادی

حرم سرا کامل	ہے
ناشاد	۴ر

ساغر اکبر آبادی

روح لیلیٰ	ہے
دو جہان کی سیر	عہ
سمندر کی سیر کامل	عہ
پاتال کی سیر	۸ر
زینونی	عہ
حیات اورنگزیب	۲ر

بابو ساون رام

اسرار نباتات	۸ر

مرزا سجاد مرزا بیگ

الانسان	۸ر

منشی سجاد حسین اودھ پنچ

طلسمی فانوس	عہ
طرحدار لونڈی	عمر
حاجی بغلول	۸ر
کایا پلٹ	۸ر
احمق الذین	۸ر
پیاری دنیا	۸ر
میٹھی چھری	۸ر

سجاد حسین انجم

کائنات	عمر
نشتر	۸ر
شیخ چلی	۴ر

حکیم سراج الحق

سلطان تاجداران ہند	۱۲ر

قاری سرفراز حسین

مضامین قاری	عمر
سعادت	۴ر

سعید احمد فاروقی

منار المسلمین	۱۲ر
اخلاق محمدی	۱۲

سعید احمد ناطق

عجیب غریب	عمر
انجمن آرا	عمر
مسافر دمشقی	عمر
عزیز مصر	۵ر
خون عاشق	۵ر

سکندر علی شروانی

حیات سعدی	۸ر
حیات مشتاق	۶ر
حیات اسیر	۴ر

سلطان حیدر جوش

ابن مسلم	[illegible]
ثواب فرید	[illegible]
صبر کی دیوی	۴ر
اتفاقات زمانہ	۱ر
مساوات	۱ر

سر سید احمد خان

تہذیب الاخلاق جلد ا	[illegible]
" " دوم	[illegible]
خطبات احمدیہ	[illegible]
مقالات سرسید	عمر
احکام طعام	۶ر
ازالۃ الغین	۸ر

کانشنس	۱ر
نادان خدا پرست	۱ر
انشاء اللہ	۱ر

مولوی سید محمد

ہمارا طرز حکومت	۳ر

سید علی بلگرامی

سفرنامہ سیوتھینو	عمر
جنگ ٹرانسوال	[illegible]
عربوں کا فن تعمیر	۲ر

مولوی سید محمد بلگرامی

خواص الحیوان	[illegible]

سیماب اکبر آبادی

سیرۃ الحسین	[illegible]
سیرۃ الکبریٰ	[illegible]
سوانح غریب نواز	عمر
ترجمہ خطب عزیزیہ	۱۲ر
بہشتی جھومر	۱۲ر
نورجہان	۸ر
حیات حالی	۸ر
حیات زیب النساء	۶ر
بنت الرسول	۵ر
جام کوثر	۵ر
وفا کی دیوی	۴

سوگوار پری	۴ر

علامہ شبلی

سیرۃ النبی جلد اول حصہ ۱	[illegible]
" " حصہ ۲	[illegible]
الغزالی	[illegible]
سوانح مولانا روم	[illegible]
الفاروق	[illegible]
علم الکلام	عمر
الکلام	[illegible]
سفرنامہ روم و شام	[illegible]
مقالات شبلی	[illegible]
رسائل شبلی	[illegible]
المامون	[illegible]
سیرۃ النعمان	[illegible]
مضامین عالمگیر	عمر
مجموعہ کلام شبلی	۱۲ر
آغاز اسلام	۱۲ر
بیان خسرو	[illegible]
صبح امید	۴ر

شفیع احمد متھری

یگانہ بیگانہ	۲ر
خواب محو خیال	۲ر
سبق دیرینہ	۲ر

مولوی شفیع الدین خان

السنۃ شرعیہ	۲/
مشاہیر مشائخ	۸/

شفق عماد پوری

کلید مراد	۸/
تحقیق حق	۸/
ریاض شفق	۸/
کنز المعانی	۸/
حدیقۂ آخرت	۱/۶
غنچۂ بہار	۴/
ریاض نعت	۴/
ثمرۂ عقیدت	۱/۴
آئینۂ پیغمبری	۲/

مولوی شوکت حسین

سوانح محمد علی بانقیبہ	۱۲/
بجمرہ و فا	۴/

شیوبرت لال ورمن

ست سنجوگ	عہ/
صحبت فقرا	۱۰/
برہمی سدہار	۱۰/
کلیان دھرم	۱۲/
شاہی ٹکڑہارا	۸/

صفدر مرزا پوری

مرقع ادب	عہ/
بزم خیال	عہ/
نشاط سخن	عہ/

صفیہ بلگرامی

میلاد معصومین	عہ/
رسالہ تذکیر و تانیث	۸/

مسٹر ظفر عمر

نیلی چھتری	عہ/
بہرام کی گرفتاری	عہ/
چوروں کا کلب	۱۲/

مولینا ظفر الملک

الاعتبار	۶/
سیاسی رہنما	۲/

مولینا ظفر علیخان

جنگل میں منگل	عہ/
جمال الدین افغانی	۴/
معرکۂ مذہب و سائنس	صہ/
سیر ظلمات	۶/
جنگ روس و جاپان	۶/
اذیر کا حشر	۲/

سید ظہور احمد ندوی

عبد الرحمن ناصر	عہ/
عروس مصر	عہ/
حجاج بن یوسف	عہ/
بیوی کے فرائض	۴/

مولانا شرر

فلورا فلورنڈا	عہ/
منصور موہنا	عہ/
حسن انجلینا	۱۱/
ملک العزیز ورجنا	۱۲/
فردوس بریں	۱۰/
شہید وفا	۸/
حسن بن صباح	۶/
افسانۂ قیس	۴/
شب وصل	۲/
شب غم	۲/

منشی عبد الحکیم جالندھری

تلاش یار	۸/
فغان مسلم	۲/

منشی عبد الباری آسی

اقوال اکبر	۴/
سند رشناسا	صہ/
شرح دیوان غالب	از زیر طبع

عبد اللہ العمادی

تحکمات	۴/
علم الحدیث	۱۲/

منشی عبد الشکور خان

جذبات احرار	۳/
لمعات روحانی	۳/
ہنسی کا سودا	۳/
شاعر دل	۱/

ڈاکٹر عبد الشکور خان

حقوق الزوجین	صہ/

مولوی عبد الغنی

تخیلات المان	عہ/
تنقید بر قواعد عبد الحق	۲/

عبد الرؤف خان

انقلاب ترکی	عہ/
عروج کامل	عہ/
رسول عربی	۸/
امت کی مائیں	۸/
حسن و صحت	۲/
آداب نسواں	۲/
شریف بیان	۵/
امام حسنین	۴/

مولوی عبدالسلام ندوی

اسوۂ صحابہ	۸ر
امام مسلم	۱۴ر
تحریم شراب	۲ر
سیرۃ عمر بن عبدالعزیز	۸ر

مولانا عبدالماجد

تاریخ اخلاق یورپ حصہ	سے
″ حصہ ۲	سے
فلسفۂ جذبات	عہ
فلسفۂ اجتماع	۸ر
مکالمات برکلے	۸ر
اردو شیایان	۸ر
فلسفہ کی تعلیم	۴ر

مولانا عبدالماجد بدایونی

درس خلافت	۸ر
الاظہار	۸ر

خواجہ عبادالله اختر

دمشق	عہ
بغداد	عہ
ام القریٰ	۸ر

عبدالرزاق ندوی

حیرت انگیز شہر	۸ر
میلاد نامہ جدید	۶ر
ٹرکی اور یورپ	۶ر

مولانا عبدالحئی وکیل

تذکرۃ المصلی	۸ر
سیرۃ عثمان	۸ر

حکیم عبدالحی

تعلیم الاسلام	۳ر
اصلاح	۲ر
نورالایمان	۲ر
یادایام	عہ

مولوی عبدالمبین

سائنس و فلسفۂ تعلیم	۴ر
فلسفۂ اخلاق	۱۲ر
قیمتی زیور	۱۲ر
شائستہ دلہن	۴ر

مولوی عبدالسبحان

میلاد نامۂ سبحانی	۹ر

مولوی عبدالخالق

صلاح و فلاح	۸ر

مولوی عبدالباقی

مختارات تصوفیہ	عہ

عباس بیگ محشر

سرور فیشن	۸ر

مولوی عرفان علی

رسالۂ معراج	۱ر

عزیز لکھنوی

قصائد عزیز	۸ر

گل تابوت	۱۴ر

قاضی عزیزالدین

کنیز فاطمہ	۶ر
سیر دربار	عہ
ذکر شاہنشاہ	۸ر

خواجہ عشرت

جان اردو	۶ر
اصول اردو	۶ر
رسالہ زباندانی	۶ر
اصلاح زبان اردو	۶ر
قواعد میسر	۶ر
شاعری کی پہلی	۸ر
″ دوسری	۸ر
″ تیسری	۸ر

نواب علی حسن خان

نظریۃ الاسلام	عہ
المدنیۃ فی الاسلام	۸ر
شریعت الاسلام	۸ر
سیرۃ الاسلام	۶ر

مرزا غالب

اردوئے معلی	عہ
شرح دیوان غالب	عہ
کلیات نثر غالب	۸ر
″ نظم	۸ر
دیوان غالب	۶ر

حاجی غفور شاہ

الوارث	۱۲ر
حیات ابدی	۱۴ر
خون حرمین	۸ر

خواجہ غلام ثقلین

روزنامچہ سیاحت	سے
اسلام پر ایک لکچر	۲ر

شوق بلگرامی

تاریخ بہار و اڑیسہ	عہ

فیرالدین ڈسکوی

پیاسہ جی کی حالات	۸ر

قیصر بھوپالی

اوراق گل	عہ
خیابان ادب	۱۴ر
شوخیہ	۲ر

کشن پرشاد کول

تقاریر گوکھلے	۱۲ر
سلف گورنمنٹ	۶ر

کمال لکھنوی

بدر کمال	۱۲ر
ذوق کمال	۴ر
کمال حامدیہ	۶ر
آیات کمال	۵ر
خوبی سخن (ناتمام)	۸ر

مہاتما گاندھی

- سوراج ۸ر
- قطع تعلق ۱۰ر
- اردوگیہر دگے رشن ۱۴ر

مولوی لطافت علی

- کاشف الاسرار فارسی ۶ر

مولانا محمد علی

- تقاریر محمد علی حصہ ۱ ۸ر
- جذبات جوہر ۱۲ر

مولوی محمد علیخان

- فلاح دارین حصہ ۱ عہ ر

محمد حسین محوی

- انسانی قربانیاں ۸ر
- ازواج الانبیا عہ

محمد حسین صادق

- نغمہ کلام ۱۰ر

مولوی محمد مہدی

- رموز فطرت [illegible]
- انسان ۶ر

سید محمد فاروق

- داغ دہلوی ۸ر
- خیالات حالی ۱۰ر
- میر درد کے حالات ۳ر

مرزا محمد یادگی

- نشر ہستہ زادہ عہ ر

- ذات شریف عہ ر
- افسانہ ودانہ عمر
- خفی عاشق عہ ر
- خونی معشوق عہ ر
- امراؤ جان ادا ۱۲ر
- مرقع لیلیٰ مجنون ۸ر
- مثنوی امید و بیم سہ ر
- مثنوی نوبہار ۲ر

محمد الدین آوان

- عائشہ صدیقہ ۱۰ر
- خاتون جنت ۱۰ر

محمد الدین فوق

- تاریخ کشمیر عہد اسلامیہ عہ
- وجدانی نشتر عہ ر
- سوانح مولانا روم ۱۲ر
- رہنمائے کشمیر ۱۲ر
- یادرفتگان ۱۲ر
- محبت وطن خواتین ۱۲ر
- تاریخ کشمیر عہد سکھاں ۱۲ر
- تذکرۃ العلماء ۱۰ر
- خواتین دکن ۸ر
- ذوالنون مصری ۳ر
- للہ دو پیدہ ۳ر
- [illegible] ۱۰ر
- [illegible] ۲ر

مولوی محمد عظیم

- شریعت و طریقت ۶ر

مرزا محمد عسکری

- دلیل عشق ۴ر
- تحائف محفل کامل ۶ر

مولوی محمد عادل

- خلاصہ اصول شرح محمدی عہ

شاہ محمد فاضل

- عجائب حکمت عہ

محمد صدیق

- انسداد گداگری ۱۰ر
- انسداد حرامکاری ۱۰ر

قاضی محمد اسمعیل

- کتاب النکاح ع

محمد زکریا خان زکی

- دیوان زکی عہ ر
- مانک اور کنول راؤ

مقالات سقراط عہ ر

نواب محسن الملک

- قانون فطرت ۲ر
- آیات بینات کامل معہ ر
- کتاب الحجت ع

مرزا اعلیٰ لطف

- گلشن ہند عہ

مولوی جبر...

- ذکر خواجہ با تصویر
- عرفان کی تجلی
- حیات خوشتر
- بچوں کا اتالیق

معتمد خان

- المقبول
- القرش

موہن لال

- سیلاب خون
- انقلاب قسطنطنیہ
- محاصرۂ سیرس

نازش بدالیہ

- جلوۂ نور
- گلدستۂ قومی
- عجیب غریب بادل

مولوی نذیر ا...

- جواہرات

واجد علی شاہ

- حزن اختر
- خطوط ملکۂ غرالہ

[illegible]